خصوصی شمارہ
النظامیہ
علمی ادبی تحقیقی مجلہ
لاہور شیخوپورہ
حیات وخدمات
مفتیٔ اعظم پاکستان شیخ العلماء
مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر فضل حنان سعیدی
مدیران
مولانا محمد فاروق شریف رضوی
مولانا شکور احمد ضیا سیالوی
مجلس علماء نظامیہ پاکستان
مرکزی دفتر
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
042-37374429 0315-7374429
alnizamia7374429@gmail.com
مجلس علماء نظامیہ پاکستان

فہرست

اداریہ............

مدیرِاعلیٰ: شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی

محسنِ ملک وملت......مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ

1976ء، تعلیمی سال کے دوران جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں قرآنِ کریم حفظ کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ استاذ القرا قاری ظہور احمد سیالوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع ملا۔ اُس وقت سے لے کر اگست، 2003ء تک استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین والمتکلمین، حضور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ کی تربیت میں رہا۔ اُن کی شفقتیں ہر پل ساتھ رہیں۔ حفظِ قرآن سے لے کر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ تک اور تدریسی عمل میں، ہر مرحلے پر اُن کی راہ نمائی شامل حال رہی۔

جہاں تک میری معلومات ہیں، جامعہ کے طلبہ میں مجھے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اُستاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کو قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا: ''آپ بخاری شریف کے علاوہ باقی تمام اسباق فضل حنان کو پڑھائیں۔'' مفتی صاحب یہ چاہتے تھے کہ فضل حنان فنون کی تمام کتب پڑھے، فنون پڑھنے کے لیے اور کوئی طالبِ علم تیار نہیں تھا، حضرت شرفِ ملت استاذ ہوتے اور فضل حنان اکیلا شاگرد ہوتا تھا۔

یہ قبلہ مفتی صاحب اور حضرت شرفِ ملت علیہما الرحمہ کی شفقت کا کمال تھا، وہ یہ چاہتے تھے کہ میں ایک اچھا استاذ بن جاؤں ...... الحمدللہ میں نے بھی کوشش کی ہے اپنے تلامذہ کو اچھی تعلیم دوں اور تربیت میں بھی کوئی کوتاہی نہ کروں۔

قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ چاہتے تھے کہ مَیں جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہی پڑھاؤں، مَیں نے ہمیشہ اُن کی اِس خواہش کا احترام کیا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے بعد مجھے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب نے فرمایا: منہاج یونیورسٹی میں پڑھاؤ، اچھا پیکج ملے گا اور پرنسپل کی حیثیت سے بھی کام کرو......لیکن میں نے قبلہ مفتی صاحب کی خواہش کو ترجیح دی اور منہاج یونیورسٹی جانے سے انکار کر دیا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کا اندازِ تربیت بہت عمدہ تھا۔ اندازِ تربیت کی دو مثالیں اِحاطۂ تحریر میں لا رہا ہوں۔

☆ میں نحو میر پڑھتا تھا، میری ڈیوٹی تھی کہ صاحب زادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب کو صبح راوی روڈ، گھر سے لا کر اُردو بازار کے پاس گورنمنٹ اسکول میں چھوڑنا ہے اور شام کو واپس گھر پہنچانا ہے۔ مجھے ایک سیکنڈ ہینڈ سائیکل خرید کر دی ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سائیکل کا چیمپیئن سمجھتا تھا۔ صاحب زادہ صاحب کو ایک روز صبح سائیکل پر بٹھایا اور مین روڈ پر صاحب زادہ صاحب کو نحو میر پکڑا کر سبق یاد کرنے لگا......سائیکل کا ہینڈل ہاتھوں سے چھوڑ کر چلانے لگا، سپیڈ میں سائیکل چل رہی تھی، ایک ریڑھے کے پاس سے سائیکل گزری اور پھسل گئی، میرا ہاتھ ریڑھے کے پہیے کے نیچے اور صاحب زادہ صاحب کا سر پہیے سے ٹکرایا۔ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اب بھی اس واقعہ کی شہادت دے رہی ہے۔

میں سیدھا لوہاری میں سلیم صاحب جراح کے پاس پہنچا اور صاحب زادہ صاحب کے سر پر پٹی کروائی اور اپنے ہاتھ پر بھی، اسی دوران قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ خاموشی سے گزر گئے۔

صاحب زادہ صاحب کو چھوڑ کر جب میں جامعہ پہنچا تو مفتی صاحب نے مجھے بلوایا

اور فرمایا: بیٹا! کیا ہوا؟ اپنی کوتاہی چھپاتے ہوئے عرض کی: سائیکل سلپ ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: سائیکل کے سلپ ہونے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟ آپ دونوں کو اس قدر چوٹ لگی ہے، کوئی کوتاہی کی ہو گی......اللہ تعالی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں فرماتا اور پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ.

☆ ایک مرتبہ میرے ایک دوست کراچی سے تشریف لائے، ابھی لڑکپن تھا، میں انہیں سیر کروانے شالا مار باغ تانگے پر سوار کر کے لے جا رہا تھا، میں نے سر سے ٹوپی اُتاری، کچھ دیر میں قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ ایک اور تانگے پر سوار ہوئے دہلی گیٹ جانے کے لیے گزرے، مفتی صاحب کو دیکھ کر میں نے ٹوپی پہن لی......لیکن مفتی صاحب نے مجھے ننگے سر دیکھ لیا تھا۔ آپ کا تانگا آگے گزر گیا تو میں نے پھر ٹوپی اُتار دی۔ موچی گیٹ سواری اتارنے کے لیے مفتی صاحب کا تانگا رُکا اور میرا تانگا آگے گزر گیا......مفتی صاحب نے مجھے پھر ننگے سر دیکھ لیا۔

اگلے روز صبح بلوا کر فرمانے لگے: وہ شیشہ اُتار کر لاؤ......آپ کے کمرے میں ایک شیشہ ہوتا تھا۔ میں شیشہ اتار کر لایا تو فرمانے لگے: ٹوپی اُتارو اور اِس شیشہ میں دیکھو۔ میں نے ٹوپی اتار کر شیشے میں دیکھا، فرمانے لگے: اب ٹوپی پہن کر شیشے میں دیکھو......میں نے بہت خوبصورت ٹوپی پہن رکھی تھی۔ پھر فرمایا: صحیح بتلاؤ، ٹوپی پہن کر خوبصورت لگتے ہو یا ٹوپی کے بغیر؟ پھر فرمایا: بس بیٹا! جاؤ، سبق پڑھو۔

آپ کی تربیت کا اثر تھا کہ جب میں نے جامعہ نظامیہ رضویہ میں پڑھانا شروع کیا تو ایک ماہ مکمل ہونے پر حضرت مولانا غلام فرید صاحب نے مجھے وظیفہ دینا چاہا تو میں نے اُن سے گزارش کی کہ مجھے جامعہ سے وظیفہ نہیں لینا، محکمہ پولیس سے مجھے اتنی تنخواہ مل جاتی ہے کہ

میرا گزر بسر بہتر انداز سے ہورہا ہے۔ جب اس بات کا مفتی صاحب کو علم ہوا تو آپ نے بلوا کر فرمایا: بیٹے! آپ کو آپ کی نیت کا اجر مل چکا ہے، آپ کو مولانا غلام فرید صاحب جو کچھ دیں، آپ نے انکار نہیں کرنا، یہ میرا حکم ہے۔

1983ء میں راقم الحروف جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں مختصر المعانی پڑھ کر کراچی کے بعض مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گیا۔ وہاں کے مہتمم حضرات سے جب شناسائی ہوئی اور اُن کے معاملات کا مشاہدہ کیا تو استاذ الاساتذہ محسن اہل سنت، رئیس المحدثین والمتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب قادری ہزاروی علیہ الرحمہ کا مقام ومرتبہ اور آپ کی عظمت دل ودماغ میں راسخ ہوئی۔

آپ نے اپنے شب وروز کو اسلام کی سربلندی اور احیائے دین کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کا مہتمم ہونے کے ناطے آپ صبح اسمبلی سے پہلے جامعہ میں پہنچ جاتے...... تمام اساتذہ اور طلبہ آپ کی تقلید کرتے ہوئے اسمبلی میں اپنی موجودگی کو یقینی بناتے۔ دیگر اساتذہ سے زیادہ اسباق پڑھاتے...... نمازِ ظہر پڑھ کر فتوی نویسی میں مصروف ہوجاتے...... اکثر نمازِ عصر پڑھ کر اور کبھی نمازِ مغرب کے بعد گھر تشریف لے جاتے...... نمازِ عشا پڑھ کر صبح پڑھانے والے اسباق کے مطالعے میں مصروف ہوجاتے۔

آپ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ تقریباً 28 سال تک تنظیم المدارس کا انتظام و انصرام، جامعہ نظامیہ کے ایک کمرے میں آفس قائم کرکے چلاتے رہے، تنظیم المدارس کو بامِ عروج تک پہنچانے میں آپ کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ تنظیم المدارس، درجہ عالمیہ کی سند کو ایم۔ اے عربی اور اسلامیات کے مساوی قرار دلوانے اور درجہ عالیہ کی سند کو بی۔ اے کے مساوی قرار دلوانے میں بھی آپ نے اَن تھک کوشش فرمائی۔

آپ مختلف حکومتی اداروں کے ساتھ مدارسِ دینیہ کے مختلف معاملات پر میٹنگ کے لیے تشریف لے جاتے اور اِن اداروں کے سامنے اپنے موقف کو دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کرتے اور انھیں قائل کرتے۔

آپ نے جہاں خود کئی کتب تصنیف کیں وہاں اسلاف کی کتب کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے ''رضا فاؤنڈیشن'' اور اس سے قبل ''**منظمة الدعوة الاسلامية**'' معرضِ وجود میں لائے۔ رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام آپ نے اسلاف کی بہت سی عربی اور اُردو کتب بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع کروائیں۔

آپ نے پاکستان بنتے دیکھا، دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے ٹریننگ لیتے رہے، تحریکِ ختمِ نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

یہ آپ کی تربیت کا اثر اور روحانی فیض کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ کے جانشین صاحبزادہ مولانا محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ نہ صرف جامعہ نظامیہ رضویہ اور اُس کی تمام برانچز کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھا رہے ہیں، بلکہ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان بھی اُن کی نظامت میں مسلسل ترقی کی منازل طے کررہی ہے۔

مجلّہ النظامیہ کا خصوصی شمارہ

مجلّہ النظامیہ، اگست، ستمبر 2021ء کو خصوصی شمارہ کے طور پر شائع کیا جارہا ہے، جس میں حضور مفتیِ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مختلف مضامین موجود ہیں۔

2018ء میں مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کے زیرِ اہتمام ''النظامیہ'' کے ''مفتیِ اعظم

نمبر“ کی اِشاعت کے بعد محسوس ہوا کہ ابھی مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے بہت سے قریبی تعلق داروں کے مشاہدات کا منظرِ عام پر آنا باقی ہے، لہٰذا اِس حوالے سے ایک اور شمارہ شائع ہونا چاہیے۔

چنانچہ ملک بھر کے مختلف اکابر......جنھوں نے مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کو قریب سے دیکھا تھا، سے روابط کر کے اُنھیں مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ سے متعلق اپنے مشاہدات اِحاطۂ تحریر میں لانے کی درخواست کی گئی، کچھ نے ہماری درخواست کو قبول کیا، جب کہ بہت سے حضرات کے پاس بوجوہ ہماری درخواست کو شرفِ باریابی نہ مل سکا۔ تقریباً اڑھائی سال کی تگ ودَو کے بعد یہ وقیع شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اِس خصوصی شمارہ کا آغاز ”حیاتِ مفتیٔ اعظم پاکستان پر ایک نظر“ سے ہے، جسے النظامیہ ٹیم نے مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی قلمی ڈائریوں، جامعہ کے ریکارڈ میں موجود مختلف دستاویزات اور تنظیم المدارس کی کارروائی رپورٹس کو دیکھنے کے بعد نہایت عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔ مفتی صاحب کی ڈائریاں فراہم کرنے اور دستاویزات تک رسائی دینے پر میں مولانا صاحب زادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب کا شکر گزار ہوں۔

اِس سے متصل مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی ڈائریوں سے کچھ ”یادداشتیں“ باصرہ نواز ہیں، جنھیں پہلی بار ریکارڈ پر لایا جا رہا ہے۔

پھر دو ایسی شخصیات کی نگارشات ہیں، جنھوں نے ہماری درخواست پر اِس خصوصی شمارہ میں اشاعت کے لیے کچھ کلمات تحریر کیے، مگر اِس کی اِشاعت سے قبل ہی وہ باری تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔

ازاں بعد تین وقیع مقالات ہیں، جن میں ہر ایک انفرادیت کا حامل ہے...... پہلے

مقالہ میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے جلیل القدر اساتذہ اور مشاہیر تلامذہ کا مختصر تذکرہ ہے، دوسرے مقالہ میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تاحال معلوم ہونے والے دکاترۂ جامعہ نظامیہ رضویہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، جب کہ تیسرے مقالہ میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی تنظیم المدارس کے لیے خدمات کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ سبھی مقالات نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ مرتب کیے گئے ہیں، جس پر میں مقالہ نگاران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ازاں بعد مختلف مضمون نگاروں کی نگارشات مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو خراجِ تحسین پیش کر رہی ہیں۔ اِن مضامین کو قلمکاروں کی جامعہ نظامیہ رضویہ سے فراغت کے سنین کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اِن کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی۔

اِن مضامین کے وسط میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے دار کی مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو زبردست خراجِ عقیدت پر مشتمل تحریر ہے، جو مفتی صاحب کے بے داغ کردار اور جرأتِ ایمانی کا خوب اِظہار کرتی ہے۔ قلمکار کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے اُس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔

آخر میں مَیں مجلّہ نظامیہ کی پوری ٹیم، بالخصوص مولانا محمد فاروق شریف قادری صاحب اور مولانا شکور احمد ضیاء سیالوی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مجلّہ کی تیاری میں اپنا کردار ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کا مشن جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پیغامِ سرپرستِ اعلیٰ

والدِ گرامی مفتیٔ اعظم پاکستان قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے وصال کو اس اگست (2021ء) میں اٹھارہ برس مکمل ہوجائیں گے، مگر اُن کی شخصیت کی کشش آج بھی اسی طرح باقی ہے جس طرح اُن کی پاکیزہ زندگی کے بابرکت لمحات میں تھی۔

یہ اُن کی شخصیت کا کمال ہے کہ کوئی بھی علم دوست اُنھیں نظرانداز نہیں کرسکتا۔ اُن کی شخصیت کے اندر جانے کتنے پہلو مخفی ہیں کہ ایک کی طرف نظر کریں تو دوسرا دعوتِ نظارہ دینے لگے اور کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں زبردست جاذبیت نہ ہو۔

اُن کی حیات مبارکہ میں اِس قدر تنوع ہے کہ اگر کسی نے ان کی کسی کتابِ زیست کا مطالعہ شروع کیا تو وہ ساحل پر کھڑے ہوکر محض تماشائی بنا نہیں رہ سکا، بلکہ اس کے ذوق وشوق نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس دریا کی تہوں میں غواصی کرے اور علم وعرفان کے موتی نکال لائے۔

مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کے ذمہ داران اور مجلّہ النظامیہ کی ٹیم کو تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اگست، ستمبر کا یہ خصوصی شمارہ قبلہ والدِ گرامی کی حیات وخدمات کے لیے مختص کیا ہے۔ اس کا مطالعہ قاری کو حیاتِ مفتیٔ اعظم کے کئی مخفی گوشوں سے روشناس کروائے گا، مگر......

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی

ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ وتنظیم المدارس اہل سنت پاکستان

پیغامِ شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ

بیسویں صدی کی تاریخ جن شخصیات کے تذکرہ کے بغیر نامکمل متصور ہوگی اُن میں ایک نام استاذی واُستاذ الاساتذہ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کا ہے۔

بلاشبہ آپ ایک انقلاب آفریں شخصیت کے مالک، رجال ساز مدرس، متبحر عالم دین، دُور اندیش مفکر، عظیم ماہرِ تعلیم، مایہ ناز محقق، بالغ نظر فقیہ، رسوخ فی العلم کے حامل مصنف، عظیم مصلح اور اعلیٰ پائے کے منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ فکر وکردار کے حامل متحرک وفعال قائد تھے۔

احقاقِ حق وابطال باطل آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ہمہ وقت دینی، علمی، ملی، سماجی، اور تعمیری کاموں میں مستعد وسرگرم عمل رہے۔ آپ کی پوری زندگی زہد وتقوی، اتباعِ شریعت، اور حق پر ثابت قدمی سے عبارت رہی۔ حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحے تک درس وتدریس، تعلیم وتفہیم اور تصنیف وتالیف سے آپ کا تعلق بدستور قائم رہا اور نہایت ہی انہماک وخلوص کے ساتھ دین کی ترویج واشاعت میں مصروفِ عمل رہے۔

زندگی میں بے شمار نشیب وفراز بھی آئے، ہر طرح کی مصیبتوں اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، لیکن پایۂ استقامت میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور نہ ہی کبھی حرفِ شکایت زبان پر لائے۔ اِنھی اوصاف حمیدہ کے پیشِ نظر وہ دوسروں سے ممتاز رہے۔

آپ کی نگاہ ایسی مردم شناس تھی کہ آپ نے جس شخص کو جس ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا اُس کی کارکردگی سے ایسا محسوس ہوا کہ قدرت نے اُسے پیدا ہی اِس کام کے لیے کیا تھا۔

آپ کی قلمی یادداشتوں کے حسین گلدستے اور حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشے زیرِ نظر ''مجلّہ النظامیہ'' کی زینت ہیں۔ بلاشبہ آپ کا ذکرِ جمیل بھی کم ہمّت لوگوں کو مستعد کرنے اور اُن کے جذبات جواں کرنے کے لیے اکسیر ہے۔

یہ بھی اُن کی شخصیت کا منفرد اعزاز ہے کہ ایک ہی مجلّہ کا تیسرا شمارہ اُن کی حیات وخدمات کے لیے مختص کیا جارہا ہے۔352 صفحات پر مشتمل اِس ''خصوصی شمارہ'' کی ہر تحریر مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کے کسی نئے پہلو کی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کررہی ہے۔

یہ استاذِ گرامی کی شخصیت کا کمال اور تنوع ہے کہ اُن پر لکھنے والے کو اپنے موصوف کی تنگیٔ داماں کی شکایت پیدا نہیں ہوتی۔

مجلّہ النظامیہ کی پوری ٹیم اِس سعی جمیل پر مبارکباد اور تحسین کی مستحق ہے۔ دعا گوہوں کہ پروردگارِ عالم اُنھیں اس کارِ خیر کی بہترین جزا عطا فرمائے اور ہم سب کو اُس راستے پر چلائے جس پر مفتی صاحب علیہ الرحمہ ہمیں چلتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ آمین۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ناظم تعلیمات وشیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

حیاتِ مفتیٔ اعظم پاکستان پر ایک نظر

درج ذیل معلومات مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی قلمی ڈائریوں اور دیگر دستاویزات سے تصدیق شدہ ہیں۔ (ادارہ)

تعارف: (مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے تحریر کردہ الفاظ) **محمد عبدالقیوم بن حمید اللہ بن گل احمد بن ملا بہادر بن بندو بابا۔** ابوسعید کنیةً، **محمد عبدالقیوم** عَلَمًا، لاہوری وطنًا، ہزاروی اصلًا، تنولی جلوال نسبًا، حنفی مذہبًا، قادری طریقةً، عاصی عملاً، من خادمی اہل السنہ مسلکًا۔

☆ ولادت: ۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ/ 28دسمبر، 1933ء، بروز جمعرات، بعد از نمازِ عصر، بمقام میرا کلاں (ضلع مانسہرہ)

☆ وطنِ اصلی سے کوٹ پنڈی داس، ضلع شیخوپورہ کی طرف نقل مکانی: 1940ء

☆ دارالعلوم اویسیہ، جیندھڑ شریف، ضلع گجرات میں درسِ نظامی کی ابتدائی کتب کا آغاز: 1941ء، تقریباً

☆ دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں پہلی بار داخلہ: شوال ۱۳۶۸ھ/ 1949ء

☆ محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی ہدایت پر دیوبندی اثرات کا جائزہ لینے کے لیے سرگودھا کا خفیہ دورہ، جس کے بعد محدثِ اعظم نے وہاں اجلاس منعقد کراکے اُسے اہلِ سنت کا مرکز بنایا: 1952ء

☆ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ کے ہمراہ جامعہ رضویہ (ہارون آباد، بہاولنگر) میں آمد: 52-1951

☆ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ کے ہمراہ مدرسہ احیاء العلوم (بورے والا، وہاڑی) میں آمد: 1952-53ء

☆ دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں دوبارہ آمد: شوال ۱۳۷۲ھ/1953ء

☆ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے: ذی الحج، 1953ء

☆ محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر شرفِ بیعت: 1953ء

☆ آغازِ تدریس: مفتیٔ اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ کی طرف سے تکمیل دورۂ حدیث سے قبل جامعہ حنفیہ، قصور میں صدر مدرس کے طور پر تقرر، جہاں علالت کے سبب صرف چھ ماہ تک ہی فرائض سرانجام دے سکے: 1955ء

☆ سمندری کی جامع مسجد میں خطابت: 1955ء (صرف ایک ہفتہ فرائض سرانجام دیے)

☆ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل پر انجمن حزب الاحناف، لاہور کی طرف سے سالانہ جلسہ کے موقع پر دستار بندی اور محدثِ کچھوچھوی و سید ابوالحسنات و دیگر اکابر علیہم الرحمہ کی طرف سے سرفرازی: ۱۳۷۵ھ/1955ء

☆ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام (فیصل آباد) کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اکابرین کی طرف سے دستار بندی اور جبہ کی عنایت: 1956ء

☆ مدرسہ غوثیہ رضویہ (پیرمحل، ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں بطور صدر مدرس تقرری (تقرر کے بعد سالانہ چھٹیاں ہوگئیں اور آئندہ سال جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں آمد کے سبب خدمات سرانجام نہ دے سکے): شعبان، 1956ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریسی خدمات کا آغاز: 1956ء

☆ مسجد پیر گیلانیاں، موچی دروازہ، اندرون لاہور، کی جامع مسجد میں خطابت: 1956ءتا1958ء

☆ چک 126، گ ب، شہر ودانہ، تحصیل وڈاکخانہ جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد میں گھر کی خریداری: 4فروری، 1958ء

☆ جامع مسجد آخری بس سٹاپ، کرشن نگر، لاہور میں بطورِ خطیب تقرر (جہاں تقریباً پانچ سال تک خدمات سرانجام دیں): ستمبر، 1958ءتا1962ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ میں نائب مہتمم کے طور پر تقرر: 30 نومبر، 1962ء (صرف ایک سال میں، بجلی، پانی، فون وغیرہ سہولیات کا انتظام کردیا [بقلم مفتی صاحب])

☆ جامع مسجد خراسیاں (جامعہ نظامیہ سے متصل مسجد) میں خطابت: 1962ءتا1969ء

☆ استاذ گرامی کے فیصل آباد تشریف لے جانے کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ کے طور پر تقرر: شعبان، ۱۳۸۲ھ/جنوری، 1963ء

☆ والدین کی حج کے لیے گھر سے روانگی: 6مارچ، 1965ء۔ حج سے گھر واپسی: 23جون، 1965ء

☆ جمعیت علماءِ پاکستان کے انتخابات میں بطور مرکزی ناظمِ نشرواشاعت وصدرِ لاہور انتخاب، بعدازاں ملک بھر کا دورہ: ستمبر، 1968ء

☆ جمعیت علماءِ پاکستان کے تاریخی جلوس کی قیادت (جس میں اکابرِ جمعیت بھی موجود تھے): 17 جنوری، 1969ء

☆ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد پر حاجی فیض محمد صاحب کے ہمراہ مزارِ سلطان باہو پر حاضری: 9اگست، 1972ء

☆ راوی روڈ، لاہور میں ذاتی مکان کی خریداری (جہاں آپ آخر تک مقیم رہے): 11 ستمبر، 1973ء

☆ جمعیت علماءِ پاکستان کے مرکزی خازن کے طور پر انتخاب: 30 ستمبر، 1973ء

☆ تحریکِ ختمِ نبوت کے لیے نمایاں خدمات: 1974ء

☆ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں نمایاں خدمات: 1977ء

☆ والدگرامی کا کوٹ پنڈی داس (ضلع شیخوپورہ) میں انتقال: ۲۱ ذوالحجہ، ۱۳۹۸ھ/ 23 نومبر 1978ء

☆ مسودۂ ''قانونِ دیت وقصاص وشفعہ'' کی اسلام آباد روانگی: 11 جنوری، 1981ء

☆ پہلا ہوائی سفر (سوئے اسلام آباد): 18 جنوری، 1981ء

☆ ممبر صوبائی زکوۃ کمیٹی برائے دینی مدارس کے طور پر نامزدگی: جولائی، 1981ء

☆ بطور ممبر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی نامزدگی: رمضان، ۱۴۰۴ھ/ جون، 1984ء

☆ بطور ممبر صوبائی زکوٰۃ کونسل نامزدگی (تین سال کے لیے): 24 جولائی، 1985ء

☆ ابوظہبی کے وزیر اوقاف سے ملاقات: 2 مارچ، 1986ء

☆ مرکزی سیرت کمیٹی کے رکن کے طور پر نامزدگی: 23 نومبر، 1986ء

☆ انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈیز (اسلام آباد) میں مقالہ ''دینی مدارس کی تعلیم علما کی نظر میں'' پیش کیا: 23 نومبر، 1986ء

☆ قومی سیرت کانفرنس (اسلام آباد) میں شرکت: 24 نومبر، 1986ء

☆ والدہ ماجدہ کا انتقال: 8 دسمبر، 1986ء

☆ رضا فاؤنڈیشن سے تعاون کے لیے پہلا دورۂ برطانیہ اور سعادتِ حج: 1988ء

☆ بطور ممبر صوبائی زکوۃ کونسل دوبارہ نامزدگی: جولائی، 1988ء

☆ صدرِ پاکستان کی طرف سے بطور ممبر مرکزی زکوٰۃ کونسل نامزدگی: اکتوبر، 1988ء
(خصوصی اعزاز ورعایت کے ساتھ بیک وقت مرکزی وصوبائی کونسلز کے ممبر رہے)

☆ ممبر مرکزی زکوٰۃ کونسل کے طور پر دوبارہ نامزدگی: یکم ستمبر، 1991ء

☆ نئی مرکزی زکوٰۃ کونسل میں بطور ممبر دوبارہ نامزدگی: 23 جنوری، 1992ء

☆ دوسرا دورۂ برطانیہ اور سعادتِ عمرہ: 1996ء

☆ صدر قذافی کی دعوت پر لیبیا میں محفل میلاد النبی ﷺ میں شرکت: 1998ء

☆ وصالِ مبارک: ۲۸ ویں شب جمادی الاخری، ۱۴۲۴ھ/ 26 اگست، 2003ء

☆ عمر مبارک: 70 سال، 7 ماہ، 29 دن

☆ زمانۂ تعلیم وتحصیل: 12 سال

☆ زمانہ تدریس: تقریباً 49 سال

☆ باقی بچپن کا زمانہ: 9 سال

جامعہ نظامیہ رضویہ سے متعلق

☆ محدثِ اعظم پاکستان کی طرف سے مولانا غلام رسول رضوی علیہما الرحمہ کو لوہاری دروازہ، اندرون لاہور میں اِدارہ قائم کرنے کا ایما: ۲۲ ذی الحجہ، ۱۳۷۳ھ/ 22 اگست، 1954ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ کا آغاز: ۱۲ شوال، ۱۳۷۵ھ/ مئی، 1956ء

☆ جامعہ کی اراضی سے متعلق مخالفین کے مقدمات کا خاتمہ: ربیع الثانی، ۱۳۹۲ھ/ 31 مئی، 1972ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد (بدست حاجی فیض محمد صاحب وحاجی مہر الدین صاحب وقاری محمود صاحب ومفتیٔ اعظم پاکستان علیہم الرحمہ): ۲۲ ربیع الثانی، ۱۳۹۲ھ /5جون1972ء، بروز پیر (ایک سال میں 23 کمروں اور برآمدوں پر مشتمل دومنزلہ عمارت قائم ہوئی، جس پر مجموعی اخراجات ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہوئے)

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ میں جمعیت علماءِ پاکستان کی عاملہ کا اجلاس:22اپریل،1973ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں اکابرِ تحریکِ ختمِ نبوت کے لیے استقبالیہ: ۲۰ شوال، ۱۳۹۴ھ /26اکتوبر، 1974ء

☆ مفتیٔ اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ کے درسِ حدیث سے دورۂ حدیث شریف کا آغاز: ۱۱ شوال، ۱۳۹۴ھ/28اکتوبر، 1974ء

☆ نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا تقدس علی خان صاحب علیہا الرحمہ کی طرف سے جامعہ کے لے ڈیڑھ صد روپے کا تحفہ:6مارچ1979ء

☆ سہ ماہی مجلّہ ''العارف'' کا اجرا:1980ء (اس کے فقط چار شمارے شائع ہو سکے)

☆ نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں آمد: ۱۶ رجب، ۱۳۰۳ھ/30اپریل، 1983ء

☆ بزمِ رضا کے زیرِ اہتمام سالنامہ ''جلوۂ طیبہ'' کا اِجرا: ۱۴۰۳ھ / 1983ء

☆ اکابرِ اہلِ سنت، بالخصوص اعلیٰ حضرت علیہم الرحمہ کی کتب کو عالمی معیار پر شائع کرنے کے لیے ''رضا فاؤنڈیشن'' کا قیام:1985ء (اس سے کچھ سال قبل **منظمة الدعوة الاسلامية** کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا، جس کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی)

☆ جامعہ کے لیے گاڑی (ڈبل کیبن پک اپ) کا حصول: فروری، 1985ء

11

☆ شمالی بلاک (جس میں مرکزی ناظمِ اعلیٰ کا دفتر ہے) اور جنوب مغربی بلاک (جس میں موجودہ کمرہ نمبر5 شامل ہے) کی تیسری منزل کی تکمیل:1986ء

☆ تاج الشریعہ کے برادرِ اصغر مولانا ڈاکٹر قمر رضا خان علیہا الرحمہ کی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تشریف آوری:14مارچ، 1987

☆ مغربی بلاک (جس میں موجودہ محدثِ اعظم ہال شامل ہے) کی تکمیل: اکتوبر، 1988ء (تقریباً چھ لاکھ روپے خرچ ہوئے)

☆ طلبہ کی تنظیم بزمِ رضا کے زیرِ اہتمام سہ ماہی ''لوح وقلم'' کا اجرا: ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ /اکتوبر1991ء

☆ کویت کے سابق وزیر سید ہاشم رفاعی علیہ الرحمہ کی جامعہ نظامیہ میں تشریف آوری اور درسِ حدیث:5جنوری، 1993ء

☆ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی زیرِ صدارت فلاحی اِدارے ''ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ وبہبودِ عامہ'' کا قیام، جس کا مرکزی دفتر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور مقرر ہوا: ۱۰ محرم الحرام، ۱۴۱۴ھ/ یکم جولائی، 1993ء

☆ ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ وبہبودِ عامہ کا پہلا اجلاس:11 ستمبر، 1993ء

☆ جامعہ میں فتاوی رضویہ کے نئے ایڈیشن کی تعارفی تقریب:27اکتوبر1993ء

☆ ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ وبہبودِ عامہ کی رجسٹریشن:31اکتوبر، 1993ء

☆ علماءِ نظامیہ کی تنظیم مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کا قیام:4جنوری، 1994ء

☆ مجلس علماء نظامیہ پاکستان کے اراکین کا پہلا اجلاس: ۱۴ رجب المرجب، ۱۴۱۶ھ / 7دسمبر، 1995ء

☆ جامعۃ الازہر (مصر) کے اعلیٰ سطحی وفد کا لاہور میں دورہ: 9 جنوری، 2001ء

☆ ماہنامہ ''النظامیہ'' کا اجراء: ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/ جون 2001ء

جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ سے متعلق

☆ شیخوپورہ میں جامعہ کے لیے 40 کنال اراضی کے حصول کی درخواست بنام چیئرمین بورڈ متروکہ وقف املاک، لاہور: 12 جنوری، 1984ء

☆ شیخوپورہ اراضی کی رقم (ایک لاکھ، اکاون ہزار) جمع کرائی: یکم جنوری، 1985ء

☆ شیخوپورہ اراضی کی جامعہ کے نام رجسٹری (مجموعی اخراجات تقریباً دو لاکھ روپے): 7 جنوری، 1985ء

☆ شیخوپورہ اراضی کا انتقال بنام جامعہ: 14 مارچ، 1985ء

(اس اراضی کے حصول میں جناب مقبول احمد کھوکھر اور جناب چوہدری محمد صدیق [آفیسران متروکہ وقف املاک بورڈ] کی خصوصی دلچسپی اور عملی تعاون کا بنیادی دخل ہے۔[بقلم مفتی صاحب])

☆ شیخوپورہ میں نظامِ تعلیم کا آغاز: ۱۹ ذوالحجہ، ۱۴۰۸ھ/ یکم اگست، 1988ء

☆ شیخوپورہ اراضی کے وسط میں آنے والے تین کنال مملوکہ قطعۂ زمین کی خریداری (بعوض تقریباً تین لاکھ روپے): مارچ، 1989ء

☆ شیخوپورہ میں چار دیواری کی تعمیر کا آغاز: 9 جنوری، 1987ء

☆ شیخوپورہ میں ہاسٹل کی تعمیر کے لیے کھدائی کا آغاز: ۱۲ ربیع الثانی، ۱۴۱۳ھ/ 9 اکتوبر، 1992ء، بروز جمعۃ المبارک۔

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ کی رجسٹریشن: 18 ستمبر، 1994ء

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان سے متعلق

☆ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ میں اجلاس اور مفتی صاحب کا ناظم اعلیٰ کے طور پر پہلی بار تقرر: ۱۴ ذوالحجہ، ۱۳۹۳ھ/ 9 جنوری، 1974ء

☆ تنظیم المدارس کے لیے دستور العمل کی منظوری: ۱۸ صفر المظفر، ۱۳۹۴ھ/ 13 مارچ، 1974ء

☆ مدارس کے لیے ''نظام المدارس'' کے قواعد وضوابط کا اجرا: ۱۰ شوال ۱۳۹۴ھ/ 27 اکتوبر، 1974ء

☆ نصابِ تعلیم کی منظوری: ۱۱ شوال ۱۳۹۴ھ/ 28 اکتوبر، 1974ء

☆ تنظیم کی شوریٰ میں سند کی منظوری: ۱۱ شوال، ۱۳۹۴ھ/ 28 اکتوبر، 1974ء

☆ دوسری بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: ۱۱ شوال ۱۳۹۴ھ/ 28 اکتوبر، 1974ء

☆ تیسری بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: ۱۶ ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ/ 28 نومبر 1977ء

☆ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے تحت تنظیم المدارس کی نمائندگی کے لیے بطور ''نگران کمیٹی برائے دینی مدارس'' نامزدگی: 1980ء

☆ چوتھی بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: ۱۷ ذوالحجہ، ۱۴۰۰ھ/ 27 اکتوبر، 1980ء

☆ حکومتی سطح پر تنظیم المدارس کی سند کو ایم۔اے۔عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دلایا: 22 جولائی 1981ء

☆ تنظیم کے امتحانی بورڈ کا قیام: ۲۱ ذوالحجہ، ۱۴۰۱ھ/ 20 اکتوبر، 1981ء

- ☆ تنظیم کے تحت قاضی کورس کا اجرا: ۲۱ ذوالحجہ، ۱٤۰۱ھ/ 20 اکتوبر، 1981ء
- ☆ پانچویں بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: ۱٦ رجب، ۱٤۰٤ھ/ 18 اپریل، 1984ء
- ☆ چھٹی بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: 25 اکتوبر، 1986ء
- ☆ ساتویں بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: 25 اکتوبر، 1989ء
- ☆ عہدۂ نظامت کی مدت میں دو سال کی توسیع: 19 اگست، 1992ء
- ☆ آٹھویں بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: 17 اکتوبر، 1994ء
- ☆ نویں بار ناظمِ اعلیٰ کے طور پر انتخاب: ۱۹ صفر، ۱۴۱۹ھ / 25 جون، 1998ء
- ☆ عہدۂ نظامت سے استعفا اور بطور صدر انتخاب: 23 ستمبر 2001ء

یادداشتیں

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی قلمی ڈائریاں آپ کے جانشین مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی مدظلہٗ (ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ و تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان) کے پاس محفوظ ہیں۔

ادارہ یہ تاریخی نوادرات فراہم کرنے پر صاحبزادہ والا مرتبت کا شکر گزار ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی ڈائریوں سے کچھ یادداشتیں پیشِ خدمت ہیں۔

یاد داشتیں......

ابتلاء وامتحان

جنوری 1963ء سے جب جامعہ کا انتظام سنبھالا تو ابتلا کا دور شروع ہوا۔ ایک طرف غیر معروفیت اور غیر اہم شخصیت کی بنا پر بے سروسامانی...... دوسری طرف جامعہ کے لیے ہزاروں روپے ماہانہ اخراجات کی فراہمی...... تیسری طرف اراضیٔ جامعہ پر کارپوریشن اوراوباش قسم کے اہلِ محلّہ کا قبضہ، جن کو تمام اہلِ محلّہ (سوائے چوہدری دین محمد کے اہلِ خاندان) کی پشت پناہی حاصل تھی، جو کہ دن رات طلبا، مدرسین اور خود مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے، حملے کرتے، گالی گلوچ کرتے، آوازیں کس کر بازار میں رسوا کرتے۔

اس کے ساتھ ہی کارپوریشن، ایرومنٹ ٹرسٹ، محکمہ بحالیات اور محکمہ مال کے مقدمات، اہلِ محلّہ کے جعلی مقدمات، فوج داری مقدمات کا مقابلہ، جس سے اِن فریقوں کا مقصد یہ تھا کہ مدرسہ ختم کر کے یہ لوگ بھاگنے پر مجبور ہو جائیں۔

نیز 1965ء سے 1973ء تک اہلِ محلّہ نے ایک جعلی پاگل بنا کر اہلِ مدرسہ خصوصاً مجھے گالی گلوچ کرانے کے لیے مدرسہ کے اِحاطہ میں قابض کر رکھا تھا، جس کا کام صبح سحری کے وقت مدرسہ کے کمروں کی چھت پر کھڑے ہو کر میرے نام کو بار بار استعمال کر کے گالی دینا تھا، اس کی حفاظت خود اہلِ محلّہ کے بدمعاش کرتے تھے، جو اس جعلی پاگل شخص کو اس حرکت سے روکتا اُس کو وہ مار پیٹ کرتے۔

اِس تمام دور میں صبح پڑھانا، دوپہر دفاتر اور کچہریوں میں جانا، شام کے وقت لوگوں

سے اخراجاتِ مدرسہ کے لیے چندہ مانگنا معمول رہا۔

تقریباً گیارہ سال کا یہ ابتلا 5 جون 1972ء کو ختم ہوا، جب یہ تمام فریق عاجز ہو گئے اور اللہ کی نصرت نے یاری فرمائی۔

اس تمام عرصہ میں وہ دور سخت ترین تھا جب پیپلز پارٹی (بدمعاش پارٹی) کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا۔ ایک بدمعاش وزیر، جو اسی علاقہ سے الیکشن میں کامیاب ہوا، جس کا نام افتخار تھا، نے اہلِ محلّہ کے مخالفین بدمعاشوں کو یہ وعدہ دے رکھا تھا کہ اگر میں کامیاب ہوا تو مدرسہ سے اراضی کو خالی کراؤں گا۔ چنانچہ حسبِ وعدہ اس نے وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہی اپنا وعدہ پورا کرنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے خائب وخاسر فرمایا اور اُس کی وزارت کے دور میں ہی مدرسہ کی جدید عمارت کو قائم فرمایا اور وہ خود ایک سال بعد وزارت سے ذلیل ہو کر علیحدہ ہوا۔

یاد داشتیں......

زمانۂ تدریس سے متعلق

(جامعہ حنفیہ،قصور میں تقرر)

1955ء،دورۂ حدیث شریف کے دوران ہی مولانا محمد عبداللہ قصوری کی درخواست پر مجھے جامعہ حنفیہ،قصور میں صدر مدرس کے عہدہ پر بھیج دیا۔مولانا عبداللہ قصوری نے کہا کہ درمیانِ سال میں ہمارا مدرس چلا گیا ہے،لہٰذا فوری طور ایسے مدرس کی ضرورت ہے کہ جو درسِ نظامی کی تمام کتب پڑھا سکے،اس لیے حضرت سید صاحب قبلہ نے مجھے حکم فرمایا،تقریباً چھ ماہ اس عہدہ پر کام کیا۔

اس دوران بصیر پور کے چند طلبا ''مطول''،''سلم العلوم'' وغیرہا کتب پڑھنے والے جامعہ حنفیہ،قصور میں آئے،یہاں داخلہ لیا۔اسباق مجھے بتائے گئے،میں نے رات کو مطالعہ کے لیے کتب طلب کیں،لیکن مہتمم صاحب نے کسی وجہ سے رات کتب مجھے نہ دیں،مگر صبح یہ طلبا کتب لے کر اسباق پڑھنے آ گئے،ہر کتاب کا سبق درمیانِ کتاب میں سے تھا،کیونکہ یہ طلبا بصیر پور میں یہ اسباق پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے تھے،تاہم میں نے ہر سبق کی بغیر مطالعہ تقریر کر دی اور طلباء کو مطمئن کر دیا،اس پر طلبا اور مہتمم صاحب حیران ہوئے۔

قصور میں 22 اسباق تک میں نے روزانہ پڑھائے،جبکہ صرف ونحو کے اسباق زبانی بھی سنتا رہا اور صیغے بھی رات کو طلبا سے نکلواتا تھا۔وہاں مدرسہ میں طلبا کے شروع سے دو متحارب گروپ تھے،جن کے جھگڑے کی بنا پر مدرسہ کا ماحول پارٹی بازی کا شکار تھا۔میں نے

15

ایک پارٹی کو مدرسہ سے خارج کر دیا،جس کی بنا پر مدرسہ کا ماحول درست ہو گیا،مگر چند دنوں کے بعد خارج کردہ طلبا اور مہتمم صاحب میری منت سماجت کرنے لگے کہ اِن کو معاف کر دو اور دوبارہ داخلہ منظور کر لو،مگر میں اپنے فیصلے پر مصر رہا،آخر وقت تک میں نے داخل نہ کیا۔ اس دوران میں بیمار ہو گیا اور رخصت لے کر گھر چلا گیا۔

آئندہ تعلیمی سال کا کچھ حصہ میں بیماری کی وجہ سے گھر رہا اور پھر حضرت سیدی مولانا سردار احمد صاحب نے پیغام بھیج کر مجھے طلب فرمایا اور سمندری کی مسجد کی امامت اور خطابت کے لیے بھیج دیا،مگر ایک ہفتہ بعد میں نے واپس آ کر معذرت کر لی کہ امامت وخطابت میرے بس کی بات نہیں۔اس سال کے بقیہ مہینے میں جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) میں دورۂ حدیث شریف میں شامل رہا۔

(پیرمحل،ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تقرر)

شعبان،56ء میں سالانہ جلسہ کے موقع پر مولانا عبدالغفور صاحب کے اِصرار پر حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مجھے پیرمحل غلہ منڈی کے مدرسہ میں مدرس مقرر فرما کر بھیج دیا۔مولانا عبدالغفور میرے واقف نہ تھے،لیکن انہوں نے مدرسہ میں طلبا سے معلومات حاصل کر کے میرا نام حضرت کو پیش کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ سالانہ جلسہ کے موقع پر جامعہ رضویہ کی شاہی مسجد،جس کے امام حضرت مولانا عبدالقادر تھے،وہ جلسہ کی مصروفیات کی بنا پر عصر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں نہ پہنچ سکے تو موجود حضرات نے مجھے نماز پڑھانے کو کہا۔جب نماز کے بعد میں ابھی مصلّٰی پر ہی تھا کہ ایک مولوی صاحب میرے متعلق تلاش میں تھے،میں دیکھ رہا تھا کہ ایک صاحب

اُن کو میری طرف اشارہ کر کے بتا رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مجھے حضرت صاحب کا پیغام ملا، میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہی صاحب جو میرے درپے تھے، وہ حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے مجھے مولانا عبدالغفور صاحب سے متعارف کرایا اور فرمایا کہ مولانا صاحب کا اِصرار ہے کہ عبدالقیوم کو پیرمحل بھیجا جائے، آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ کا جیسے حکم ہو، پابندی کروں گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم مولانا صاحب کے ساتھ پیرمحل چلے جاؤ، وہاں مدرسہ بھی دیکھو اور ذمہ داری سنبھال لو اور پھر چند دن کے بعد گھر چلے جانا اور تعطیلات کے بعد وہاں کام کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ مولانا عبدالغفور صاحب، مہتمم مدرسہ نے مجھے ڈیڑھ صد روپے ماہانہ اور کھانا، ناشتا، دودھ وغیرہ کی سہولیات بتائیں۔

(جامعہ نظامیہ رضویہ آمد)

رمضان میں گھر پر تھا کہ حضرت نے مجھے گھر سے طلب فرمایا، حاضر ہونے پر مجھے آپ نے ایک خط نکال کر دکھایا کہ یہ تمہارے استاذ مولانا غلام رسول صاحب کا خط آیا ہے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ میں نے دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس چھوڑ دی ہے اور مسجد خراسیاں میں نیا مدرسہ قائم کر رہا ہوں، اس لیے مولوی عبدالقیوم کو میری معاونت کے لیے پابند کیا جائے اور اس کو لاہور بھیج دیا جائے۔ آپ نے مضمونِ خط سنانے کے بعد فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے؟ جب کہ پیرمحل میں تمہاری تقرری ہو چکی ہے، وہاں مشاہرہ معقول اور دیگر سہولیات بھی ہیں، مگر اسباق کا ذوق لاہور میں پورا ہوگا، جبکہ لاہور میں تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ دونوں جگہوں کی ترجیحی وجوہ بیان فرمانے پر پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا: مَیں حکم کا پابند ہوں، میری اپنی کوئی رائے نہیں ہے، کوئی فیصلہ نہ سنایا۔ تین دن تک

آپ مجھ سے استفسار فرماتے رہے، میں وہی جواب عرض کرتا رہا۔ آخر تیسرے روز آپ نے حکم فرمایا: تم اپنے استاذ صاحب کے پاس لاہور جاؤ، وہاں تمہارے ذوق کے مطابق اسباق ملیں گے، اگرچہ وہاں کچھ تکالیف ہوں گی۔

رمضان شریف، 1956ء کے بعد شوال میں حکم کے مطابق لاہور اُستاذ صاحب کے پاس مسجد خراسیاں حاضر ہوا۔ آپ سے ملاقات کی، خیریت پوچھی، خوشی کا اظہار فرما کر استاذ صاحب گھر تشریف لے گئے، بے تکلفی کی بنا پر آپ نے مجھے پانی وغیرہ بھی نہ پوچھا، حالانکہ گرمی کا موسم تھا، میں سفر کر کے پہنچا تھا اور آپ کے طلب کرنے پر آیا۔ مغرب کا وقت قریب تھا میرے ایک مخلص ساتھی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جو ابھی زیرِ تعلیم تھے، مجھے اپنے ہمراہ مسجد میں لے گئے، وہاں اپنے پاس انھوں نے میرے قیام کا انتظام فرمایا۔

یہاں ابھی مسجد خراسیاں میں ہی مدرسہ کا پروگرام تھا، لیکن لاہور قیام کے دوران استاذ صاحب مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ یہاں مدرسہ قائم کر کے مسجد کے ساتھ باغیچہ نہال چند، رقبہ تین کنال، جو اوباش لوگوں کے زیر تسلط ہے، اس پر قبضہ کر کے مدرسہ تعمیر کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے 1956ء شوال میں دارالعلوم حزب الاحناف سے مستعفی ہو کر ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' کے نام سے مسجد خراسیاں میں مدرسہ شروع کیا اور حزب الاحناف سے منتہی طلبا یہاں مسجد خراسیاں میں استاذ صاحب کے پاس آ گئے اور شوال کے وسط میں تعلیمی نظام شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔ افتتاحِ تعلیم کے لیے حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد صاحب لائل پور سے تشریف لائے اور آپ نے ہدایہ شریف پڑھا کر تعلیم کا افتتاح فرمایا۔ یہاں قیام کی جگہ نہ ہونے کی بنا پر مساجد کے متعلق طلبا کو پابند کیا گیا کہ وہ حسبِ گنجائش مسافر طلبا کو اپنے ہاں ٹھہرائیں، کتب کی ضرورت جامعہ رضویہ لائل پور سے مستعار

لے کر پوری کی گئی۔ چند ماہ مسجد میں اسباق پڑھائے جاتے رہے، بعدۂ بعض بااثر حضرات کی سفارش پر باغیچہ میں سائبان لگا کر دوپہر تک پڑھائی کا انتظام کیا گیا۔

شعبہ حفظ القرآن کے لیے قاری محمد حنیف صاحب جو مدرسہ تجوید القرآن، موتی بازار میں مدرس تھے، کی خدمات حاصل کی گئیں۔ درسِ نظامی کے تمام اسباق یہ ناچیز اور استاذ صاحب پڑھاتے تھے۔ چونکہ اکثر منتہی طلبا تھے اور میرے ساتھی بھی اِن میں شامل تھے، لیکن وہ خوش دلی سے مجھ سے اسباق پڑھتے تھے۔ پہلے سال میرے پاس توضیح، جامی، نورالانوار، کافیہ وغیرہا اسباق تھے۔

میرا قیام مولانا غلام مصطفیٰ کے پاس مسجد پیر گیلانیاں، اندرون موچی دروازہ ہی رہا، وہی میرے قیام وطعام کا انتظام کرتے۔ مدرسہ کی طرف سے چھ ماہ تک کوئی وظیفہ وغیرہ نہ ملا۔ اس کے بعد بتیس (۳۲) روپے ماہانہ استاذ صاحب نے دینے شروع کیے۔

آئندہ سال شوال میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب لائل پور دورہ شریف پڑھنے چلے گئے تو اُن کی مسجد کی امامت میں نے سنبھال لی، وہاں سے بھی تیس روپے ماہانہ اور کھانا ملتا تھا۔

اس سال اسباق زیادہ ہونے کی بنا پر مولانا محمد اللہ بخش صاحب، واں بھچراں جو کہ راولپنڈی **احسن المدارس** میں تدریس فرماتے تھے اور حافظ مولانا محمد علی صاحب، شرقپور جامعہ حضرت میاں صاحب میں خدمات سرانجام دیتے تھے، یہ دونوں میرے ہم درس رہ چکے تھے، مولانا محمد اللہ بخش لائل پور دورہ شریف میں اور مولانا محمد علی صاحب لاہور میں معقول کی انتہائی کتب میں میرے ساتھ شریک رہے تھے، اس لیے ان دونوں حضرات کو میں نے جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریس کے لیے آمادہ کرلیا۔ اس طرح میری درخواست پر وہ تشریف لائے۔

مولانا محمد اللہ بخش صاحب کا انتظام جامع مسجد حنفیہ، بیڈن روڈ میں کیا گیا، وہاں خطابت وامامت کے طور پر اِن کی تقرری ہوئی اور مولانا محمد علی صاحب کو کچھ مدت میں نے اپنے پاس مسجد پیر گیلانیاں میں رکھا، پھر ان کو بھی ایک مسجد میں بطور خطیب مقرر کردیا۔ اس طرح اِن اساتذہ کے پاس کچھ طلبا کی رہائش کا انتظام بھی ہوگیا۔

اِس دوران باغیچہ میں بعض کھنڈرات شدہ کمروں کی تعمیر کی اِجازت بھی حاصل کرکے کچھ طلبا وہاں رکھے گئے۔ اس طرح دن میں کچھ استاذ سائبان اور کچھ کمروں و برآمدہ میں بیٹھ کر پڑھاتے۔ قاری صاحب کی کلاس بدستور مسجد میں قائم رہی۔ اس طرح باغیچہ کا کچھ حصہ مدرسہ کے زیر استعمال آگیا، جبکہ اوباش لوگ بھی اپنا کام یہاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

نوٹ: باغیچہ کے متعلق مدرسہ کے احوال کی تفصیلات ''جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ'' (از مولانا محمد منشا تابش قصوری) میں مذکور ہیں۔

(اسلام پورہ، لاہور میں امامت وخطابت)

جامعہ کے دوسرے سال 58ء شروع ہونے پر ایوب خان کا مارشل لاء آگیا۔ اس دوران کرشن نگر (اسلام پورہ) آخری بس سٹاپ کی جامع مسجد سے دیوبندی مولوی الیاس کو بذریعہ پولیس نکالا گیا، وہاں کی انتظامیہ کے لوگ جامعہ میں آئے اور وہاں کے لیے خطیب و امام کا مطالبہ کیا اور کہا کہ فوری طور پر انتظام ہونا ضروری ہے؛ تاکہ مخالفین کو دوبارہ موقع نہ ملے۔ اس موقع پر استاذ صاحب اور مدرسین کا مشورہ ہوا کہ عبدالقیوم کو وہاں بھیج دیا جائے۔ مجھ سے بات ہوئی تو میں نے انکار کیا اور گزارش کی کہ آخری بس سٹاپ والی بڑی مسجد ہے

اور متنازعہ جگہ ہے، جب کہ مجھے خطابت کا کوئی تجربہ نہیں اور نہ ہی عوام الناس سے ربط وضبط کا مجھے تجربہ ہے، بلکہ طبعی طور پر میں عوامی تعلقات اور مشاغل کو پسند نہیں کرتا۔ میرے عذر کے باوجود تمام حضرات نے مجھے مجبور کیا کہ عارضی طور پر آپ وہاں انتظام سنبھال لیں، موزوں آدمی ملنے پر آپ کو واپس کر لیا جائے گا۔ مسجد کی انتظامیہ بھی فوری انتظام چاہتی تھی اس لیے مجبوراً مجھے عارضی طور وہاں انتظام سنبھالنا پڑا۔ اس کا فائدہ مسجد والوں کو یہ ہوا کہ فوری طور پر جگہ پُر کر لی۔ مدرسہ کو یہ فائدہ ہوا کہ مسجد وسیع وعریض ہونے کی بنا پر وہاں کچھ طلبا کی رہائش کا انتظام ہو گیا۔ چنانچہ ہم استاذ وشاگرد صبح مدرسہ اور پڑھائی کے بعد واپس مسجد میں چلے جاتے۔ اس صورتِ حال کے باوجود مَیں مسجد انتظامیہ کو بار بار یاد دلاتا کہ آپ مستقل آدمی کا انتظام کریں، لیکن یہ عارضی انتظام پانچ سال تک چلتا رہا، حتی کہ 62ء کے اختتام پر حضرت محدثِ اعظم پاکستان کا وصال ہو گیا اور استاذ صاحب اُن کے جانشین مقرر ہو کر وہاں تشریف لے گئے۔

(جامعہ نظامیہ رضویہ کی نظامت اور اسلام پورہ مسجد سے استعفا)

مدرسہ کا انتظام میرے سپرد ہوا تو مجھے مجبوراً مسجد سے واپس مدرسہ آنا پڑا، جبکہ وہاں کی انتظامیہ اور نمازی مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے، اُن کا اِصرار تھا کہ آپ کے بچے مسجد کے مکان میں رہیں، طلبا نماز وغیرہ انتظام چلائیں گے، آپ مدرسہ کی مصروفیات میں اپنے آپ کو مصروف رکھیں؛ تا کہ علاقہ کے لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ آپ یہاں مسجد میں موجود ہیں تا کہ بدامنی پیدا نہ ہو۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ عبدالقیوم یہاں سے چھوڑ گیا تو مسجد میں مخالفین پھر شور وغوغا کریں گے اور نظام خراب ہو گا، مگر مدرسہ کے حالات کے پیشِ نظر میرا

کرشن نگر مسجد سے متعلق رہنا مشکل تھا؛ کیونکہ مدرسہ میں استاذ صاحب کے چلے جانے پر مدرسہ کے مخالفین نے شرانگیزی تیز کر دی تھی، جس کے مقابلہ کے لیے اور طلبہ اور استاذوں کے تحفظ کے لیے مجھے ہر وقت سینہ سپر رہنا تھا۔ ایک ماہ تک بچے کرشن نگر مسجد میں رہے، آخر لوگوں کی خواہش کے برخلاف رات دو بجے ٹیکسی کے ذریعہ مَیں بچوں کو مدرسہ کے ملحق مسجد خراسیاں کے حجرہ میں لے آیا۔ صبح وہاں کی انتظامیہ آئی، لیکن میں نے صاف طور معذرت کر لی اور مولانا انوارالاسلام کو وہاں بھیج دیا، لیکن وہی ہوا جو لوگوں نے کہا تھا کہ دوسرا شخص یہاں کنٹرول نہ کر سکے گا۔ وجہ یہ تھی کہ اِس آبادی میں جماعتِ اسلامی، تبلیغی جماعت اور دیوبندی نہایت متحرک تھے، جن کا مقابلہ دلائل کے ساتھ حکمت عملی سے کرنا پڑتا تھا، مَیں نے دلائل اور حکمت عملی سے اِن تمام لوگوں کو بے بس کر دیا تھا اور وہ عاجز آ کر مسجد چھوڑ گئے تھے، لیکن بعد میں اُنھوں نے سازشیں شروع کر کے ماحول کو پراگندہ کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار مسجد محکمہ اوقاف کے سپرد ہو گئی، حالانکہ میں تمام شعائرِ سنّیت وہاں جاری کرا آیا تھا اور وقار کے ساتھ پانچ سال گزارے تھے۔ مسجد میں میرا بڑا احترام تھا۔ میں صرف درسِ حدیث وقرآن یا جمعہ کی پابندی کرتا تھا، نمازوں کی پابندی نہ کرتا، بلکہ طلبا یہ نظام سنبھالے ہوئے تھے۔

جامع مسجد آخری بس سٹاپ کرشن نگر میں میرے پاس پچیس، تیس طلبا کی تعداد رہتی تھی۔ گرمیوں میں یہ طلبہ مسجد میں سوتے، سردیوں میں کچھ مسجد سے ملحقہ کمرے میں اور کچھ کے لیے مسجد کے قریب کھیتوں کے ایک زمیندار کے ڈیرہ میں چند کمرے عاریۃً استعمال کرتے تھے۔ اس زمیندار نے پیشکش کی کہ یہ تین کنال ڈیرہ کی جگہ آپ طلبا کے لیے رعائتی طور خرید لیں، لیکن میں نے اس وقت پیشکش کو اہمیت نہ دی۔ یہاں مسجد میں ایک دفعہ طلبا نے مسجد کے خازن، جو کہ کارخانہ دار تھا اور ملک میں واحد کاغذ کاٹنے کی مشین بنانے والے

کارخانے کا مالک تھا، کومسجد میں بند کر کے پیٹ دیا، لیکن انتظامیہ یا کارخانہ دار کو انتقامی
کارروائی کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس واقعہ سے مزید دبدبہ قائم ہوگیا۔ اس مسجد میں عزت و
وقار کے علاوہ معقول مکان، معقول مشاہرہ مجھے حاصل تھا۔ مجھے اپنی مقبولیت کا اندازہ اُس
وقت ہوا جب میں نے پانچ سال بعد وہاں سے مدرسہ منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، حالانکہ یہ
پانچ سال میں نے اپنے آپ کو عارضی خطیب اور عارضی قیام کے طور پر متصور رکھا۔

تدریسی زمانہ کے یہی پانچ سال اہم ہوئے۔ ان پانچ سالوں میں درسِ نظامی کی
تمام کتب ذوق وشوق سے پڑھائیں؛ کیونکہ اس وقت مدرسہ کے انتظامی مسائل استاذ
صاحب خود سنبھالے ہوئے تھے، اگرچہ چندہ کے حصول کے لیے استاذ صاحب مجھے بھی
اپنے ہمراہ جانے کے لیے پابند کرتے تو میں مسجد سے اس مقصد کے لیے پچھلے ٹائم واپس آتا
رہتا تھا، بعدۂ مدرسہ کے انتظامات......مقدمات کی بھرمار...... بے سروسامانی کی وجہ سے آج
تک اگرچہ تدریسی خدمات سرانجام دیتا ہوں، مگر محض ضرورت پورا کرنے کی حد تک تدریس
کی جارہی ہے۔

یہاں مدرسہ میں آتے ہی مصیبتوں اور پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہاں
مسجد میں صرف 30 روپے مشاہرہ......مکان کی بجائے حجرہ......علاقہ کے مخالفین کے ساتھ
لڑائی جھگڑا......مقدمات کی پریشانی......طلبا ومدرسین کے لیے رہائش وخوراک وتعلیم کے
انتظامات......جبکہ طبیعت فطری طور پر تنہائی پسند تھی۔

نوٹ: مدرسہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے بعد مدرسہ کے مفصل حالات ''تاریخی جائزہ''
میں مذکور ہیں۔

(تدریس میں فضلِ خداوندی)

زمانۂ تدریس میں مجھے کبھی کسی کتاب کے کسی درس میں مشکل پیش نہیں آئی،
تدریس کے ابتدائی سالوں میں فنون کی انتہائی کتب پورے اعتماد سے پڑھائیں، حالانکہ
استاذ صاحب اور دیگر ماہرین تدریس بھی مدرسہ میں موجود تھے، نیز منتہی طلبا میں سے بعض
میرے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی بھی تھے، **الحمدللہ علی ذالک**۔ چنانچہ پہلے سال
جامعہ نظامیہ رضویہ میں شرح جامی، کافیہ، قطبی، توضیح تلویح وغیرہ کتب پڑھائیں۔

یاد داشتیں......

جامعہ نظامیہ رضویہ کی انتظامی خدمات سے متعلق

انتظامی خدمات سے متعلق ابتلاء وامتحانات کے اکثر واقعات ''جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ''میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں بعض خصوصی واقعات کا ذکر مناسب ہوگا۔

(مخالفین کی طرف سے قتل کی سازش اور مفتی صاحب کی استقامت)

1972ء میں مدرسہ کی اراضی کے کچھ حصہ پر قابض فریق معراج دین عرف ماجا امرتسری برادران کے ساتھ معرکہ آرائی آخری دور میں تھی، باقی مخالفین میدان چھوڑ گئے تھے،مگر یہ ماجا برادران انتہائی بے غیرت، بے حیا،غنڈے اور بدمعاش تھے۔ان برادران کا پورا جتھا تھا اور تمام موٹے تازے تھے۔ان کی بدمعاشی کے مقابلہ میں تمام محلّہ دار اور علاقہ کے غنڈے بھی عاجز تھے۔ یہ جس کو چاہتے پیٹ دیتے اور بے عزت کر دیتے؛ کیونکہ ان برادران کو قوت بازو کے علاوہ وقتی حکومت پیپلز پارٹی کی سر پرستی بھی حاصل تھی،اس لیے یہ دیدہ دلیری سے حملہ آور ہوتے۔ان کی آخر دم تک یہ کوشش رہی کہ یہاں سے مدرسہ ختم ہو جائے۔اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔جب ہر طرح ناکام ہوئے تو ایک دفعہ مجھے صلح کے نام پر دھوکا سے سُوتر منڈی کے ایک تنگ وتاریک مکان میں لے گئے۔دھوکا یوں دیا کہ کچھ لوگ درمیان میں ڈالے کہ وہ ماجا برادران کو صلح صفائی سے قبضہ چھوڑنے پر آمادہ کریں گے اور کچھ تھوڑا بہت معاوضہ پر ماجا کو راضی کر لیں گے۔ اِن لوگوں کے کہنے پر میں سُوتر منڈی اِن کے ہمراہ چلا گیا۔جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ دھوکا تھا تنگ وتاریک مکان میں ماجا اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے۔میرے پہنچنے پر انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا،پستول اور چرمی چاقوؤں سے لیس یہ حضرات مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میرے سینے پر پستول اور گردن پر چاقو رکھ کر کہا کہ تم یہاں اپنی بے دخلی لکھو اور عہد کرو کہ تم مدرسہ ختم کر کے بھاگ جاؤ گے،ورنہ تمھیں یہاں ختم کریں گے۔ اس کے ساتھ انھوں نے مار پیٹ اور گالی گلوچ شروع کر دی۔

اس پر میں نے مسکرا کر کہا کہ بھائی میں اپنی زندگی تک ہی اس دینی مدرسہ کے لیے خدمات کا پابند ہوں،اگر میری زندگی ختم ہو جائے تو پھر میری ذمہ داری بھی ختم ہے اور تمہارا راستہ بھی صاف ہو جاتا ہے،اس لیے اگر آپ میری زندگی ختم کر دیں تو میری جان چھوٹ جائے گی اور میں اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہو جاؤں گا،اس لیے آپ کا مجھ پر احسان ہوگا کہ آپ مجھے ختم کر کے میری اس مصیبت کو ختم کر دیں گے۔

میرا یہ جواب سن کر آپس میں ایک دوسرے کو وہ کہنے لگے کہ یہ کشمیری مولوی مکر کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ یہ کہہ کر انھوں نے مجھے مزید تھپڑ مارتے ہوئے اور گالی گلوچ دیتے ہوئے وہاں سے نکال دیا۔اس واقعہ کو میں نے اپنے تک رکھا اور اس کے اظہار کو بے فائدہ سمجھا اور فتنہ کا باعث سمجھ کر اس کا اظہار مناسب نہ سمجھا۔ اِس واقعہ کے بعد وہ بے بس ہو کر قبضہ چھوڑ گئے اور مدرسہ کی تعمیر کا راستہ ہموار ہو گیا۔ یوں مدرسہ بچ گیا اور میں کامیاب ہو گیا۔

(مفتی صاحب کی نظامت میں جامعہ کی ترقی اور معاصرین کا حسد)

☆ 1962ء دسمبر میں جب استاذ صاحب جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) کے لیے

شیخ الحدیث مقرر ہوئے تو جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے انتظام و انصرام کے بارے مجھے پابند
فرمانا چاہتے تھے، جب کہ میں نے ابتداءً ہی انکار کر دیا تھا، مگر اس کے باوجود کئی روز تک آپ
کا اِصرار رہا، آخر میں نے مدرسہ سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا اور کسی اور مدرسہ میں تدریسی
خدمات سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا؛ کیونکہ میں اپنے خصوصی مزاج کی بنا پر اپنے آپ کو
جامعہ کی انتظامی خدمات کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔ تنہائی پسند......انتہا پسند......سختی پسند......عوام
سے فرار......عوامی مجلسوں سے احتراز......صرف تدریس کا ذوق تھا اور طلبہ کو تعلیم کے لیے
آمادہ کرنا پسندیدہ امر تھا، مگر استاذ صاحب نے میرا تعاقب فرمایا اور جب مجھے احساس ہوا
کہ مجھے مجبور کیا جا رہا ہے تو میں نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر ذمہ داری قبول کرتا ہوں کہ
آپ کی کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ ہو، جبکہ آپ کا خیال تھا کہ اہتمام اُن کے پاس رہے اور
میں اُن کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے کام چلاؤں، یعنی آپ کی نیابت میں کام کروں۔ میں
اپنی شرط پر بضد رہا، آخر میں استاذ صاحب نے فرمایا: تم تمام اُمور میں آزاد ہو، مگر ایک شرط
میری تسلیم کرو کہ مدرس میرے مشورہ سے رکھنا ہوگا، لیکن میں نے یہ شرط بھی تسلیم نہ کی۔
آخر کار استاذ صاحب کو غیر مشروط طور پر مدرسہ میرے سپرد کرنا پڑا۔ اس آخری گفتگو میں
چوہدری دین محمد خراسی شریک تھا۔

استاذ صاحب تشریف لے گئے تو بعد میں مدرسہ خلافِ توقع ترقی پذیر رہا، جس کی بنا
پر بعض میرے معاصر اور استاذ بھائیوں نے استاذ صاحب کو میرے خلاف اُکسانا شروع کر
دیا اور غلط فہمیاں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ یہ موقع اس لیے پیدا ہوا کہ استاذ صاحب اور
میرے درمیان مدرسہ کے بارے طے پانے والی گفتگو اِن دوستوں سے مخفی تھی۔ استاذ
صاحب سے اِن کو یہ تأثر ملتا رہا کہ عبدالقیوم میرے نائب ہونے کی حیثیت سے کام کرتا

21

ہے، حالانکہ مَیں نے کبھی بھی کوئی ایسا تأثر نہیں دیا کہ میری حیثیت کیا ہے؟ یا استاذ صاحب
کی حیثیت کیا ہے؟ اور نہ ہی مجھے ایسی فرصت تھی، لیکن میں نے پہلے سال ہی میں بجلی، پانی،
لیٹرین اور متعدد کمروں کی تعمیر کا انتظام کر دیا۔ طلبا اور استاذ حضرات کی رہائش و تعلیم اور
سہولیات کا انتظام ہو گیا۔ اساتذہ کی تعداد میں بھی اِضافہ کر دیا۔ اس وجہ سے رشک کی
بجائے حسد کی فضا پیدا ہو گئی۔

......................یہ سب معاصر حضرات کی معاصرانہ سرگرمیوں کا معاملہ تھا، ورنہ
استاذ صاحب اور میرے تعلقات خوشگوار تھے، صرف حقیقتِ حال کا اظہار نہ کرنا اور
ساتھیوں کی زبانی ہمدردیاں سننا استاذ صاحب کی عادت تھی، جس سے وہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ
واقعی عبدالقیوم نے استاذ صاحب سے مدرسہ چھین لیا ہے اور استاذ صاحب کو بے بس کر دیا
ہے، حالانکہ میں نے استاذ صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک آپ فیصل آباد میں
مصروفِ کار رہیں میں خود مختاری سے مدرسہ کی خدمات سرانجام دوں گا، لیکن کسی وجہ سے آپ
واپس آنے کا ارادہ فرمائیں تو واپسی پر غیر مشروط طور پر مدرسہ آپ کے سپرد کر دوں گا اور خود
لاتعلق ہو جاؤں گا۔

(استاذ صاحب کی دوبارہ جامعہ نظامیہ میں آمد، پھر فیصل آباد واپسی)

چنانچہ 1968ء میں استاذ صاحب جامعہ رضویہ سے کسی وجہ سے ناراض ہو کر جامعہ
نظامیہ رضویہ، لاہور تشریف لے آئے تو میں نے حسبِ معاہدہ مدرسہ کا چارج آپ کے سپرد
کر دیا، حتیٰ کہ مسجد خراسیاں کی اِمامت اور مسجد کا مکان خالی کر کے آپ کے سپرد کر دیا اور مَیں
نے اپنے بچوں اور سامان کو ٹرک کے ذریعے جڑانوالہ اپنے گاؤں منتقل کر دیا اور خود

سوتر منڈی کی جامع مسجد، جہاں مولانا انوارالاسلام خطیب تھے، منتقل ہوگیا۔ استاذ صاحب نے اس وقت بہت اصرار فرمایا کہ آپ بطور ناظم کام کرتے رہیں، مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے، لیکن میں نے ابتدائی معاہدہ کو پورا کرنا فرض بھی سمجھا اور خوشی بھی محسوس کی کہ اس طرح مصیبت سے میری جان بھی چھوٹ رہی ہے۔

میں مدرسہ کے اوقاتِ تدریس میں آ کر اسباق پڑھا کر واپس چلا جاتا، لیکن ایک ماہ بھی پورا نہ ہوا کہ استاذ صاحب کی جامعہ رضویہ فیصل آباد والوں سے صلح ہوگئی تو واپس جاتے ہوئے مجھے طلب کرنے کی کوشش فرمائی کہ میں جا رہا ہوں آپ آ کر مدرسہ کا انتظام سنبھال لیں لیکن میں نے دوبارہ چارج لینے سے صاف انکار کر دیا اور عرض کر دیا آپ جس کو چاہیں انتظام سونپ جائیں میں اُس کا اور مدرسہ کا وفادار رہوں گا اور حتی الامکان تدریسی خدمات پر اپنے آپ کو پابند رکھوں گا۔ میں کسی قیمت پر دوبارہ اِس بوجھ کو اپنے ذمہ نہ لوں گا۔ میں اپنے اصرار پر قائم رہا۔ استاذ صاحب مولانا انوارالاسلام صاحب کو انتظامی چارج دے کر راتوں رات تشریف لے گئے۔ میں صبح جب مدرسہ گیا تو معلوم ہوا کہ استاذ صاحب تشریف لے گئے۔ ایک ماہ تک مدرسہ مولانا انوار کے سپرد رہا۔ وہ مجھے مجبور کرتے رہے کہ دوبارہ انتظامات سنبھال لو، مگر میں نے عدمِ مداخلت پر اصرار کیا۔ آخر مولانا صاحب بھی چھوڑ کر لاتعلق ہوگئے، جس پر مجبوراً مجھے دوبارہ انتظامات سنبھالنے پڑے، لیکن جب میں نے مدرسہ کے سامان کا جائزہ لیا تو سب کچھ لٹ پٹ چکا تھا۔ نہ کوئی کتاب، نہ کوئی پنکھا۔ غرضیکہ دوبارہ نئے سرے سے آباد ہونا پڑا۔ میرے عمل سے معاصرین ساتھیوں کی زبانیں بند ہوگئیں اور حقیقت عیاں ہوگئی۔

......................استاذ صاحب کی دوبارہ تشریف آوری کے وقت مولانا عبدالحکیم

شرف قادری صاحب بھی یہاں مدرس تھے۔ استاذ صاحب شوال میں تشریف لائے تو میں نے اُن سے اور دوسرے مدرسین کو کہا کہ اب میں مدرسہ کے انتظامات سے لاتعلق ہوگیا ہوں، لہٰذا آئندہ آپ حضرات کی مرضی پر منحصر ہے کہ آپ استاذ صاحب کی نگرانی میں کام کریں، آپ کو اب استاذ صاحب سے معاملہ رکھنا ہوگا، لیکن مولانا محمد عبدالحکیم صاحب چکوال میں تدریس کے لیے تشریف لے گئے اور اسی طرح بعض دوسرے اساتذہ بھی اپنی مرضی سے چھوڑ گئے۔ دوبارہ انتظامات سنبھالنے کے بعد آئندہ سال مولانا محمد عبدالحکیم صاحب دوبارہ جامعہ میں واپس آ گئے۔

(مشکل حالات میں غیبی مدد)

ایک روز حسبِ معمول اسباق کے بعد مقدمات کے سلسلہ میں دفاتر اور وکلا حضرات کے پاس گیا اور عصر کے بعد واپس مدرسہ میں آیا تو معلوم ہوا کہ آج طلبا کے لیے کھانا تیار کرنے کا انتظام نہیں ہوا؛ کیونکہ اخراجات کے لیے رقم نہ تھی اور اُدھار آٹا اور سبزی بھی دوکان داروں نے نہ دی، کیونکہ قرض زیادہ ہوگیا تھا۔ شام کے قریب میں اس اطلاع پر پریشان دفتر والے کمرے میں بیٹھا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے مولانا غلام فرید وغیرہ اذان کی آواز پر مسجد چلے۔ میں سوچ میں ڈوبا سب کے بعد اُٹھا اور کمرہ کو تالا لگا کر مَیں مسجد جانے کے لیے نکلا تو مدرسہ کے اِحاطہ...... جو اس وقت ملبہ اور آوارہ لوگوں کے کھیلنے اور کشتی کرنے کا مرکز تھا، مسجد والی جانب میں کچھ عارضی کمرے باقی تھے، باقی کمرے جو مشرقی جانب درسگاہوں کے لیے بنائے، وہ کارپوریشن والوں نے گرا دیے تھے۔ اس وقت احاطہ کا مین گیٹ درمیانِ بازار، یعنی مشرقی جانب کے وسط (موجودہ کمرہ نمبر 9) میں تھا۔

جس کی جنوبی جانب مدرسہ کے کچھ کمرے تھے اور اُن کمروں کے ساتھ لکڑی کی سیڑھی لگا کر مسجد کو جاتے تھے...... میں جب اپنی پریشانی میں مسجد جانے کے لیے کمرے سے نکلا تو اچانک سرسری نظر سے میں نے دیکھا کہ اِحاطہ کے مین گیٹ سے متصل اندر ملبے کے ڈھیر پر دو عورتیں جن میں سے ایک برقع پوش اور دوسری چادر اوڑھے کھڑی تھیں اور اُن کے ساتھ دو مرد بھی کھڑے تھے، جن میں سے ایک پولیس تھانہ دار اور دوسرا پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا اور دروازے سے باہر بازار میں سیاہ رنگ مرسڈیز کار کھڑی دیکھی۔ میں نے خیال کیا کہ محلّہ والوں میں سے کسی کو ملنے والے حضرات ہوں گے۔ میں مسجد میں داخل ہونے کے لیے لکڑی کی سیڑھی پر چڑھ گیا اور جماعت میں شریک ہوگیا۔ جماعت سے فارغ ہوکر میں خلافِ معمول سنت و نفل پڑھنے کے لیے واپس دفتر میں آ گیا...... کیونکہ کمرہ کی چابی میرے پاس تھی...... تاکہ مولانا غلام فرید وغیرہ کو چابی کے لیے میرا انتظار نہ کرنا پڑے۔ میں نے کمرہ کھول کر نیا رومال قبلہ رخ ڈالا اور سنتیں شروع کرنے لگا تو میں نے تھانہ دار اور بابو صاحب کو دفتر کی طرف بڑھتے دیکھا، لیکن میں نے کوئی پرواہ نہ کی اور دو رکعتیں مکمل کیں، تو اتنے میں وہ دونوں کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انھوں نے فون کرنا ہوگا، اس لیے میں نے فون اٹھا کر دروازہ کے قریب رکھا اور اُن کو اشارہ کیا کہ فون کرنا ہو تو کر لیں۔ اُنھوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے چندہ دینا ہے۔ میں نے کہا چندہ وصول کرنے والے حضرت مسجد سے ابھی فارغ ہوکر آ جائیں گے تو آپ کو رسید دیں گے۔ میرے پاس رسید بک باہر نہیں ہے۔ اتنے میں مولانا غلام فرید آئے تو میں نے ان کو کہا کہ چندہ وصول کر لیں۔ یہ کہہ کر میں نے نفل شروع کر دیے۔

اُن حضرات نے ایک ہزار روپے دیے اور رسید کے لیے پتا لکھواتے ہوئے، انھوں

نے کہا: محترمہ بیگم حبیب سلطان صاحب مرحوم، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلطان باہو، ضلع جھنگ۔ مَیں نماز میں یہ سن رہا تھا سلام کے بعد میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ وہاں سے تشریف لائے ہیں؟ تو انھوں نے اِثبات میں جواب دیا اور مزید کہا کہ مائی صاحبہ سامنے گیٹ کے پاس کھڑی ہیں۔ اس پر میں نے فوراً طلبہ سے کہا: مائی صاحبہ کے پاس چارپائی بچھاؤ؛ تاکہ وہ بیٹھ جائیں اور ان دونوں کے لیے چارپائی بچھاؤ اور بازار سے پانی لاؤ، مگر ان دونوں نے پانی سے منع کر دیا اور کھڑے رہے۔ میں نے بیٹھنے کا اِصرار کیا تو اُنھوں نے معذرت کی اور کہا کہ چونکہ مائی صاحبہ کھڑی ہیں، اس لیے ہم نہیں بیٹھیں گے۔ اس کے بعد میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ کیا سیدھے یہاں پہنچے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں ہم سیدھے یہاں آئے ہیں۔ دوسرا سوال میں نے یہ کیا کہ آپ نے چندہ دینا تھا تو راستے میں کئی شہروں، مثلاً لائل پور (فیصل آباد) میں اور پھر لاہور کی شاہراہوں پر بڑے مدرسے ہیں، آپ اتنی بڑی گاڑی یہاں اندر تنگ بازار میں لانے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اس کے جواب میں تھانہ دار نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے، میرے ساتھی بابو صاحب مائی صاحبہ کے بھائی ہیں، ان کو وجہ معلوم ہوگی۔ بابو صاحب نے کہا کہ یہاں آنے کی وجہ مجھے بھی معلوم نہیں، میں خود حیران ہوں کہ یہاں اس تنگ بازار میں آنے کی کیا مجبوری تھی؟ مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ رات کو مائی صاحبہ نے فرمایا کہ صبح لاہور جانا ہے، میں نے حسبِ دستور تھانہ میں اطلاع کر دی۔ صبح پروگرام کے مطابق گاڑی تیار کی گئی۔ تھانہ دار صاحب آئے تو مائی صاحبہ کے ہمراہ ہم روانہ ہوئے۔ ہمیں منزل کا علم نہ تھا کہ لاہور کہاں جانا ہے؟ لاہور پہنچنے پر ہم نے پوچھا تو مائی صاحبہ نے لوہاری دروازہ چلنے کو کہا۔ جب لوہاری دروازہ کے باہر پہنچے تو مائی صاحبہ نے فرمایا کہ یہاں کوئی مدرسہ پوچھو۔ ہم نے مدرسہ پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ مسلم مسجد

میں مدرسہ ہے……اس وقت مسلم مسجد میں دیوبندیوں کا مدرسہ جامعہ مدنیہ تھا…… مائی صاحبہ نے فرمایا: یہاں نہیں، دروازے کے اندر کوئی مدرسہ پوچھو۔ہم نے معلوم کیا تو ہمیں کسی نے نہ بتایا۔آخر مائی صاحبہ نے خود فرمایا کہ گاڑی اندر لے چلو۔ہم اندر آئے تو یہاں اِس گیٹ تک پوچھتے رہے،مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔اتنے میں مدرسہ کے بورڈ پر نظر پڑی،جگہ دیکھ کر مائی صاحبہ نے گاڑی رکوالی اور اُتر کر گیٹ میں داخل ہوئیں تو مدرسہ کے کوئی آثار نہ تھے،صرف آپ لوگ نماز کو جاتے نظر آئے۔ مائی صاحبہ نے خود کہا کہ ''یہی جگہ اور یہی مدرسہ ہے۔'' اس سے زیادہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ آپ واپس سلطان باہو (علیہ الرحمہ) جائیں گے؟ انھوں نے کہا: واپس جانا ہے۔ چنانچہ اسی وقت آٹا خریدا گیا اور کھانا تیار کیا گیا۔

☆ بعینہٖ ایسے ہی موقعہ پر جبکہ خرچہ کے لیے کوئی روپیہ پیسہ نہ تھا اور پریشانی تھی تو چھ ماہ بعد تقریباً مائی صاحبہ بیوہ سلطان حبیب صاحب نے اُسی گاڑی اور تھانہ دار اور ایک خادمہ کو پانچ صد روپے دے کر بھیجا،جس سے وقتی پریشانی رفع ہوئی۔اس کے بعد مجھے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت بڑھی کہ وہ بروقت اِمداد فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی تاثر کے تحت میں اور مدرسہ کی انجمن کے صدر حاجی فیض محمد مرحوم سلطان صاحب (کے مزار پر) حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دین کے خادمین کی آج بھی مایوسی کے موقع پر مدد فرماتا ہے۔ ذالک فضل اللّٰہ۔

(مخالفین کی طرف سے الزام تراشی کی ناکام سازش)

☆ ایک موقع پر مقدمہ کے سلسلہ میں ڈپٹی سیٹلمنٹ کمشنر کے دفتر میں فریقِ مخالف معراج دین عرف ماجا،اس کے بھائی اور والدہ بھی حاضر تھے۔مخالف فریق نے مدرسہ کے

احاطہ کے حصہ پر غاصبانہ قبضہ کرکے پیپلز پارٹی کے تعاون سے مدرسہ کے نام سے زمین کی الاٹمنٹ ختم کرانے کے لیے دعوی دائر کیا ہوا تھا۔کمشنر صاحب نے جب اُن کا دعوی خارج کر دیا تو کمرہ عدالت میں ہی معراج دین کی والدہ نے شور مچایا کہ اِس مولوی نے چھیڑا ہے۔اس کا مقصد تھا کہ اِس بہانے اس کے لڑکے مجھ پر حملہ آور ہوں اور میری بے عزتی کریں،مگر میرے وکیل سید اعجاز احمد کی ہوشیاری سے اُن کو اس کا موقع نہ ملا؛ کیونکہ انھوں نے مجھے فوراً اپنی کار میں کھینچ کر ڈال لیا اور کار تیزی سے چلا کر نکال لے گئے۔ یہ 1972ء کا واقعہ ہے۔

یاد داشتیں......

مدرسہ کے لیے شہر سے باہر وسیع اراضی کے حصول کا تصور

جامعہ کی اندرون لوہاری گیٹ عمارت تدریجاً بنتی چلی گئی اور ساتھ ہی مدرسہ کا دائرۂ کار بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اس رقبہ کے حصول اور درپیش مشکلات اور تعمیر اور عمارتی مراحل کے لیے مساعی کو ایک جنونی کیفیت اور جذبہ کے تحت سر کیا گیا، لیکن اس مرحلہ تک پہنچنے میں تقریباً پچیس سال کا طویل عرصہ صرف ہوا۔

اس دور میں یہ خیال نہ آیا کہ ایک مرکزی بڑے دینی ادارہ کے وسیع منصوبے کے لیے یہ جگہ ناموزوں ہے اور پرانے شہر کے تنگ بازار میں محدود تین کنال اراضی...... جبکہ اس مقام کے اردگرد حصار در حصار قائم ہوتے چلے جائیں گے...... مدرسے کی تین منزلہ چار طرفی عمارت...... اس سے باہر تنگ بازار اور گلیاں...... اور اس لوہاری دروازہ کے باہر سرکلر روڈ پر ٹریفک کی بھیڑ...... اور سڑکوں پر چھابڑیوں اور ٹھیلے والوں کا رش کہ داتا دربار، بھاٹی گیٹ تا ریلوے اسٹیشن، دہلی گیٹ (ایک) موریہ پل تک سرکلر روڈ...... گاڑی کا چلنا تو درکنار پیدل سڑک کراس کرنا یا سڑک پر چلنا مشکل ہو جائے گا...... جبکہ آبادی باہر کالونیوں میں منتقل ہو رہی ہے اور کاروباری حضرات نئی کالونیوں میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے کاروباری مراکز میں آنے کے لیے گاڑیوں کا استعمال کرنے لگے اور اپنی گاڑیوں کو سرکلر روڈ لانا خطرہ محسوس کرتے ہیں...... جبکہ مدرسہ کے تعاون اور ترقی کا ذریعہ تاجر حضرات ہی ہوتے ہیں ......ایسے لوگوں کے مدرسے تک پہنچنے کے لیے خطرناک حصاروں کو عبور کرنا کیا ضروری ہے؟

دوسری طرف مدرسہ کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، یعنی جامعہ کے شعبہ

جات کی تعداد اور اُن کا دائرہ کار وسیع کرنے کا جذبہ موجزن ہے، جس کے لیے معاونین کی تعداد اور تعاون کی گنجائش زیادہ سے زیادہ درکار ہے، غرض یہ کہ جن دو چیزوں کا تلازم درکار تھا وہ دونوں ضدین کی صورت اختیار کرتی چلی جا رہی ہیں۔

اس صورتِ حال کے ساتھ ساتھ مدرسہ میں اساتذہ کی محنت اور پابندی کے نتائج خاطر خواہ حاصل نہیں ہو رہے؛ کیونکہ درسِ نظامی یا دینی تعلیم کے لیے خاموش اور پُرامن ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز پاکیزہ تربیت کے لیے پاکیزہ ماحول درکار ہوتا ہے؛ تاکہ اساتذہ اور طلبا کی محنت میں یہ ماحول ممدّ ومعاون بن سکے...... جب کہ اندرون لوہاری گیٹ تنگ وتاریک بازار...... آوارہ اور اوباش ماحول میں محنت کا ثمر آور ہونا متعذر رہے۔ ان مذکورہ بالا اُمور کی طرف توجہ کی فرصت نہیں ملی۔

جب ذہن خارجی معرکہ سے ذرا فارغ ہو کر مدرسہ کی ترقی پر مرکوز ہونے لگا تو اُس وقت مذکورہ اُمور سامنے آڑے نظر آنے لگے...... لیکن اب مواقع اتنی دُور نکل گئے کہ اُن کو پہنچنا یا کنٹرول کرنا مساعی اور جدوجہد کی رسائی سے باہر ہو گئے۔ اب تو صرف خیالی حد تک ہی پہنچ اور رسائی متصور تھی، پھر خیالی گھوڑے اپنی دوڑ پر وسیع میدان کے متلاشی تھے...... کہ ایکڑوں کے حساب سے رقبہ ہو اور محلِ وقوع بھی اہم ہو...... مین روڈ شہر سے باہر ہو اور متصل بھی اگر نہر کا کنارہ ہو تو بہت مناسب۔ اس خیال کو پیش پیش رکھا اور کچھ حرکت شروع کی اور پیچھے چل پڑے۔

1982ء میں اس قسم کے خیالات کا دور شروع ہوا اور 1983ء میں راستے تلاش ہونے لگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ریونیو بورڈ ایل۔ڈی،اے اور متروکہ ہندو اوقاف بورڈ کے دفاتر میں آمد ورفت شروع کی تو متروکہ وقف بورڈ کے دفتر میں ہمدرد اور دینی جذبہ سے سرشار دو حضرات سے ملاقات ہوگئی، جنہوں نے ریکارڈ میں مناسب قطعاتِ اراضی کی

تلاش شروع کردی۔ چنانچہ یونیورسٹی، نیوکیمپس کے بالمقابل ......نہر سے پار......مشرقی جانب...... چک مزنگ میں آٹھ ایکڑ رقبہ ملا۔

25 فروری 1981ء، موقع پر جا کر دیکھا تو بہت مناسب پایا؛ کیونکہ نہر سے قریب ہونے کے علاوہ لاہور کی جدید آبادی میں شامل علاقہ......اور پھر یونیورسٹی کے قرب کی وجہ سے تعلیمی ماحول ہونے کی بنا پر پسندیدہ قرار دی گئی اور اس کے حصول کے لیے عملی کارروائی کے طور پر بورڈ مذکور کے نام درخواست دی گئی، لیکن چند روز بعد بتایا گیا کہ نہر کے پار 3200 ایکڑ اراضی پر ایل۔ ڈی، اے، یعنی لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے نئی آبادی کا منصوبہ بنا کر اس علاقہ کی تمام اراضی 3200 ایکڑ کو حاصل کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ اس وجہ سے اب یہ اراضی خرید وفروخت نہیں کی جاسکتی۔

چنانچہ متروکہ وقف بورڈ کی طرف سے درخواست کے جواب میں مذکور بالا عذر بیان کردیا گیا، جس کی بنا پر مایوسی ہوئی، لیکن کوشش کی گئی کہ ایل۔ ڈی۔ اے کے چیئرمین سے مطلوبہ آٹھ ایکڑ اراضی حاصل کی جائے، مگر انہوں نے بھی انکار کردیا اور انہوں نے یہ پیشکش کی کہ آپ کو مدرسے کے لیے 25 کنال رقبہ کا ایک پلاٹ رعائتی قیمت پر دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ آپ درخواست دیں۔ چنانچہ ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم میں مناسب جگہ پر 25 کنال کا پلاٹ تجویز کرکے 13 اپریل، 1982ء کو درخواست دی گئی اور درخواست منظور ہونے پہ آرڈر دیا گیا کہ اِس پلاٹ کی رعائتی قیمت 14 لاکھ روپے ہے، جس کی نصف رقم 15 دن کے اندر جمع کرانی ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ ایک دینی ادارہ پندرہ روز میں سات لاکھ روپے کہاں سے اور کیسے فراہم کرسکتا تھا؟ اس لیے افسرانِ بالا کو قسط وار ادائیگی کی درخواست دی گئی، لیکن انہوں نے یہ درخواست قبول نہ کی۔ اس طرح ایک بہت اچھا موقع صرف

سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوگیا۔

لیکن اپنی جدوجہد کو جاری رکھتے ہوئے میں نے پھر متروکہ وقف املاک بورڈ کے دوستوں سے رابطہ کیا تو انھوں نے پھر محکمے کی زمینوں کے نقشے دیکھنا شروع کیے تو شیخوپورہ شہر کی حدود میں چھوٹی نہر اور سرگودھا روڈ کے کنارے، ہرن مینار کے راستے جدا ہونے والے مقام پر، سرگودھا روڈ پر 5 ایکڑ اراضی کی نشاندہی کی۔ چنانچہ ایک روز ان کے ساتھ موقع پر جا کر جگہ دیکھی، رقبہ کے دونوں طرف نہریں...... ایک طرف ریلوے لائن اور سرگودھا روڈ سے متصل یہ اراضی پسند آئی تو واپسی اس کے لیے چیئرمین بورڈ وقف املاک کو درخواست دی گئی۔ درخواست کے ساتھ اراضی کے خسرہ نمبر اور مارکیٹ قیمت وغیرہ کاغذات دیے گئے اور درخواست میں قیمت ادا کرکے خریدنے کا اظہار کیا گیا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی طرف سے دی گئی درخواست پر بورڈ کی میٹنگ میں قیمت میں 25 فیصد رعایت پر مدرسے کو اراضی الاٹ کردینے کی سفارش کی گئی اور اس سفارش کے ساتھ درخواست مرکزی سیکرٹری اقلیتی اُمور کو اسلام آباد بھیج دی گئی اور مرکزی سیکرٹری نے مدرسے کی درخواست کو بورڈ کی سفارش کے ساتھ منظور کرکے اراضی مذکورہ مدرسے کے نام فروخت کرنے کی منظوری دے دی۔ مرکزی حکومت سے منظوری اور فیصلے کی تحریری اطلاع جامعہ کو مؤرخہ 24 دسمبر، 1984ء کو ملی۔ چنانچہ ایڈمنسٹریٹر متروکہ وقف املاک، ننکانہ کو یکم جنوری 1985ء مل کر چالیس ہزار روپے فی ایکڑ کے حساب سے مجموعی رقم میں سے پچیس فیصد رعایت کے مطابق ایک لاکھ 51 ہزار روپے بنک میں جمع کرا کر محکمہ سے رسید حاصل کرلی گئی اور تین جنوری کو، یعنی دو دن بعد رجسٹری کے لیے شیخوپورہ تحصیل دار، جس کے پاس رجسٹرار کا عہدہ تھا، کو ملے۔ اس نے رجسٹری کی کارروائی کو اس لیے روک

دیا کہ زمین پر قابض چوہدری عبدالحق نے درخواست میں استقرارِ حق کی درخواست دی ہے۔ رجسٹرار نے چار روز کے لیے کارروائی کو ملتوی کر دیا، لیکن چار روز بعد مؤرخہ 7 جنوری، 1985ء کو رجسٹری کر دی اور قابض حضرات کو یقین ہوگیا کہ محاذ آرائی میں کامیابی نہ ہوگی؛ اس لیے وہ صلح پر آمادہ ہوئے تو اُن کو ابتداءً رعایت دے دی گئی کہ آپ کاشت کریں اور نگرانی بھی...... کاشت بلا معاوضہ اور نگرانی کے لیے پانچ صد روپے ماہانہ مشاہرہ بھی مقرر کر دیا...... تا کہ چوہدری مدرسے کا ملازم ہونے کی حیثیت سے وہاں کارروائی کرے گا...... قابض یا مخالف فریق کی حیثیت سے نہیں، جس کا مطلب یہ تھا اراضی پر مدرسے کا قبضہ مکمل ہوگیا ہے اور عبدالحق مدرسے کا ملازم ہوگیا۔ الحمد للہ یہ حیلہ کامیاب رہا اور تین سال تک یہی صورت باقی رہی جب کہ دو سال میں اراضی کی چار دیواری اور چند ماہ بعد کچھ عارضی کمرے تعمیر کر لیے گئے۔

اب عبدالحق کی رہائش کو بھی مدرسے کی اراضی سے اُس کے ذاتی رقبہ میں منتقل کر دیا گیا اور ملبہ خرید کر لیا گیا، جس کا معاوضہ اُس نے 26 ہزار وصول کیا۔ اس رقم سے اُس نے اپنی ذاتی زمین میں رہائشی مکان بنا لیا۔ غرضیکہ تین سال کے عرصے میں اراضی کی چار دیواری...... اور مکمل قبضہ...... اور چوہدری عبدالحق کو بے دخل کر دیا گیا...... بلکہ آٹھ کمرے، عارضی بجلی، پانی کا نظام...... اس کے علاوہ پانچ لاکھ خشت، 5 ٹن سریا، چودہ ٹرک بجری، تیس ٹرک ریت بھی اراضی میں گرا دیا گیا۔

اب صرف ایک پریشانی باقی تھی کہ مدرسے کی اراضی کے درمیان ایک پٹی کی صورت میں تین کنال رقبہ عبدالحق اور عبدالخالق...... سابق قابضین نے الاٹ کرا رکھا تھا ......جس میں عبدالحق نے اپنے حصے میں مکان بنا لیا تھا...... جس کی وجہ سے چار دیواری کے

اندر مداخلت ہوتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مسئلہ کا بھی حل نکل آیا کہ محکمہ متروکہ وقف نے عبدالحق کے خلاف فراڈ کا مقدمہ دائر کر دیا، اس نے دو کنال زمین محکمہ سٹیلمنٹ کے ساتھ ملی بھگت سے الاٹ کرایا ہے، جبکہ یہ رقبہ بھی محکمہ متروکہ وقف کا مقبوضہ ہے، جس کی بنا پر متروکہ وقف کو اس رقبہ کی ملکیت کا حق تھا۔ اس مقدمہ کے دباؤ کی وجہ سے عبدالحق اپنے مکان سمیت اپنے حصے کی دو کنال زمین مدرسہ کو فروخت کرنے پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ مارچ، 1989ء میں عبدالحق کی زمین اور دس کمرے کا مکان بمع میٹر وغیرہ، سوا دو لاکھ (225,000) میں خرید لیا گیا اور اپریل، 1989ء میں، یعنی ایک ماہ بعد عبد الحق سے مکان کا قبضہ لے کر اس کو بے دخل کر دیا گیا۔ یوں مدرسہ کی اراضی کاغذات میں 43 کنال مکمل ہوئی اور ہر لحاظ سے مداخلت ختم ہوگئی اور یہ سب کارروائی اللہ کے فضل سے بخیریت تمام ہوئی۔ اس طرح وہاں اراضی میں عارضی عمارت تقریباً بیس کمرے میسر ہوگئے، جن میں طلبا اور مدرسین رہائش پذیر ہوگئے اور شعبہ حفظ کا نظام جاری ہے۔

جامعہ نظامیہ، شیخوپورہ میں نظامِ تعلیم، یکم اگست، 1988ء بمطابق ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ کو قاری اخبار اللہ کو وہاں مقرر کر کے تحفیظ القرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا، جبکہ یہ ناچیز اس موقع پر حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ چکا تھا۔ وہاں حضور ﷺ کے دربار میں حاضر تھا۔ یاد رہے کہ شیخوپورہ مدرسہ کے نظام کو چلانے کے لیے برادر خورد حافظ محمد عبدالرحیم کو مرید کے چک 36 سے 1988ء کے اوائل میں شیخوپورہ منتقل کر دیا گیا تھا۔ رمضان شریف 1409ھ کے بعد شوال میں وہاں کل بیس کمروں میں سے پانچ کمرے رہائشی مکان اور باقی کمروں میں طلبا اور استاذ رہائش پذیر ہیں۔ اس تعلیمی سال میں وہاں دو استاذ اور 30 مسافر طلبا اور کچھ مقامی طلبا حفظ و ناظرہ کی تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

یادداشتیں......

بابت تحریکِ پاکستان

☆ میں اپنے چچا مولانا محبوب الرحمان صاحب (جو کہ دینی طالب علم تھے) کے ساتھ جیند ھڑ شریف، نزد کڑیانوالہ براستہ جلالپور جٹاں، ضلع گجرات چلا گیا۔ میرے ساتھ میرا بڑا بھائی: محمد عبداللہ اور تایا زاد بھائی: حافظ محمد ایوب اور دیگر لڑکے بھی تھے۔ اپنے چچا صاحب سے فارسی پڑھا کرتے تھے۔ غالبًا یہ 1944ء کا واقعہ ہے۔ اسی دور میں الیکشن کی تیاری ہو رہی تھی۔ مسلم لیگ کے مقابلہ میں وہاں زمیندارہ لیگ میں بڑے بڑے جاگیردار تھے، ہم مسلم لیگ کے نعرے لگاتے اور جھنڈے لیے پھرا کرتے تھے۔

جیند ھڑ شریف کے سجادہ نشین حضرت سائیں گوہر علی صاحب اور وہاں کے علماءِ کرام......جن کے سربراہ حضرت مولانا محبّ النبی صاحب تھے، یہی بڑے استاد تھے...... جن کے پاس بڑی عمر کے طلبا بڑی کتابیں پڑھا کرتے تھے...... یہ سب حضرات مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ایک بڑا زمیندار، جس کو خان ملک صاحب کہتے تھے، وہ زمیندارہ لیگ کے امیدوار تھے۔ خان صاحب حضرت سائیں گوہر علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ خان صاحب بااثر تھے؛ اس لیے اُن کے مدمقابل مسلم لیگی امیدوار کمزور تھا، لیکن سائیں صاحب نے خان ملک صاحب کو واضح طور پر فرمایا: اگر ہم سے تعلق رکھنا ہو تو آپ کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا ہوگا، ورنہ ہم سے تعلق ختم کرنا ہوگا۔ سائیں صاحب کے اس ارشاد کے بعد خان صاحب کو مجبوراً مسلم لیگ میں شامل ہونا پڑا۔

☆ تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ کے تحت مسلمانوں میں ولولہ اور مذہبی جوش وخروش

پیدا ہوا تو بچے اور نوجوان خاص طور پر اس سے متأثر ہوئے۔ چنانچہ ہم نے اپنے گاؤں میں لڑکوں کی تنظیم کی اور اس تنظیم کے ہر فرد نے اپنی اپنی وردی بنوائی اور وردی کے اوپر پیٹی...... جس میں پستول کی طرح ایک کرپان (چھری) لگائی جاتی تھی......اس انداز سے پریٹ (قطار در قطار چلا) کرتے تھے اور پھر دن کے پچھلے حصہ میں ایک باغ میں جا کر نیزہ پھینکنے کی مشق، گتکا اور نشانہ بازی کی تربیت لیتے تھے۔ یہ تربیت ہمیں معین الدین صاحب دیتے تھے ......جو میاں عبدالباری صاحب، مشہور مسلم لیگی لیڈر کے لڑکے تھے......اور معین الدین فوج میں کیپٹن کے عہدے پر رہ چکے تھے۔ یاد رہے چک نمبر 126 گ ب شہر ودانہ، نزد جڑانوالہ، ضلع لائل پور (فیصل آباد) میں رہائش تھی اور اس سے دو میل کے فاصلے پر چک نمبر 122 تھا، جس میں مولوی عبدالخالق کے پاس میں فارسی پڑھتا تھا۔ مذکورہ واقعہ چک 122 کا ہے۔

☆ برصغیر کی تقسیم کے موقع پر جب آبادی کا تبادلہ ہوا تو اس موقع پر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مذہبی تعصب انتہائی عروج پر تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ کی تیاری میں رہتے تھے۔ مسلمانوں کے گاؤں کے مقابلے میں سکھوں کا گاؤں ہوتا تھا۔ مقابلہ میں دونوں گاؤں کے لوگ دوسرے کو مرعوب کرنے کے لیے مختلف کارروائیاں کرتے رہتے تھے، جن میں سے ایک یہ کہ رات کو ڈرم میں آتشی گولے ڈال کر چلاتے تھے، پھٹنے پر گڑگڑاہٹ کے ساتھ خوفناک آواز پیدا ہوتی، ایسا معلوم ہوتا جیسے بم گرا اور پھٹا ہو۔

☆ انتقالِ آبادی کے موقع پر ہندو عیاری سے اپنے سامان اور مکانات مسلمانوں کو فروخت کر رہے تھے، جبکہ سکھوں اور مسلمانوں کا معاملہ مختلف تھا۔ سکھوں کو مختلف جگہ پر قائم کردہ کیمپوں میں جمع کیا جاتا تھا؛ تاکہ انھیں اجتماعی طور پر ریل گاڑیوں کے ذریعہ بھارت منتقل کیا جائے۔ اس غرض سے دیہات سے سکھوں کو شہر میں قائم کردہ کیمپوں میں جمع کیا

جاتا۔ چنانچہ سکھ اپنے مکانات سے کوئی سامان نہ اُٹھا سکتے تھے، صرف نقدی ساتھ لیتے۔

☆ ہمیں والد صاحب نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کوئی بھی چیز (متروکہ مکانات سے) نہ اٹھائی جائے؛ کیونکہ یہ مہاجرین کا حق ہے، مقامی لوگوں کے لیے جائز نہیں، بلکہ والد صاحب نے نگرانی سخت فرما دی۔ میرے بڑے بھائی محمد عبداللہ خان تیز نوجوان تھے، اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ نقل وحرکت کرتے تھے، اس لیے والد صاحب خاص طور پر ان پر کڑی نظر رکھتے۔ میں ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سکھوں کے گاؤں چک 121 گ ب میں گیا، مقامی لوگوں نے اپنی اپنی بیل گاڑیوں پر سامان لادنا شروع کیا، مجھے بھی کہا گیا: آپ بھی کوئی بستر، کھیس یا کپڑے لے کر بیل گاڑی پر رکھ دو، لیکن میں نے والد صاحب کے ڈر سے کوئی چیز نہ اٹھائی، تاہم مجھے یاد ہے سکھوں کے مکان ہر قسم کے سامان سے بھرے پڑے تھے۔

☆ والدہ صاحبہ نے گاؤں کی ایک عورت سے پیٹی سستی خریدی، جس کو وہ عورت شہر سے ایک ہندو سے خرید کر لائی تھی۔ والدہ نے سستی خرید سمجھ کر خریدی...... کہ خریدی ہوئی ہے اور لوٹ کی چیز نہیں ہے۔ جب والد صاحب گھر تشریف لائے تو پیٹی دیکھ کر ناراض ہو گئے، والدہ نے مطمئن کرنے کی کوشش کی، مگر والد صاحب راضی نہ ہوئے۔ اس طرح کئی روز والد صاحب اور والدہ صاحبہ میں جھگڑا رہا، حتی کہ والد صاحب نے والدہ صاحبہ سے کئی روز تک بول چال معطل کر دی، آخر پڑوس والوں کی مداخلت پر والد صاحب بمشکل بول چال پر راضی ہوئے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان......حق گو عالم، ماہر مدرس اور بہترین منتظم

تحریر: مناظر اسلام علامہ محمد عبدالتواب صدیقی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان، استاذ العلما، فاضل اجل، جامع المعقول والمنقول، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے اُستاذِ محترم تھے۔ مَیں نے ان سے اس زمانے میں پڑھا جب محدّثِ کبیر مولانا غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ، فیصل آباد) جامعہ نظامیہ کے مہتمم تھے اور حضرت مفتی صاحب صدر مدرس تھے۔

اس وقت جامعہ کی موجودہ عمارت نہیں تھی۔ سخت گرمی کے موسم میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ پڑھایا کرتے تھے۔

اگرچہ آپ کی طبیعت میں تعلیم کے حوالے سے شدّت تھی، ہمیشہ پڑھاتے وقت ایک بڑا ڈنڈا اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے، اس کے باوجود طلبا خواہش کرتے کہ ہمارے اسباق مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے پاس ہوں۔

آپ کا اندازِ تدریس یہ تھا کہ جو کتاب پڑھاتے اسے طلبا سے زبانی سنتے۔ اکثر طور پر پڑھائی جانے والی کتاب سے پہلے والی کتاب کی مسلسل سماعت فرماتے، مثلاً، شرح تہذیب پڑھاتے ہوئے مرقات زبانی سنتے، میبذی پڑھاتے ہوئے ہدایۃ الحکمۃ زبانی سنتے، کافیہ اور شرح ملا جامی پڑھاتے ہوئے ان کتابوں کو بھی زبانی سنتے اور ان سے پہلے والی کتابیں: ہدایۃ النحو اور نحو میر بھی از بر سنتے۔ اسی لیے طلبا جو فن مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھتے اس پر اُنھیں اچھا خاصا عبور حاصل ہوتا۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے مشہور

علما اب بھی پوری دنیا میں علمِ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

آپ علیہ الرحمہ صرف قابل مدرس اور فاضل عالم ہی نہیں تھے، بلکہ انتظامی معاملات میں بھی آپ کو دسترس حاصل تھی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ کی عمارات اور بہترین نظم اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ بے باک، حق گو اور نڈر عالمِ دین اور جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے انسان تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں پنجاب کے گورنر نے گورنر ہاؤس میں تمام مکاتبِ فکر کے علما کی میٹنگ بلائی، یہ عاجز (عبدالتواب صدیقی) بھی موجود تھا اور ملک کے نامور علما بھی میٹنگ میں موجود تھے۔ گورنر نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی، اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھاتے ہوئے بے پناہ عزت سے نوازا، شاید اُس کا خیال ہو کہ اِس وجہ سے آپ میرے لیے کلماتِ خیر بول کر میری عزت افزائی کریں گے، دیگر علما کا بھی یہی خیال تھا، مگر حضرت قبلہ مفتی صاحب نے تعریف کرنے کے بجائے اس کے کمزور پہلوؤں کو بیان کیا اور اس کے بعض فیصلوں پر سخت تنقید کی اور کہا: آپ جیسے لوگوں کو ایسے فیصلے کرنے کے بجائے شریعتِ مطہرہ کے مطابق فیصلے کرنے چاہییں تھے۔ ساتھ ساتھ غلط فیصلوں کی نشاندہی کے بعد شرعی راہ نمائی کی۔ گورنر پنجاب نے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں آئندہ آپ کے قیمتی اور اعلیٰ مشوروں پر عمل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے اور آپ نے جو سلسلہ خدمتِ دین کا شروع کیا، اسے جاری رکھے اور آپ کے صاحبزادگان کو بھی حسبِ معمول اپنے والدِ گرامی کے نقشِ پا پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

سخنِ جمیل

تحریر: شیخ الحدیث مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری علیہ الرحمہ، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم-

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پاکستان ماہ رمضان المبارک کی 27 ویں شب، جمعۃ الوداع کے دن بنا اور 14 اگست 1947ء کی تاریخ تھی۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان اللہ تبارک وتعالیٰ کا عطیہ اور اس کی نعمت ہے، اس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔

احقر (جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری) اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ ماہ نومبر میں دہلی سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا، کیونکہ لاہور میں اس سے پہلے ہمارے عزیز رہائش پذیر تھے اور اُن کا قیام مغل پورہ، کراچی محلے میں تھا اور کراچی محلّہ قذافی چوک کے قریب تھا۔ 1947ء تا 1950ء ہمارا قیام لاہور میں رہا اور 1950ء کے بعد ہم لوگ لاہور سے کراچی مستقل طور پر آ کر آباد ہوئے۔

1956ء کے عرصہ میں حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمہ کا اِدارہ چوک دالگراں، لاہور میں ہوا کرتا تھا۔ اُنھوں نے رئیس الفقہا تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دستار بندی کے اپنے جلسے میں دعوت دی۔ احقر پہلی مرتبہ کراچی سے اس جلسے کے سلسلے میں اپنے استاذ (مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ) کے ساتھ شامل ہوا۔ بعد میں یہ ادارہ گڑھی شاہو میں منتقل ہوگیا۔

اس دورے میں احقر نے اہل سنت کے کئی اداروں کی زیارت کی، اِنھی اداروں میں سے ایک عظیم ادارہ ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' لوہاری گیٹ، بھی تھا، جسے فاضل جلیل عالم نبیل

عالم باعمل صوفی باصفا، صاحبِ تفہیم البخاری علامہ غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ، جو کہ محدث اعظم مولانا سردار احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے داماد بھی تھے، اس وقت وہ چلا رہے تھے۔ یہ لوہاری گیٹ کے اندر ایک چھوٹا سا باغیچہ ہوا کرتا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنے شاگرد رشید مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ مفتی محمد عبدالقیوم علیہ الرحمہ کو درس وتدریس کے لیے مقرر فرما دیا۔

احقر جب دوسری مرتبہ ادارے میں حاضر ہوا تو حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے پہلے جب بھی لاہور حاضر ہوا تو قیام جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو میں رہا، لیکن اب کی بار مفتی محمد عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمہ کے حسنِ اخلاق، تواضع وانکساری کی وجہ سے زیادہ تر میرا قیام جامعہ نظامیہ رضویہ میں رہا۔ اس کمرے میں میرا قیام رہا جہاں حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ بیٹھ کر تدریس اور فتاوی نویسی کرتے تھے۔

دن کا اکثر حصہ داتا صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر گزرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف کتب خانوں میں جاتا، بالخصوص مکتبہ نبویہ (علامہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمہ)، مکتبہ حامدیہ (علامہ انوار الاسلام) اور دیگر مکتبوں میں کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا۔ احقر عصر کے بعد واپس جامعہ نظامیہ رضویہ میں حاضر ہوتا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ نوجوان علمائے کرام میں کام کرنے کا جذبہ بیدار فرماتے۔ اس زمانے میں شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب علیہ الرحمہ، علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب، علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب، علامہ خادم حسین رضوی صاحب، علامہ گل احمد عتیقی صاحب، مفتی محمد تنویر القادری صاحب درس وتدریس کے ساتھ فتاوی جات کے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

دیگر مدرسین سے بھی ملاقاتیں رہیں۔

مولائے کریم رؤف رحیم اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمات جلیلہ وجمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی اولاد امجاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

احقر اپنی اس تحریر کو اس شعر پر ختم کرتا ہے:

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

جلیل القدر اساتذہ ومشاہیر تلامذۂ

مفتیٔ اعظم پاکستان

تحریر: مولانا مبشر سعید مرتضائی، لاہور

انسانی سرشت میں شعوری یا لاشعوری طور پر مصاحبت وہم نشینی کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور اگر یہ نشست وبرخواست اوائلِ عمر میں ہو تو اس کے نقوش تاحیات دل کے آئینے میں مرتسم ہو جاتے ہیں۔

عموماً زندگی کے اس حصے میں انسان بصورتِ تلمّذ کسی استاذ اور معلم کی صحبت کا شرف پاتا ہے، اگر استاذ محسن، متقی، مومن، خاشع، قانت، ساجد، متوکل، متواضع، دعائے نیم شبی اور آہِ سحر گاہی سے آگاہ ہو تو شاگرد بھی ایسے دیدہ وَر اور صاحب بینش پیدا ہوتے ہیں جن کا پھریرا چہار سو لہراتا ہے...... جو تاریخ عالم میں امر ہو جاتے ہیں اور اُن کی لحد سے بھی نور کے چشمے اُبلتے ہیں۔

بلاشبہ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کو ایسی ہی صفات کے حامل اساتذہ میسر آئے۔ دستیاب معلومات کے مطابق آپ کا دینی سفر پانچ مدارس پر مشتمل ہے۔ ذیل میں مدارس کے ساتھ آپ کے دس (۱۰) اساتذہ کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

1. دارالعلوم اویسیہ، جیندھڑ شریف، گجرات (المعروف مدرسہ سائیں گوہر علی):

☆ حضرت مولانا محبوب الرحمٰن (چچا محترم)۔

☆ اُستاذ الاساتذہ علامہ مولانا محبّ النبی کیمل پوری۔

2. دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور:

☆ مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد اشرفی قادری۔

☆ شارحِ بخاری شیخ الحدیث علامہ سید محمود احمد رضوی۔

☆ یادگارِ اسلاف شیخ الحدیث مولانا مہر الدین جماعتی۔

☆ استاذ العلماء علامہ حافظ محمد عالم محدثِ سیالکوٹی۔

☆ استاذ الاساتذہ شارحِ بخاری علامہ غلام رسول رضوی۔

☆ استاذ العلماء علامہ سید محمد انور شاہ۔

3. دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام، ہارون آباد:

☆ اُستاذ الاساتذہ شارحِ بخاری علامہ غلام رسول رضوی۔

4. مدرسہ احیاء العلوم، بورے والا:

☆ اُستاذ الاساتذہ شارحِ بخاری علامہ غلام رسول رضوی۔

5. جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد:

☆ محدثِ اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد قادری۔ **رحمہم اللہ تعالٰی**

علاوہ ازیں آپ نے غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے 1986ء میں حدیث "**انما الاعمال بالنیات**" پڑھ کے شرفِ تلمذ واجازتِ حدیث حاصل کی۔

اِن جلیل القدر اساتذۂ کرام کے حالات **الف بائی ترتیب** کے ساتھ مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد اشرفی قادری:

مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد اشرفی بن امام المحدثین مولانا ابومحمد سید محمد دیدار علی شاہ علیہما الرحمہ 1313ھ/1896ء کو ہندوستان کے مشہور شہر ''اَلور'' کے محلّہ نواب پورہ میں پیدا ہوئے۔قرآن مجید اَلور ہی کے حفاظِ کرام: استاذ الحفاظ عبدالحکیم صاحب، استاذ الحفاظ عبدالعزیز صاحب اور حافظ وقار علی صاحب سے پڑھا۔اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ ''قوت الاسلام، اَلور'' میں صرف ونحو کی ابتدائی کتب علامہ سید ظہور اللہ ملتانی اور اکثر کتب والد ماجد سے پڑھیں اور پھر فنون کی انتہائی کتب، جمیع کتبِ حدیث اور طب مدرسہ اہل سنت، مراد آباد میں صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر 1333ھ/1915ء میں سندِ فراغت ودستارِ فضیلت حاصل کی۔بعد ازاں اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی صحبت میں رہ کر آپ کے حکم پر فتویٰ نویسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو جمیع علوم وفنون کی سند اور وظائف وخلافتِ عامہ کی اجازت ذوالحجہ 1334ھ/1916ء میں مرحمت فرمائی۔

والدِ ماجد کے حکم پر 1342ھ/1923ء کے آخر میں جامع مسجد داتا گنج بخش کی خطابت کے لیے لاہور پہنچے، مسجد زیرِ تعمیر ہونے کی وجہ سے جامع مسجد وزیر خاں میں تدریس شروع فرمائی اور پھر تقریباً 1925ء میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف، لاہور میں تدریسی اُمور کا آغاز کیا۔ والدِ گرامی کے وصال: 22رجب المرجب، 1354ھ/ 22اکتوبر، 1935ء کے بعد تاحیات مسندِ درسِ حدیث پر فائز رہے۔

طویل علالت کے بعد 20شوال، 1398ھ/24 ستمبر، 1978ء میں علم وعمل کا یہ پیکر اس دارِ فانی سے رخصت ہوا۔(۱)

33

غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی:

غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں علامہ ابوالنجم سید احمد سعید کاظمی بن سید محمد مختار کاظمی رحمہما اللہ تعالیٰ 4ربیع الثانی، 1331ھ/13مارچ، 1913ء کو امروہہ مضافات مراد آباد (یو۔پی بھارت) میں سادات کے ایک عظیم رُوحانی وعلمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک پہنچنے کی وجہ سے کاظمی کہلاتے ہیں۔

دینی علوم کا اکثر حصہ اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھا، والدہ نے آپ کو ''ہدایہ اخیرین'' بھی پڑھائی۔ باقاعدہ ابتدائی تعلیم شاہ جہاں پور کے مدرسہ بحر العلوم میں اپنے بڑے بھائی علامہ سید محمد خلیل کاظمی رحمہ اللہ (محدثِ امروہی) سے حاصل کی۔سولہ سال کی عمر میں 1348ھ/1929ء میں سند فراغت حاصل کی اور حضرت سید علی حسین شاہ اشرفی کچھوچھوی رحمہ اللہ نے دستار زیبِ سر فرمائی۔آپ نے جامعہ نعمانیہ، لاہور سے تدریس کا آغاز فرمایا۔پھر مدرسہ محمدیہ حنفیہ، امروہہ میں چار سال (1931ء تا1935ء) تدریس فرمائی، بعد ازاں 1935ء کے اوائل میں ملتان تشریف لے گئے تو اپنے گھر میں تدریس کا آغاز کیا اور 1944ء میں جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد وہاں تاحیات علومِ دینیہ وکتبِ حدیث کی تدریس میں مشغول رہے۔اس دوران دس سال جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں 1963ء تا1974ء شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ مسجد حافظ شیر، بیرون لوہاری دروازہ، ملتان میں اٹھارہ سال میں درسِ قرآن مکمل کیا اور مسجد چپ شاہ میں مشکوٰۃ شریف وبخاری شریف کا درس مکمل کیا۔

انوار العلوم، ملتان میں جمعیت علماءِ پاکستان کی تشکیل (مارچ1948ء) پر آپ کو

ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔آپ کی قیادت میں کل پاکستان سنی کانفرنس 17-16 اکتوبر 1978ء کو ملتان میں منعقد ہوئی۔اس تاریخی کانفرنس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔اپنے برادر معظم علامہ سید محمد خلیل کاظمی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف رکھتے تھے۔

25 رمضان المبارک، 1406ھ/4 جون، 1986ء کو عازمِ سفر آخرت ہوئے۔(۲)

استاذ العلما مولانا سید انور شاہ:

استاذ العلما علامہ سید انور شاہ صاحب بن سید منور شاہ صاحب علیہما الرحمہ نے امام المحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ علیہ الرحمہ کے قائم کردہ مدرسہ ''قوت الاسلام، راجپوتانہ، الور'' (بنیاد: 1307ھ/1890ء) میں علوم دینیہ کی تحصیل کی۔بعد ازاں آپ فوج میں چلے گئے اور بم بنانے کے بہت ماہر تھے، بم پھٹنے کی وجہ سے آپ کا ایک بازو متأثر ہو گیا، پھر آپ حزب الاحناف، لاہور تشریف لے آئے اور یہاں تدریس کا عمل شروع فرمایا۔آپ صرف ونحو کے ماہر استاذ گردانے جاتے تھے۔مسجدِ حزب الاحناف کی تیسری منزل کے شمالی پہلو کے کمرہ میں پڑھایا کرتے تھے، مدرسہ کا کتب خانہ بھی اِسی کمرہ میں تھا۔مفتیٔ اعظم پاکستان سید ابو البرکات علیہ الرحمہ کے بہنوئی تھے۔آپ کا مزار بی بی پاک دامن علیہا الرحمہ کے احاطہ میں ہے۔مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتب آپ سے پڑھیں۔(۳)

محدثِ اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد قادری:

شیخ الحدیث والتفسیر، جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد قادری بن چودھری میراں بخش علیہما الرحمہ 1322ھ/1904ء کو موضع دیال گڑھ ضلع

گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم قصبہ دیال گڑھ میں حاصل کرنے کے بعد 1343ھ/1924ء میں اسلامیہ ہائی سکول، بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

آپ ایف۔اے۔کی تیاری کے لیے لاہور تشریف لائے تو مسجد وزیر خان کے اجلاس میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی شخصیت سے متأثر ہو کر انگریزی تعلیم کو خیر باد کہہ کر مرکزِ علوم ومعارف بریلی شریف چلے گئے۔حجۃ الاسلام اور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے استفادہ کیا اور آٹھ سال تک صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحبِ بہارِ شریعت) کی خدمت میں رہ کر جامعہ معینیہ، اجمیر شریف سے سندِ فراغت حاصل کی۔آپ نے جامعہ رضویہ منظر الاسلام، بریلی شریف، جامعہ رضویہ مظہر اسلام، بریلی شریف اور جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد میں تدریس کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور درسِ حدیث میں مرجع العلما بنے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ محمد سراج الحق چشتی علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر بیعت اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی معیت میں 1935ء کو حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، بارِ دیگر 1376ھ/1956ء میں یہ شرف ملا، لیکن پابندی کے باوجود تصویر نہ بنوائی۔

یکم شعبان، 1382ھ/29 دسمبر، 1962 کو کراچی میں وصال فرمایا۔نمازِ جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔مزار سنی رضوی جامع مسجد، فیصل آباد میں مرجع خلائق ہے۔(۴)

استاذ العلما علامہ حافظ محمد عالم محدثِ سیالکوٹی:

استاذ العلما علامہ مولانا حافظ محمد عالم بن الحاج مولانا شاہ محمد علیہما الرحمہ 1343ھ

/1924ء کوموضع رانجن تحصیل وضلع جموں (مقبوضہ کشمیر) میں پیدا ہوئے۔

قرآن پاک اپنے پھوپھا حافظ احمد دین محلّہ بجلی گھر سیالکوٹ سے حفظ کیا۔ حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی کے درسِ لاہور میں 1938ء میں داخل ہوئے، ابتدائی کتب استاذ العلما مولانا مہر الدین جماعتی رحمہ اللہ سے پڑھیں، پھر دار العلوم حزب الاحناف میں داخلہ لیا اور اسی دار العلوم سے تکمیلِ علوم نقلیہ وعقلیہ ودورۂ حدیث کر کے سندِ فراغت ودستار فضیلت سے نوازے گئے۔ آپ دار العلوم حزب الاحناف، لاہور اور جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں سیالکوٹ دو دروازہ کی جامع مسجد میں جامعہ حنفیہ کے نام سے 1957ء میں ادارہ قائم فرمایا اور مسجد مولانا عبد الحکیم میں ''جامعہ عبد الحکیم'' قائم فرما کر اشاعت علمِ دین میں مشغول ہو گئے اور درسِ حدیث اس شان سے دیا کہ ''محدث سیالکوٹی'' کے لقب سے معروف ہوئے۔

تحریکِ ختمِ نبوت 1953ء میں لاہور قلعہ میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تحریکِ ختم نبوت 1974ء میں نمایاں کارنامے سرانجام دیے اور پچیس مرزائی آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپ محکمہ اوقاف سے منسلک ہو کر ڈسٹرکٹ خطیب کے عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر تحریکِ نظام مصطفیٰ ﷺ پر اس خطابت کو قربان کر دیا۔ تحریکِ نظام مصطفیٰ 1977ء میں آپ کو نام نہاد ''بم کیس'' میں گرفتار کیا گیا، رہا ہوتے ہی آپ نے جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد ایک عظیم الشان جلوس کی قیادت کی۔ چنانچہ آپ کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، آپ نے نظامِ مصطفیٰ کی خاطر ان تمام تکالیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

آپ 20 اگست، 1999ء کو رحلت فرما گئے۔ (۵)

شارحِ بخاری علامہ مولانا غلام رسول رضوی:

حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی بن چودھری نبی بخش 1338ھ/1920ء کو ضلع امرتسر کے ایک گاؤں پسیا میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امرتسر کی مسجد خیر الدین میں واقع مدرسہ نعمانیہ، جامعہ فتحیہ اچھرہ، لاہور اور منظر الاسلام، بریلی شریف سے علومِ دینیہ کی تحصیل فرمائی۔ اساتذہ میں محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، ملک التدریس مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی اور استاذ الکل مولانا مہر محمد اچھروی شامل ہیں۔ آپ نے جامعہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، جامعہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، جامعہ رضویہ ہارون آباد، جامعہ احیاء العلوم، بورے والا، دار العلوم حزب الاحناف لاہور، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد اور دار العلوم سراجیہ رسولیہ اعظم آباد، فیصل آباد میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر شرف بیعت رکھتے تھے۔ آپ 27 شعبان المعظم، 1422ھ / 14 نومبر، 2001ء بروز بدھ دارِ بقا کی طرف کوچ فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تصانیف میں سے تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ (۶)

استاذ الاساتذہ علامہ محبّ النبی کیمل پوری:

استاذ الاساتذہ مولانا محبّ النبی بن مولانا احمد بن مولانا امیر حمزہ علیہم الرحمہ 1314ھ/ 1897ء کو بھوئی، ضلع کیمل پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتب اپنے والدِ گرامی سے پڑھیں۔ صرف ونحو پانوں ڈھیری، ہزارہ میں مولانا نواب علی صاحب سے پڑھنے کے

بعد اکثر و بیشتر علوم کی تکمیل اپنے والدِ گرامی سے کی اور درسِ حدیث مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی میں محدثِ جلیل مولانا عبداللطیف صاحب سے لیا۔ بعد ازاں مدرسہ معینیہ، اجمیر شریف میں مولانا مشتاق احمد کانپوری کے پاس حاضر ہوکر کچھ اسباق پڑھے۔

آپ نے بھوئی، بڑودہ، مکھڈ شریف، دربار پیر صلاح الدین، لائل پور، دارالعلوم اویسیہ (جیندھڑ شریف، ضلع گجرات)، دارالعلوم غوثیہ (گولڑہ شریف)، جامعہ نظامیہ (وزیرآباد)، جامعہ محمدیہ (جھنگ) ضیاء العلوم جامعہ رضویہ (راولپنڈی) اور دارالعلوم غوثیہ (راولپنڈی) میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔ مشہور تلامذہ میں ملک المدرسین مولانا عطامحمد چشتی بندیالوی، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی، مولانا علامہ حسن الدین ہاشمی (بھتیجے) اور مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہم الرحمہ سرِفہرست ہیں۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ آپ نے 12 ربیع الاول، 1396ھ/22 مارچ، 1976ء کو وصال فرمایا۔(۷)

استاذ العلما مولانا محبوب الرحمٰن:

استاذ العلما مولانا محبوب الرحمٰن بن مولانا رحمت اللہ علیہما الرحمہ 1921ء کو تناول، مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ہجرت کر کے چک نمبر 126 گ ب شہر ودانہ پنڈ جنجوعہ، تحصیل جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد منتقل ہوگئے۔ آپ نے فارسی اور عربی کی اکثر کتب والدِ محترم سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا اور کچھ عرصہ سہارن پور، انڈیا کے مدرسہ میں بھی پڑھتے رہے۔

آپ طویل عرصہ تین ہٹی، لیاقت آباد، کراچی میں علومِ دینیہ کی تدریس فرماتے رہے۔ آپ کے والدِ گرامی اپنے علاقہ کی جامع مسجد حنفیہ بریلویہ کے امام وخطیب تھے، اُن

کے وصال (1976ء) سے کچھ سال قبل حادثہ میں اُن کا چوکنا متأثر ہوا، جس کے بعد آپ کراچی سے واپس جڑانوالہ میں آگئے اور والدِ گرامی کی جگہ مسجد کی ذمہ داری سنبھال لی اور تاحیات اُسی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

سلسلۂ چشتیہ میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ کے دستِ اقدس پر بیعت تھے۔ 27 فروری، 2009ء، بروز جمعہ کو دارِ حقیقی کی طرف کوچ کیا۔(۸)

شارحِ بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی:

علامہ سید محمود احمد رضوی بن علامہ ابوالبرکات سید احمد بن علامہ سید دیدار علی شاہ علیہما الرحمہ 1343ھ/1924ء کو آگرہ (ہند) میں پیدا ہوئے۔ علامہ رضوی نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل اور دورۂ حدیث اپنے جدّ امجد امام المحدثین ابومحمد سید دیدار علی شاہ رحمہ اللہ کے قائم کردہ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف، لاہور سے کیا۔ بعد ازاں اسی دار العلوم میں تاحیات تدریسی فرائض کی بجا آوری فرماتے رہے۔

تحریکِ ختم نبوت 1953ء میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریکِ ختمِ نبوت 1974ء میں تمام مکاتبِ فکر کے اتحاد سے وجود میں آنے والی ''مجلس عمل تحفظِ ختمِ نبوت'' کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جمعیت علماءِ پاکستان کے مرکزی ناظم رہے۔ 28 جنوری، 1979ء کو مختلف مکاتبِ فکر کی مشترکہ تنظیم ''مجلس تحفظِ حقوقِ عالم اسلامی'' کے صدر منتخب ہوئے اور رمضان المبارک 1398ء میں رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی منتخب کیے گئے۔ آپ نے ماہنامہ ''رضوان'' کے نام سے ایک رسالہ کا اجرا کیا، جو آپ کی زیرِ ادارت سال ہا سال کامیابی سے جاری رہا۔

14 اکتوبر، 1999ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور دارالعلوم حزب الاحناف میں مدفون
ہوئے۔ تصانیف میں ''فیوض الباری شرح صحیح بخاری'' شہرت کی حامل ہے۔(۹)

یادگارِ اسلاف شیخ الحدیث علامہ محمد مہرالدین جماعتی:

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا محمد مہرالدین جماعتی بن چوہدری روشن دین علیہا
الرحمہ کی ولادتِ باسعادت زمیندار راجپوت گھرانے میں 1900ء میں بمقام خاصہ، ضلع
امرتسر ہوئی۔ عمر فقط سوا سال تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ موضع لبان والا کے اسکول
میں چار جماعتیں ہی پڑھی تھیں کہ 1909ء میں والد گرامی کا انتقال ہوگیا۔ مزید پڑھائی
جاری نہ رکھ سکے اور کاشتکاری وغیرہ میں عمر عزیز کے بیس سال گزر گئے۔

1920ء میں ملازمت کو خیر باد کہہ کر حضرت مولانا صوفی غلام رسول صاحب سے
امرتسر میں سات پاروں کا ترجمہ پڑھا، پھر گوجرانوالہ کی جامع مسجد کھوجیاں والی میں مولوی
محمد ابراہیم صاحب سے ترجمۂ قرآنِ مجید کی تکمیل کی۔ وہیں مولوی عبدالعزیز صاحب سے
درسیات کی ابتدا کی۔ ازاں بعد جامعہ نعمانیہ، لاہور پہنچے، اندرون شہر کی فضا سازگار نہ دیکھ کر
جامعہ فتحیہ، اچھرہ میں چلے گئے اور یہاں صرف ونحو کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ پھر مدرسہ
کریمیہ، جالندھر جا کر مولوی محمد عبداللہ صاحب ہوشیارپوری اور مولوی احمد بخش صاحب
سے کافیہ، قدوری وغیرہ کتب پڑھیں۔ اگلے سال جامعہ فتحیہ، اچھرہ واپس آ گئے اور ہدایہ
اوّلین وغیرہ کتب پڑھیں۔ بعدازاں استاذ الاساتذہ مولانا مہر محمد صاحب (تلمیذ مولانا غلام
محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ، بہاولپور) سے دورۂ حدیث کے علاوہ باقی منتہی کتب پڑھیں۔
امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ الوری اور ان کے صاحبزادے علامہ مولانا

ابوالبرکات سید احمد قادری سے 1346ھ/1926ء میں دوبارہ دورۂ حدیث سے فیضیاب
ہوکر سندِ فراغت حاصل کی۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی سے صاحبِ ''تفسیر
خزائن العرفان'' سے بھی سند حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ دارالعلوم حزب الاحناف ہی
میں مولانا حبیب شاہ صاحب سے کتبِ طب کا درس لیا اور 1954ء میں دارالعلوم طب
جدید، شاہدرہ لاہور سے امتحان کے بعد افتخار الاطباء کی سند پائی۔

آپ ایک سال ہرسہ کوٹ، لائل پور، سات سال جامعہ نعمانیہ، لاہور، دو سال مسجد
شکرخاں، احمد آباد یو۔ پی اور تقریباً گیارہ سال دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں تدریسی
فرائض سرانجام دیتے رہے۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور کے نزدیک نیویں مسجد، نیا بازار میں
مدرسہ غوثیہ لاثانیہ قائم کیا، چار سال بعد اسے کراؤن چوک، گڑھی شاہو کی جامع مسجد منتقل کر دیا،
بعد میں ناسازیٔ حالات کے سبب مدرسہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ پھر ایک سال برکات العلوم
مغلپورہ، لاہور اور ایک سال جامعہ حنفیہ، قصور میں پڑھاتے رہے۔ 1974ء تا 1976ء
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شیخ الحدیث رہے۔ مصری شاہ میں رہائش منتقل ہونے کے بعد گھر
پر ہی ''غوثیہ لاثانیہ'' کے نام سے مدرسہ قائم فرمایا جہاں تادمِ آخر تدریس فرماتے رہے۔

آپ 1931ء میں امیرِ طریقت پیر سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری قدس سرہٗ
کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ 12 ربیع الاوّل، 1406ھ/1986ء کو واصل
بحق ہوئے۔ کتب میں تسہیل المبانی شرح اردو مختصر المعانی کو بہت مقبولیت ملی۔(۱۰)

تلامذۂ مفتیٔ اعظم پاکستان

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے بعد پوری زندگی تدریسِ علومِ دینیہ کے لیے وقف فرمادی۔آپ کا زمانۂ تدریس تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔اس عرصہ میں آپ سے جن علما نے اکتسابِ فیض کیا بلاشبہ وہ ہزاروں میں ہیں۔ان میں کثیر تعداد مدرسین، مصنفین، مبلغین، محققین، مناظرین اور مقررین کی ہے، جن کے صرف اسما کا ذکر ہی کارے دارد۔تاہم یہاں چند مشاہیر تلامذہ کے حالات **الف بائی ترتیب** کے ساتھ مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں:

مولانا محمد انوار الرسول مرتضائی:

صاحبزادہ مولانا محمد انوار الرسول مرتضائی بن شیخ طریقت ابوالفیض مولانا محمد انور مرتضائی علیہ الرحمہ (1999-1936) کا تعلق کوٹ لکھپت لاہور سے ہے۔1997ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار کے قائم کردہ ادارہ جامعہ مرتضائیہ فیض العلوم، کوٹ لکھپت، لاہور میں تدریس ونظامت فرماتے رہے۔بعد ازاں 2000ء میں اقراء مدینۃ الاطفال کے نام سے اسلامک اسکولز کا آغاز کیا، جس کی اس وقت لاہور سطح پر 12 برانچز ہیں۔آپ 1992ء تا 1995ء جامعہ نظامیہ کے طلبہ کی تنظیم بزم رضا کے سیکرٹری رہے۔تنظیم علماءِ مرتضائیہ کے دوبار ناظم منتخب ہوئے۔اتفاق ہسپتال، ماڈل ٹاؤن میں 1994ء سے تا حال خطابت فرما رہے ہیں۔20 اکتوبر، 2019ء سے تا حال مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کے مرکزی صدر کے عہدہ پر فائز ہیں۔آپ کا مقالہ بعنوان: ''کلوننگ اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت'' متعدد بار کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

شیخ حازم بن محمد بن احمد:

شیخ حازم بن محمد بن احمد بنی مزار، ضلع المنیا، جنوبی مصر سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ''**محمد حسين آزاد الدهلوي و منهجه في نقد الشعر الأردوي**'' کے زیرِ عنوان تحقیقی مقالہ قلم بند کر کے حاصل کی۔جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں 1995ء میں عربی لغت کے اُستاذ رہے۔اِن دنوں جامعہ ازہر شریف کے شعبۂ اُردو زبان وادب کے پروفیسر ہیں۔آپ کے قلم سے سینکڑوں کتب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔

امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی:

امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی بن لعل خان علیہما الرحمہ ضلع اٹک کے گاؤں نکہ کلاں کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ نے 1990ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کا آغاز فرمایا اور 2015ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔اس دوران آپ طویل عرصہ شیخ الحدیث کی مسند پر بھی فائز رہے۔2007ء تا 2014ء مجلس علماء نظامیہ پاکستان کی صدارت کے ساتھ ساتھ طویل عرصہ تحریکِ فدایانِ ختم نبوت پاکستان اور تحریکِ لبیک پاکستان کے مرکزی امیر رہے۔دار العلوم انجمن نعمانیہ، ٹیکسالی گیٹ سمیت کئی مدارس، تنظیمات اور اداروں کے سرپرست ونگران رہے۔ماضی قریب میں اُمّت کے اندر جذبۂ عشقِ رسول ﷺ بیدار کرنے کے حوالے سے آپ کی مثال نہیں ملتی۔آپ 19 نومبر، 2020ء کو وصال فرما گئے، پاکستان کی تاریخ میں آپ کا جنازہ بے نظیر تھا۔تصانیف میں ''**تيسير أبواب الصرف**'' کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔

محقق العصر ابو عثمان مفتی محمد خان قادری:

محقق العصر ابو عثمان مفتی محمد خان قادری بیریاں کلاں، ضلع نارووال سے تعلق رکھتے تھے۔ تدریس کا آغاز اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے کیا۔ ازاں بعد جوہر ٹاؤن، لاہور میں ''جامعہ اسلامیہ'' کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی اور پھر تا حیات وہاں تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کا وصال 16 مارچ، 2020ء کو ہوا۔ رحمہ اللّٰہ تعالٰی۔ آپ کے قلم سے گراں قدر تصانیف، تراجم اور شروحات فیض رساں ہوئیں۔ تراجم میں ''فضل قدیر ترجمہ تفسیر کبیر'' کو بہت شہرت ملی۔

استاذ العلما مولانا خلیل احمد مرتضائی:

استاذ العلما صاحب زادہ خلیل احمد مرتضائی بن پیر طریقت مولانا نذیر احمد مرتضائی کا تعلق قلعہ شریف، تحصیل شرقپور، ضلع شیخوپورہ سے ہے۔ آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فراغت (1998ء) کے بعد ایک سال جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ میں تدریس فرمائی۔ بعد ازاں 24 جنوری، 2000ء کو اپنے گاؤں قلعہ شریف میں آستانہ عالیہ کی جامع مسجد میں ''جامعہ مرتضائیہ'' کے نام سے ادارہ قائم فرمایا، جس کا سنگ بنیاد مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے رکھا۔ تا حال اسی جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی زیرِ ادارت 2015ء تا 2019ء کے وسط تک ماہنامہ المرتضیٰ قلعہ شریف سے تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ کتب میں مشائخِ نقشبندیہ مرتضائیہ کے حالات پر مشتمل ''خواجگانِ مرتضائیہ'' کا شہرہ ہوا۔

استاذ العلما مفتی رسول بخش سعیدی:

استاذ العلما علامہ مفتی رسول بخش سعیدی کا تعلق علی پور، ملتان سے ہے۔ آپ نے علومِ اسلامیہ کی تکمیل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے 1982ء میں کی اور اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم۔اے عربی کیا۔

آپ مختلف مدارس: جامعہ عنایتیہ، خانیوال، جامعہ رضویہ، گلبرگ، جامعہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن اور اتفاق اسلامک سنٹر میں تدریس فرمانے کے بعد صاحب زادہ سلطان نیاز الحسن صاحب کی دعوت پر اُن کے ساتھ برطانیہ کے شہر برمنگھم تشریف لے گئے۔ وہاں سلطان باہو ٹرسٹ اور محی الاسلام صدیقیہ، برمنگھم سے ایسے نوجوان مذہبی اسکالرز تیار کیے جو نہ صرف برطانیہ بلکہ یورپ، امریکہ اور افریقی ممالک میں اعلائے کلمۂ حق کے لیے شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔

دس سال بعد آپ نے برمنگھم میں ''فیضان رسول ایجوکیشن سنٹر'' کے نام سے اپنا ادارہ قائم فرمالیا، اس ایجوکیشن سنٹر میں آپ نے مرد و زن کی ایک کھیپ تیار کی جو دین متین کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔ علاوہ ازیں آپ چند کتب کے مصنف و مترجم بھی ہیں۔

شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی:

حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی کا تعلق موضع چھڑھ، ڈاک خانہ چٹہ بٹہ، ضلع مانسہرہ، ہزارہ سے ہے۔ آپ نے 1975ء سے 2007ء تک جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ مزید برآں 2000ء سے تا حال جامعہ ہجویریہ مرکز معارفِ اولیاء دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے

ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں، نیز جامعہ تاجدارِ مدینہ، لاہور میں بھی تدریس فرماتے ہیں۔ آپ تین سال وفاقی شرعی عدالت کے مشیر رہنے کے علاوہ زونل رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ممبر، اتحاد بین المسلمین کمیٹی پنجاب کے رکن اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ علامہ ہزاروی صاحب کی تصانیف، تراجم، شروحات، تلخیصات اور مضامین ومقالات کی تعداد بلاشبہ سینکڑوں میں ہے۔

استاذ العلما علامہ ابوالحسان محمد طاہر تبسم قادری:

استاذ العلما علامہ ابوالحسان مفتی محمد طاہر تبسم قادری بن میاں احمد دین کا تعلق اڈا کھراجپورہ، ضلع بہاولنگر سے ہے۔ علومِ دینیہ کی تکمیل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے 1998ء میں کرنے کے بعد اگلے سال اپنی مادرِ علمی میں ہی مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ تقریباً دو سال یہاں تدریس کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ تشریف لے گئے، وہاں پانچ سال (2000ء تا 2005ء) ناظمِ تعلیمات رہنے کے بعد دوبارہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تشریف لے آئے اور 2015ء تک تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔

ان دنوں اپنے ادارے: ادارہ تعلیماتِ نبویہ (بنیاد: 2008ء) میں تدریس فرما رہے ہیں۔ آپ نڈر، بے باک، حق گو اور عدیم المثال خطیب بھی ہیں۔ تقریباً 8 سال تک مجلّہ ''النظامیہ'' کے مدیر اعلیٰ رہے، جس میں تحریر شدہ اداریے ''مومن کی اذان ومعہ نوجوان نسل اور دینی تعلیم'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔

استاذ العلما علامہ محمد طفیل:

استاذ العلما مولانا محمد طفیل قصور کے مشہور قصبہ گوہڑ جاگیر سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ

مفتیٔ اعظم پاکستان کے اُن ابتدائی تلامذہ میں سے ہیں جنہوں نے جامعہ حنفیہ، قصور میں کسبِ فیض کیا۔ فراغت کے بعد آپ نے علامہ غلام نبی کی شراکت سے کراچی میں ''دارالعلوم حامدیہ رضویہ'' کی بنیاد رکھی۔ بعدازاں ناظم آباد، کراچی میں ''شمس العلوم جامعہ رضویہ'' کی بنیاد رکھی۔ کراچی کے علما میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ آپ 8 دسمبر، 1978ء بروز جمعۃ المبارک اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالٰی۔

شیخ الحدیث علامہ مفتی ابوحماد ظہور احمد جلالی:

شیخ الحدیث علامہ مولانا ابوحماد ظہور احمد جلالی کا تعلق مانگا گاؤں قلعہ سمیکا سے ہے۔ آپ نے ایک عرصہ تک اسلام گڑھ، میر پور میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ستمبر 2002ء میں اپنے گاؤں مانگا منڈی میں ''دارالعلوم محمدیہ اہل سنت'' کی بنیاد رکھی...... جس کا سنگِ بنیاد مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے رکھا...... اور تا حال اِسی جامعہ میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ کثیر کتب کے مصنف ہیں، اِن میں سے ''شرح حدیثِ نجد'' آپ کی پہچان بن گئی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ظہیر بٹ فریدی:

شیخ الحدیث علامہ محمد ظہیر بٹ فریدی کا تعلق گوالمنڈی، اندرون لاہور سے ہے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں 2001ء سے 2009ء تک تدریس فرمانے کے بعد تبلیغِ دین کے لیے ڈنمارک تشریف لے گئے، وہاں علما کی ایک ٹیم تیار کر کے 2019ء میں واپس لوٹے۔ اِن دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

مناظرِ اسلام علامہ محمد عبدالتواب صدیقی:

مناظرِ اسلام شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالتواب صدیقی بن مولانا محمد عمر اچھروی علیہما الرحمہ کا تعلق قصور سے تھا۔ آپ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تقریباً 21 سال شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر مسلم شریف کی تدریس اپنے مخصوص مناظرانہ انداز میں فرماتے رہے۔ آپ نے فرقِ باطلہ کے بہت سے مناظرین کو میدان مناظرہ میں شکست فاش دی۔ اپنے والدِ گرامی کا فیضانِ طریقت بھی لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں تقسیم کیا۔

17 جون، 2020ء کو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

شرفِ ملت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری:

شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا تعلق مرزا پور، ضلع ہوشیار پور، مشرقی پنجاب سے تھا۔ آپ پاکستان کے مختلف مدارس میں تدریس فرمانے کے بعد 1973ء میں اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور واپس آ گئے اور سال 2002ء تک تدریسی خدمات سرانجام دیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ شرفِ ملت نے 1960ء میں مکتبہ رضویہ، انجن شیڈ لاہور قائم کیا، پھر 1968ء میں جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پوری میں مکتبہ قادریہ کا قیام عمل میں لائے، بعد ازاں 1974ء میں مکتبہ قادریہ، لاہور قائم فرمایا۔ گراں قدر خدمات کے اعتراف میں آپ کو ''امام احمد رضا گولڈ میڈل''، ''سیدنا ابو ہریرہ ایوارڈ'' اور ''مفتیٔ اعظم گولڈ میڈل'' پیش کیے گئے۔ یکم ستمبر 2007ء بروز ہفتہ کو رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی عربی، فارسی اور اُردو میں سو سے زائد نگارشات مختلف زبانوں پر آپ کے عبور کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن میں سے ''من عقائد أهل السنة'' کو عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی:

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث جامع المعقول والمنقول علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی گاؤں گنگا نوالہ ضلع وتحصیل راولپنڈی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ 1976ء سے تا حال جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کے ساتھ ساتھ ناظمِ تعلیمات کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ 2002ء سے تا حال صحیح بخاری شریف پڑھانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ نے پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کی جانب سے 81-1980 میں بہترین مصنفین میں پہلا انعام حاصل کیا۔ رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام فتاوی رضویہ کی جدید اِشاعت کے بعد برکاتی فاؤنڈیشن کی طرف سے چاندی میں تولے گئے جس کا وزن اکیاسی (81) کلو بنا، آپ نے وہ تمام چاندی ''رضا فاؤنڈیشن'' کو عطیہ کر دی۔ آپ کی درسی تصنیفات کے علاوہ ''مرآۃ التصانیف'' کا بہت شہرہ ہوا۔

صاحبزادہ مولانا محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی:

صاحبزادہ مولانا محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی بن مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ ٹمبر مارکیٹ راوی روڈ، لاہور سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے پرائمری تعلیم ایم۔ سی ماڈل ہائی سکول، لاہور سے، جبکہ مڈل تعلیم اسلامیہ ہائی سکول، لاہور سے حاصل کی۔ علومِ دینیہ کی تحصیل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، جامعہ ریاض المدینہ، گوجرانوالہ، الحمراء اکیڈمی، جھنگ اور جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن، لاہور سے کی اور آخر میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے دورۂ حدیث شریف کر کے 1997ء میں دستارِ فضیلت وسندِ فراغت سے نوازے گئے۔ ازاں بعد آپ کچھ عرصہ اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد پڑھتے رہے پھر نمل یونیورسٹی سے ایک سالہ عربی وانگلش لینگویج کورس کیا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کے وصال کے بعد 20 ستمبر، 2003ء کو تنظیم المدارس اہل سنت

پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن بنے۔ 22 جولائی، 2008ء کو ایڈیشنل سیکرٹری جنرل، جبکہ شہید پاکستان ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید علیہ الرحمہ کی شہادت (12 جون، 2009ء) کے بعد 20 جون، 2009ء کو ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اور تاحال اس عہدہ پر بحسن وخوبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ 2003ء سے تاحال جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں۔

محبوب العلما مولانا غلام فرید ہزاروی:

پیکرِ اخلاص ومودّت محبوب العلما مولانا غلام فرید ہزاروی کا تعلق سری بلوریاں، مانسہرہ سے ہے۔ آپ نے علومِ دینیہ کی تکمیل 1963ء میں کی، پھر خود کو جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، ہر مشکل اور کڑے وقت میں مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے دست وبازو رہے۔ آپ جامعہ کے اُمورِ تعلقاتِ عامہ کے ناظم ہیں۔

استاذ الاساتذہ علامہ سید غلام مصطفیٰ عقیل بخاری:

استاذ الاساتذہ علامہ سید غلام مصطفیٰ عقیل بخاری آزاد کشمیر سابقہ ضلع پونچھ (حال ضلع حویلی) کے مرکزِ رشد وہدایت جبی سیّداں المعروف چھوٹا مکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تقریباً پندرہ سال (1975ء تا 1989ء) تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران ڈیڑھ سال ناظمِ تعلیمات بھی رہے۔ بعد ازاں آپ نے جامعہ مدینۃ العلم کے نام سے رانا ٹاؤن، لاہور میں مدرسہ قائم فرمایا، تاحال اسی مدرسہ میں تدریس جاری رکھے ہوئے ہیں۔ محکمہ اوقاف، پنجاب سے بطور صوبائی خطیب ریٹائرڈ ہوئے۔ تصنیفات میں سے "**التعلیقات الفاطمیة علی اُصول الشاشی**" شہرت کی حامل ہے۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ غلام نصیر الدین چشتی:

شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام نصیر الدین چشتی چک نمبر 73/4-R ہارون آباد ضلع بہاول نگر سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے 1986ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہیں پر پانچ سال تک پڑھایا۔ پھر جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور تشریف لے گئے، تاحال جامعہ نعیمیہ میں تدریس کے ساتھ نظامت بھی فرما رہے ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ کثیر کتب کے مصنف ومترجم ہیں۔

علامہ مولانا مفتی شیخ فرید:

حضرت مولانا مفتی شیخ فرید استور، گلگت سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فراغت کے بعد دو سال (88-1987ء) اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس فرمائی۔ پھر "محکمہ اِفتاء" آزاد کشمیر میں مفتی مقرر ہوئے اور یکم جولائی 2019ء کو ریٹائرڈ ہو گئے۔ تصانیف میں سے فتاویٰ فریدیہ (۲ جلدیں) شہرت کا حامل ہے۔

شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی:

شیخ الحدیث علامہ ڈاکٹر فضل حنان سعیدی کا آبائی تعلق چن سیر، تحصیل اوگی، ضلع مانسہرہ سے ہے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے 1988ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کی اور "**تحقیق و دراسة نقدیة للمخطوط دیوان کشاجم**" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر 2008ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ تکمیلِ علوم دینیہ کے بعد سے تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں 2005ء سے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز ہیں۔

شیخ الحدیث علامہ مفتی فضل سبحان قادری:

شیخ الحدیث علامہ مفتی فضل سبحان قادری کا تعلق مردان، خیبر پختونخواہ سے ہے۔ آپ کا شمار خیبر پختونخواہ کی ممتاز علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ''اُمّ المدارس جامعہ قادریہ، مردان'' کے بانی وسرپرست ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ کثیر کتب کے مصنف بھی ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مفتی گل احمد خان عتیقی:

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ مفتی گل احمد خان عتیقی آزاد کشمیر مظفر آباد تحصیل ہٹیاں کے گاؤں سربن سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کو جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سمیت کثیر مدارس میں تدریس کا شرف حاصل رہا ہے۔ جامعہ رسولیہ شیرازیہ، لاہور میں 2006ء سے تاحال تدریس فرما رہے ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں، ساتھ ہی جامعہ ہجویریہ، داتا دربار لاہور میں بھی تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور عرصہ 15 سال سے بخاری شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ کثیر کتب کے مصنف بھی ہیں۔ کتب میں ''توضیحات عتیقیہ اُردو شرح مناظرہ رشیدیہ'' مقبولیتِ عامہ حاصل کر چکی ہے۔

مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی:

مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی بن شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے علوم دینیہ کی تکمیل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے 1987ء میں کی اور الازھر یونیورسٹی، مصر سے 2005ء کو عربی زبان وادب میں **''العلامہ محمد فضل الحق الخیر آبادی، حیاتہ وشعرہ العربی (دراسة تحلیلیة نقدیة)''** کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ

کی ڈگری کے حقدار ٹھہرے۔ آپ کو جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سمیت مختلف اداروں میں تدریس کا شرف حاصل رہا ہے۔ منہاج القرآن، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں 2012ء سے تاحین تدریس فرما رہے ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی:

علامہ مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی کا تعلق موضع نمبل، تحصیل اوگی، ضلع مانسہرہ سے ہے۔ آپ دار العلوم نعیمیہ، کراچی میں 1973ء سے فرائضِ تدریس انجام دینے کے ساتھ 1985ء سے دار الافتاء کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ طویل عرصہ تک مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین رہے۔ علاوہ ازیں آپ صدر: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، پرنسپل: دار العلوم نعیمیہ، کراچی، پروفیسر: جناح یونیورسٹی برائے خواتین (کراچی)، جنرل سیکرٹری اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ اور وفاقی جامعہ اُردو اور انٹرمیڈیٹ تعلیمی بورڈ کراچی کے رکن کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی تصنیفات میں سے فتاوی کا مجموعہ ''تفہیم المسائل'' مقبولِ خواص وعوام ہے۔

استاذ الاساتذہ مفتی محمد ہدایت اللہ پسروری:

استاذ الاساتذہ علامہ مفتی محمد ہدایت اللہ پسروری تحصیل نور پور، ضلع کانگڑا، مشرقی پنجاب کے علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ملتان میں ''جامعہ غوثیہ ہدایت القرآن'' کے نام سے ادارہ 1975ء میں قائم فرمایا اور تاحیات علم نبوت کا فیضان بانٹتے رہے۔ اہل سنت کا یہ عظیم آفتاب 13 اپریل، 2018ء کو غروب ہوا۔ رحمہ اللہ تعالی

استاذ العلما علامہ مفتی یار محمد خاں قادری:

علامہ مفتی حافظ یار محمد خاں قادری چاہ ملاں والا، موضع خانپور جنوبی علاقہ لنڈان، تحصیل وضلع ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ جامعہ مخزن العلوم (مظفر گڑھ)، جامعہ فریدیہ (ساہیوال)، حراء یونیورسٹی (دربار حضرت سلطان باہو)، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور اور جامع مسجد اللہ والی میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ان دنوں انگلینڈ میں قیام پذیر ہیں۔مصنفات میں "**المدلّل شرح المطول**"مقبول ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے چند دیگر مشاہیر تلامذہ کے اسما اور سنینِ فراغت کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

☆ حضرت مولانا سید خورشید شاہ بخاری علیہ الرحمہ، گوجرانوالہ:1964
☆ حضرت مولانا احسان اللہ ہزاروی:1974ء
☆ حضرت مولانا صاحب زادہ غلام فرید تو گیروی علیہ الرحمہ، چشتیاں شریف:1976
☆ حضرت مولانا ابوالمدثر محمد علی حیدری علیہ الرحمہ، حافظ آباد:1976
☆ حضرت مولانا قاضی محمد وہاج فیض النصیر، مہتمم جامعہ نوریہ فیض العلوم وہاڑی:1980
☆ حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبدالوحید، مانسہرہ:1981
☆ مولانا محمد جمشید احمد سعیدی، انگلینڈ:1982
☆ مولانا خالد حسین نوشاہی، انگلینڈ:1984
☆ مولانا محمد اعظم نورانی علیہ الرحمہ، لاہور:1984
☆ علامہ محمد بخش کرمی، ناظمِ اعلیٰ مدرسہ نعیمیہ نورالقرآن، مصری شاہ، لاہور:1984

☆ استاذ العلما مولانا محمد عمر فاورق سعیدی علیہ الرحمہ، مانسہرہ:1986
☆ مولانا پیر محمد اقبال ہمدمی، چھانگا مانگا:1986
☆ علامہ مفتی لیاقت علی معصومی، شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ رضویہ، لاہور:1988
☆ علامہ سردار احمد حسن سعیدی، جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی:1990
☆ مولانا ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی، اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج، سرائے عالمگیر:1991
☆ استاذ العلما مفتی دلاور حسین، لاہور:1991
☆ مولانا ڈاکٹر محمد اکرم وِرک:1991
☆ مولانا محمد یٰسین شطاری، مہتمم مدرسہ اسلامیہ، کامونکی:1992
☆ زینت القرا قاری ذوالفقار احمد برسالوی، سابق مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:1992
☆ مولانا مفتی رب نواز سعیدی، جامعہ رضویہ، لاہور:1992
☆ مولانا مفتی محمد اشرف بندیالوی علیہ الرحمہ، جامعہ رسولیہ شیرازیہ، لاہور:1992
☆ استاذ العلما مولانا محمد فاورق بندیالوی، مدرسہ اسلامیہ، سرائے عالمگیر:1992
☆ مولانا سید محمد اسد اللہ اسد، ناظمِ اعلیٰ جامعہ مدینۃ العلم، رحیم یار خان:1993
☆ مولانا قاری ڈاکٹر فیاض الحسن جمیل الازہری، سابق مدرس جامعہ نظامیہ شیخوپورہ:1993
☆ استاذ العلما مولانا محبوب احمد چشتی، شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور:1993
☆ علامہ مولانا محفوظ علی، ہالینڈ:1993
☆ استاذ العلما محمد نصر اللہ جان ہزاروی، مانسہرہ، سابق مدرس جامعہ نظامیہ، لاہور:1994
☆ مولانا پیر رحیم اللہ اسعد القادری، دربار تکیہ شریف، مظفر آباد:1994
☆ مولانا قاری اکبر علی علیہ الرحمہ، سابق امام جامع مسجد یارسول اللہ، لاہور:1994

☆ مولانا غلام مصطفیٰ نظامی، کوٹ رادھا کشن، قصور:1994

☆ علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی، ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامِ مصطفیٰ، بہاولپور: 1995

☆ علامہ پروفیسر شبیر حسین نقوی، مظفر آباد:1995

☆ مولانا محمد اکرام اللہ بٹ، چیف لائبریرین جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:1995

☆ مولانا مفتی محمد تنویر القادری، انچارج دارالافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:1996

☆ مولانا قاضی عابد الدائم دائم، خانقاہ شریف، عیدگاہ، ہری پور:1996

☆ استاذ العلما مولانا محمد سعید تونسوی، ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ انوارِ مصطفیٰ، لاہور:1996

☆ مولانا تاج محمد نقشبندی، خطیب جامع مسجد محمدیہ رضویہ، گلشن راوی، لاہور:1997

☆ استاذ العلما مولانا محمد ضیاء الحق ہزاروی، جامعہ اسلامیہ، مانسہرہ:1997

☆ مولانا سید تنویر الحسن شاہ، جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر، گلشن راوی، لاہور:1997

☆ مولانا عارف نورانی، صوبائی صدر مجلس علماء نظامیہ، بلوچستان:1997

☆ مولانا مفتی محمد شفیق الرحمٰن، میاں چنوں، خانیوال:1998

☆ مولانا ڈاکٹر محمد اکرم نظامی، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور:1998

☆ استاذ العلما مفتی خلیل احمد قادری، شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ داتا دربار، لاہور:1999

☆ مولانا سید تصدق حسین شاہ، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ:1999

☆ استاذ العلما مولانا غلام عباس فیضی، مہتمم جامعہ فاروقیہ، جوہر ٹاؤن:1999

☆ مولانا صاحبزادہ میاں صغیر احمد نقشبندی، کوٹلہ شریف:1999

☆ مولانا مفتی فیاض احمد سعیدی، جامعہ سراج الحرمین، اچھرہ، لاہور:2000

☆ ممتاز مذہبی سکالر علامہ مفتی لیاقت حسین اظہری، کراچی

☆ ممتاز مذہبی سکالر علامہ مفتی محمد اکمل قادری مدنی، کراچی:2000

☆ استاذ العلما مولانا دل محمد چشتی، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2001

☆ استاذ العلما قاری احمد رضا سیالوی، نائب ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2001

☆ استاذ العلما مولانا محمد واحد بخش سعیدی، سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2001

☆ استاذ العلما مفتی محمد جنید، قادری سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ:2001

☆ علامہ مفتی محمد قاسم عطاری، شیخ الحدیث والتفسیر ورئیس دارالافتاء اہل سنت، کراچی

☆ شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی، لاہور:2001

☆ استاذ العلما مولانا محمد انور، مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار، لاہور:2001

☆ ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، مفتیٔ احناف، ابوظہبی، متحدہ عرب امارات

☆ استاذ العلما سید غلام مصطفیٰ ریاض البخاری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ:2002

☆ استاذ العلما مولانا سید عاصم شہزاد، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ:2002

☆ صاحبزادہ مولانا محمد عبد المجتبیٰ المعروف نصیر احمد، ناظم اعلیٰ مدرسہ نور شاہدرہ، لاہور
وڈائریکٹر رضا فاؤنڈیشن پاکستان:2002

☆ استاذ العلما مولانا مدد علی قادری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2002

☆ استاذ العلما مولانا محمد ریاض اویسی، سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2002

☆ استاذ العلما مفتی محمد عمران حنفی، دارالافتاء جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور:2002

☆ استاذ العلما مولانا محمد عمران الحسن فاروقی، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2003

☆ خطیبِ شہیر مولانا محمد نواز بشیر جلالی، لاہور: 2003

☆ مولانا مفتی تصدق حسین نقشبندی، المرکز الاسلامی، لاہور:2003

☆ استاذ العلما مولانا غلام رسول نقشبندی، لاہور:2003

☆ صاحبزادہ مولانا غلام مرتضیٰ ہزاروی، ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ:2004

☆ مولانا مفتی محمد رمضان سیالوی، خطیب جامع مسجد داتا دربار، لاہور:2004

☆ مولانا قاری مفتی عبداللطیف چشتی، بیلجئم:2004

☆ مولانا محمد فیصل عباس جماعتی، نائب خطیب داتا دربار، لاہور:2004

☆ استاذ العلما مولانا محمد فاروق شریف رضوی، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور:2006

نوٹ: تلامذۂ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے اسما فراہم کرنے میں مولانا محمد عاصم محبوب رضوی صاحب نے تعاون کیا، جس پر راقم ان کا شکر گزار ہے۔

حوالہ جات

(۱) (i) ہزاروی، محمد صدیق، تعارفِ علماءِ اہل سنت، لاہور: مکتبہ قادریہ، ۱۹۷۹ء، ص:۲۱ تا ۲۵

(ii) رضوی، سید محمود احمد، سیدی ابوالبرکات، لاہور: شعبہ تبلیغ حزب الاحناف، ۱۹۷۹ء، ص:۱۴ تا ۲۷

(۲) (i) تعارفِ علماءِ اہل سنت، ص:۲۶ تا ۳۱ ملخصا

(ii) کاظمی، سید احمد سعید، غزالیٔ زماں، خطبات کاظمی، ملتان: کاظمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، الجزء الاول، ص:۹ تا ۱۶

(۳) (i) یہ معلومات صاحبزادہ مولانا نثار اشرف رضوی صاحب سے حاصل ہوئیں۔

(ii) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، سیدی مفتیٔ اعظم، لاہور: مکتبہ اہل سنت جامعہ نظامیہ رضویہ، ۲۰۰۳ء، ص:۱۰

(iii) قلمی ڈائری مفتیٔ اعظم پاکستان

(۴) (i) تذکرہ اکابر اہل سنت، ص:۱۴۹ تا ۱۵۴ ملخصا

(ii) تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: حیاتِ محدث اعظم از مولانا محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی

(۵) (i) ایضاً، ص:۳۱۴ تا ۳۱۷ ملخصاً

(ii) تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: تذکرۂ شیخ الحدیث حافظ محمد عالم از صاحبزادہ حامد رضا

(۶) (i) شرف قادری، محمد عبدالحکیم، علامہ، نور نور چہرے، لاہور: مکتبہ قادریہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۱ تا ۲۹۴ ملخصا

(ii) تعارفِ علماءِ اہل سنت، ص:۲۳۳ تا ۲۳۵

(۷) شرف قادری، عبدالحکیم، علامہ، تذکرۂ اکابر اہل سنت، لاہور: کتب خانہ امام احمد رضا، س۔ن، ص:۴۱۶ تا ۴۱۸ ملخصاً

(۸) یہ معلومات استاذ العلما مولانا محبوب الرحمٰن علیہ الرحمہ کے صاحبزادگان: مولانا محمد عمران اور مولانا اکرام الحق کے ذریعے حاصل ہوئیں۔

(۹) تعارفِ علماءِ اہل سنت، ص:۳۴۲ تا ۳۴۵

(۱۰) (i) شرف قادری، عبدالحکیم، عظمتوں کے پاسباں، الممتاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۲۹۸ تا ۳۰۴ ملخصاً

(ii) تعارفِ علماءِ اہل سنت، ص:۳۳۵ تا ۳۳۹

اُستاذ الاساتذہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

ایک بے مثال منتظم، کہنہ مشق اُستاذ اور عدیم النظیر محقق

تحریر: ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری، اسسٹنٹ پروفیسر جی۔سی یونی ورسٹی، لاہور

جامعہ شمسیہ ضیاء القرآن کھوکھا شریف، نزد دینہ، ضلع جہلم سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل اور تین سماعتوں کے بعد شیخ المجودین قاری محمد یوسف سیالوی (پ ۱۹۴۷ء) کی خدمت میں اپنے آبائی شہر لاہور واپس آنے کی درخواست پیش کی تو آپ نے والد گرامی الحاج خلیفہ علی احمد قادری (۱۹۳۴۔۲۰۰۸ء) سے پوچھا: لاہور جا کر خورشید (پ ۱۹۶۹ء) کے تعلیمی سلسلے کا کیا ہوگا؟ آپ نے بتایا کہ اسکول کی تعلیم شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ فرمایا: اِرادہ جو بھی ہو، مصروفیات کچھ بھی رہیں، حفظ سے تعلق برقرار رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ روزانہ کی بنیاد پر کسی اُستاد کو منزل سنانے کا سلسلہ ضرور جاری رکھا جائے۔ پوچھا گیا: آپ کس استاد یا مدرسے کو بہتر سمجھتے ہیں؟ فرمایا: جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور میری مادرِ علمی ہے۔ میں نے حفظ قرآن کریم کی دولت قاری محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۸۔۲۰۰۹ء) کی زیرِ نگرانی ۱۹۵۸۔۱۹۶۲ء کے دوران وہیں سے حاصل کی۔ وہاں کے سب اساتذہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) کی بے مثال قیادت کے سبب محنت وقابلیت میں یکتا ہیں۔

موسم گرما کی تعطیلات کے سبب لاہور پہنچ کر فوری طور پر اسکول کی تعلیم کا آغاز نہ ہوسکا تو والد گرامی نے میرے قد سے بڑی سائیکل حوالے کر کے فرمایا: شوال المعظم کے تیسرے ہفتے سے منزل سنانے کے لئے تم جامعہ نظامیہ رضویہ جایا کرو گے۔ شوال المعظم کی

۱۶ تاریخ بروز بدھ کو خوبصورت اور باوقار مسلم مسجد کے قریب سے گزرتے ہوئے لوہاری دروازے میں داخل ہوئے تو اندرون لوہاری دروازے کی قدامت، الف لیلوی خوبصورتی اور مشرقی رچاؤ نے بہت متاثر کیا۔ رچاؤ کی بات اس طرح محسوس ہوئی کہ میری سائیکل میرے قد سے بڑی تھی؛ اس لیے لوہاری دروازے کے اندر، ریڑھیوں، گدھا گاڑیوں، بیل گاڑیوں، تانگوں اور لوگوں کے ازدحام میں اسے مہارت سے چلانا میرے بس سے باہر تھا، لیکن محبت بھرے جذبات اور رچاؤ کی کیفیت یہ تھی کہ میرے گرنے، کسی کے ساتھ ٹکرانے یا کسی کے راستے میں حائل ہونے سے لوگ غصے کا اِظہار نہیں کرتے تھے بلکہ محبت سے اُٹھا کر حوصلہ افزائی کرتے۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ برانڈرتھ روڈ پر ایک تانگے کے بالکل سامنے آجانے کے بعد راقم نے سائیکل وہیں چھوڑ کر ایک طرف ہو جانا موزوں خیال کیا۔ تانگہ سائیکل کے پچھلے پہیے کو روندتا ہوا گزرا تو لوگوں نے میرے نقصان پر ہمدردی کا اظہار کیا اور تانگے والے کو بُرا بھلا کہا۔ یہ واقعہ احمدیہ بلڈنگ کے قریب ہوا۔ ایک جانب موجود سائیکل مکینک نے بڑی توجہ اور ہمدردی سے ٹیڑھے چکے کو درست کر کے دس روپے اُجرت مانگی تو میں نے بتایا کہ وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ اس مکینک نے ماتھے پر شکن ڈالے بغیر اگلے دن کے وعدے پر جانے کی اجازت دے دی۔

جامعہ پہنچے تو حفظ کے اساتذہ میں قاری ظہور احمد سیالوی صاحب (پ ۱۹۴۷ء) اور قاری ارشد صاحب (پ ۱۹۵۲ء) بڑے متحرک اور بارعب معلوم ہوئے۔ جہاں آج لائبریری قائم ہے اس جگہ کچے ریتلے فرش اور ستونوں پر چھتیں ڈال کر حفظ کے طلباء اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کو ازبر کرنے میں مصروف تھے۔ مذکورہ بالا اساتذہ کے رعب ودبدبے کے باعث راقم شش وپنج میں تھا کہ ان اساتذہ میں سے کس کی کلاس میں بیٹھے۔ اچانک نگاہ

قاری محمد اقبال سیالکوٹی صاحب (م۲۰۱۴ء) پر جا پڑی۔ معلوم ہوا حفظ کی ایک کلاس کی تدریس آپ کے ذمے ہے۔ قاری اقبال صاحب کا شمار جامعہ شمسیہ ضیاء القرآن کھوکھا شریف کے ابتدائی اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ شفقت ونظم وضبط کا خوبصورت مرقع تھے۔ ان کی شفقت کا ایک انداز یہ کہ کھوکھا شریف میں میری کم عمری اور کوتاہ قد وقامت کے باعث ''ٹیڈی'' کا محبت بھرا نام مجھے عطا کر رکھا تھا اور نظم وضبط یہ کہ سبق، سبقی یا منزل میں تلفظ کی غلطی بھی برداشت نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی شفقت کا پہلو غالب تھا۔ اس لیے جی چاہا کہ منزل انہیں ہی سنائی جائے۔ قاری ظہور احمد سیالوی صاحب کا کہنا تھا کہ قاری ارشد صاحب کے پاس گنجائش ہے اس لیے ان کی کلاس میں بیٹھنا موزوں رہے گا۔ ابھی یہ بات چیت جاری تھی کہ مولانا عبدالحق ظفر چشتی (۱۹۴۲۔۲۰۰۹ء) اپنے بیٹے عبدالرحمان عامر (پ۱۹۶۵ء) کے ساتھ وہاں تشریف لے آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے بیٹے کو منزل سُنانے کے ارادے سے ساتھ لائے ہیں۔ راقم کے والد گرامی ذکر بالجہر سے شیطان کو دور بھگانے اور اطمینان قلب ڈھونڈنے والے ایک صوفی باصفا ہونے کے سبب علماء کرام سے واجبی واقفیت بھی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے قاری اقبال صاحب کے حوالے سے صورت حال اور قاری ظہور صاحب کا حکم چشتی صاحب کے گوش گذار کیا تو آپ نے اطمینان بخش انداز میں والد صاحب کا ہاتھ پکڑا اور کہا خلیفہ صاحب آئیں مفتی صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ والد گرامی نے کچھ پس وپیش کیا تو چشتی صاحب نے بتایا کہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اہل سنت کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ آپ نہ صرف ایک کہنہ مشق استاد، اعلیٰ پائے کے محقق اور حلیم الطبع مہتمم ہیں بلکہ آپ کی طرح ایک صوفی منش انسان بھی ہیں۔ آپ بلا جھجک میرے ساتھ اُن کے پاس چلیں۔ ہم لنگر کے پاس سے گزرتے ہوئے مفتی صاحب کے دفتر میں

داخل ہونے کے لئے جوتے اُتار رہے تھے کہ صاحبِ دفتر پُر جوش انداز میں یہ فرماتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ آج تو پورا مصطفیٰ آباد ہی جامعہ نظامیہ میں وارد ہوگیا ہے۔ والد گرامی سے بغل گیر ہوتے ہوئے گویا ہوئے کہ خلیفہ صاحب! جامع مسجد غوثیہ فوارے والی مصطفیٰ آباد میں آپ کے منہ سے سُنی ہوئی اسمِ ذات کے ذکر کی گونج ابھی تک میرے کانوں میں ہے۔ فرمائیے! آج آپ نے ہمیں کیسے زیارت کا شرف بخشا؟ والد گرامی کے لیے یہ محبت بھرا اِستقبال غیر متوقع تھا۔ دفتر سے باہر تو طے ہوا تھا کہ چشتی صاحب بات کریں گے لیکن اب والد گرامی نے مدعا بیان کیا۔ مہتمم مدرسہ نے شعبہ حفظ کے صدر مدرس کو بلا بھیجا اور ہماری سہولت کو مدنظر رکھنے کی ہدایت کی۔ اس طرح مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت کی بدولت راقم جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء کی فہرست میں شامل ہوگیا۔

اسکول کی تعلیم شروع ہونے سے پہلے تک قاری اقبال صاحب کو منزل سُنانے کا سلسلہ جاری رہا۔ ہمارے تدریسی کمرے ستونوں پر ایستادہ اور دیواروں کے تکلف سے عاری تھے۔ اس لیے سرخ وسپید رنگت کے حامل سادہ لباس میں ملبوس سر پر گاہے پگڑی اور گاہے رومال سجائے مہتمم ادارہ سامنے سے گزرتے تو ہم اُن کی زیارت سے مشرف ہوتے رہتے۔ اس زمانۂ طالب علمی کی ایک یادگار اس سال ہونے والا سالانہ جلسہ تھا۔ جہاں آج کل دارالحدیث اور سیڑھیاں تعمیر کر دی گئی ہیں وہاں کھلی جگہ پر سٹیج بنایا گیا۔ بہت سے علمائے کرام کی اس کہکشاں میں دو چہرے میری لوحِ حافظہ پر ابھی تک مرتسم ہیں۔ اول سرخ وسپید رنگت کے حامل، سادہ لباس میں ملبوس ہزاروی پگڑی زیب سر کئے مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، اور دوم پُر تکلف، خوبصورت اور باوقار لباس میں ملبوس، جناح کیپ زیب سر کئے گھنی سیاہ ریش مبارک چہرے پر سجائے مفتی غلام سرور قادری (۱۹۳۹۔۲۰۱۰ء)۔

اِس پرہجوم اور باوقار جلسے میں عظمت قرآن کریم کے موضوع پر مفتی قادری کی مدلل گفتگو سے اصاغر واکابر سب فیض یاب ہوئے۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی سادگی، دلربائی اور عظمت کا نقش ذہن میں رہا لیکن اس کے بعد حاضری کے زیادہ مواقع نہیں مل سکے۔عربی زبان وادب میں ایم۔اے۔کی ڈگری کے حصول کے لئے ۱۹۹۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں داخلہ لیا تو ہم جماعتوں میں سب سے زیادہ سنجیدہ، علمی رویے کے حامل اور ہمدردانہ مزاج کے مالک فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء) تھے۔آپ نے ایک گفتگو کے دوران جامعہ نظامیہ کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کیا تو راقم کی جامعہ کے ساتھ پرانی محبت عود کر آئی۔ایک دن مصر سے مبعوث استاد مصطفیٰ عبدالجواد نے ڈاکٹر خالق داد ملک (پ ۱۹۶۴ء) سے جامعہ نظامیہ رضویہ اور مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی زیارت وملاقات کے لئے اپنے شوق کا اظہار کیا۔استاد خالق داد صاحب نے ہم رکابی کے لئے فضل حنان صاحب اور راقم کا انتخاب کیا۔چار افراد پر مشتمل ہمارا یہ قافلہ ڈاکٹر خالق داد ملک کی قیادت اور مولانا فضل حنان کی پیشوائی میں ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے دفتر پہنچا۔مفتی صاحب نے پُرتپاک انداز میں ہمارا استقبال کیا۔آپ نے ڈاکٹر ملک اور استاد مصطفیٰ عبدالجواد کو بیٹھنے کے لیے اپنے برابر جگہ دی۔فضل حنان صاحب اور راقم علم وعمل، تحقیق وتدریس اور زبان وادب کے ان تین روشن ستاروں کی ملاقات کو آنکھوں کے راستے دل میں سمونے کے لئے سامنے بیٹھ گئے۔گفتگو بنیادی طور پر عربی زبان میں مصری استاد اور شیخ الجامعہ کے درمیان ہوئی۔ڈاکٹر خالق داد ملک اور فضل حنان صاحب کہیں کہیں وضاحتی الفاظ یا جملوں کے ذریعے گفتگو میں شامل ہوجاتے۔

استاد مصطفیٰ عبدالجواد نے مفتی صاحب کے بہت سے شاگردوں، جن سے وہ مل چکے تھے، کی علمی پختگی کو سراہا اور سوال کیا کہ وہ کیا خاص بات ہے جس سے آپ کے تلامذہ ہر فن میں مہارت تامہ کا اظہار کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔مفتی صاحب نے بلاتوقف فرمایا: هٰذا سَهْلٌ جِدًّا. مصری استاد نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا: کیف؟ تو مفتی صاحب کے جواب کا مفہوم یہ تھا کہ میں طلباء سے کہتا ہوں کہ آپ کو ہر فن کی ایک ایک کتاب از بر ہونی چاہیے۔قانونچہ، نحو میر، کافیہ، تلخیص المفتاح، ہدایۃ الحکمۃ، سلم العلوم، کنز الدقائق اور سراجی کے مختلف حصے تو میں نوجوان علماء سے بغرض امتحان خود سُنتا ہوں۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب کی اصاغر نوازی ضرب المثل تھی۔جامعہ پنجاب کے دو اساتذہ اور فضل حنان صاحب کی موجودگی میں آپ نے مجھ حقیر کو نظر انداز نہیں کیا۔پوچھا: اس نوجوان کا کیا تعارف ہے؟ اس سے پہلے کہ راقم کچھ عرض کرتا، فضل حنان صاحب اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے کہ یہ حافظ خورشید ہیں۔ایم۔اے۔عربی میں میرے ہم جماعت ہیں۔بڑے باصلاحیت ہیں۔شعر کہتے ہیں، نقابت کرتے ہیں، اچھے مقرر ہیں اور جامعہ نظامیہ کے فیض یافتہ ہیں۔مفتی صاحب نے فرمایا: اتنے باصلاحیت اور ہمہ جہت حافظِ قرآن کو دین کا کام آگے بڑھ کر کرنا چاہیے۔راقم خاموش ہی تھا کہ مفتی صاحب نے میری آنکھوں سے میرے اندرونی احساسات کو پڑھ لیا اور فرمایا: مجھے دیکھو نہ مقرر ہوں، نہ شاعر نہ نقیب پھر بھی دین کی خدمت کا کام کیسے چلا جارہا ہوں۔اس وقت مفتی صاحب کی باتوں کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ نہ ہوسکا۔آج راقم پی ایچ۔ڈی۔ کر کے ایک اعلیٰ یونیورسٹی میں برسرِ کار ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی دعاؤں کی برکت بھی یقیناً شامل ہے۔اس دوران دونو جوان چائے اور لذتِ کام ودہن

کے دیگر سامان لے آئے۔ چائے کے ساتھ جو بہت سے لوازمات پیش کئے گئے ان میں سموسے بھی تھے۔ استاد جواد نے لاہور کی اس سوغات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جب کہا کہ "أُحِبُّ سَمْ بُوْسَا" تو محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ فضل حنان صاحب نے مصری استاد سے پوچھا: یا استاذ! سُکَّر مضبوط أم خفیف؟ تو استاد صاحب چہرے پر مسکراہٹ سجائے یوں گویا ہوئے: "سکر مضبوط فی کل حال" تو ایک مرتبہ پھر قہقہے گونج اُٹھے۔

ایک دن صبح پہلی کلاس کے بعد نو بجے فضل حنان صاحب نے اطلاع دی کہ آج جامعہ نظامیہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس انعقاد پذیر ہے۔ ملک و بیرون ملک سے علماء کی ایک کثیر تعداد اس میں شرکت کر رہی ہے۔ ہمارے اساتذہ میں سے پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر مبارز ملک، ڈاکٹر قمر علی زیدی، مصری استاد محمد احمد عبدالرحیم محفوظ حازم اور ڈاکٹر خالق داد ملک بھی اس کانفرنس میں شرکت کریں گے۔ راقم علمائے کرام اور اساتذہ کی اس بڑی کہکشاں کی زیارت کے لئے ساتھ ہولیا۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے جامعہ نظامیہ کے مرکزی دروازے پر اساتذہِ جامعہ پنجاب کا استقبال کیا اور بڑی محبت سے سب کو پنڈال میں لے گئے۔ کانفرنس میں اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں تقاریر ہوئیں۔ مفتی ہزاروی صاحب نے اپنے اختتامی کلمات میں تمام مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا اور نوجوان علماء کو کام، کام اور بس کام کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے بیس بیس اسباق پڑھائے ہیں تو آج آپ لوگوں کی محبتیں ہمیں حاصل ہیں۔ محبتیں حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کام، کام اور پھر کام۔

مفتی صاحب کی مہمان نوازی

کانفرنس کے بعد کھانے پر مفتی صاحب نے خصوصی شفقت فرمائی اور جامعہ

پنجاب کے اساتذہ کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ اس دوران آپ بڑی زندہ دلی کے ساتھ حق میزبانی ادا کرتے رہے۔ نہ صرف آپ نے دسترخوان سے کوئی چیز کم نہیں ہونے دی بلکہ مہمانوں میں سے کسی کو کم خوراکی پر راضی بھی نہیں ہونے دیا۔

اس کانفرنس کے اختتام پر برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے خوش لباس، خوش گلو، خوش گفتار اور خوش اطوار مولانا بشیر احمد سیالوی علیہ الرحمہ (۱۹۴۳-۲۰۰۶ء)، شیخ المجودین قاری محمد یوسف سیالوی کے برادرِ اکبر، سے ملاقات ہوئی تو راقم نے آپ کے خانوادے سے اپنی عقیدت کے حوالے سے مصطفیٰ آباد لاہور میں اپنی رہائش گاہ پر قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: ''اگرچہ لاہور میں میرا قیام ایک ہفتے تک رہے گا لیکن میں استادِ گرامی مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے حکم کا پابند ہوں کہیں اور رہائش اختیار نہیں کرسکتا۔ رہائش مجھے ان کے دولت کدے پر ہی رکھنا ہوگی۔'' راقم نے کچھ حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا: مفتی صاحب اتنے کریم النفس ہیں کہ ۱۹۸۸ء سے جب بھی برطانیہ تشریف لاتے ہیں مستقل رہائش میرے غریب خانے پر ہی رکھتے ہیں۔ دوسرے شہروں میں تشریف لے جائیں تو مجھے ہمیشہ اپنی ہم رکابی سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح جب میں لاہور آؤں تو رہائش کے لئے مجھے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

مفتی صاحب بطورِ محقق

مفتی صاحب کی وفات کے بعد مولانا بشیر احمد سیالوی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مفتی صاحب کا ایک احسان علمائے اہل سنت کبھی نہیں بھلا سکتے کہ آپ نے کاوش پیہم کے بعد فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں کو حوالوں کی تخریج، فارسی و عربی عبارات کے اُردو تراجمے اور

تقدیم وتعارف کے ساتھ ۳۲ جلدوں میں شائع کیا۔ فرمایا کہ ''تاریخ نجد وحجاز'' بھی آپ کا عظیم کارنامہ ہے لیکن ''فتاوی رضویہ'' کی ترتیب، تخریج، تسہیل، اور تدوین نو کے ساتھ اشاعت تا قیامِ قیامت علماء کے لیے مصدر و مرجع بنی رہے گی۔

''مقالات مفتی اعظم'' اور ''النظامیہ'' کے ''مفتی اعظم نمبر (اگست ۲۰۱۸ء)'' میں بہت سے مقالہ نگاروں کے قلم سے متعدد مقامات پر فتاوی رضویہ کی جلدوں کی تعداد ۳۲ لکھی گئی ہے۔ کچھ مقامات پر چونکہ ۳۳ کا ذکر بھی ملتا ہے اس لیے راقم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ۳۳ جلدیں لکھنے والے مقالہ نگاروں کا مصدر ''اشاریہ فتاوی رضویہ'' مرتب قاری محمد رمضان ضیاء سیالوی ہے۔ اس ''اشاریہ'' کا پیش لفظ استاذ العلماء مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب نے لکھا۔ آپ نے فتاوی رضویہ کو بنیادی طور پر ۳۰ جلدوں پر مشتمل قرار دیا لیکن بعد ازاں جلدوں کی تعداد کے ۳۳ تک پہنچ جانے کا حال بھی بیان کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان کے زیر اہتمام فتاوی رضویہ شریف...... تیس جلدوں میں مکمل ہوا۔''(۱)

پیش لفظ کی اختتامی سطور میں استاذ سعیدی صاحب فتاوی رضویہ کی جلود کے ۳۰ سے ۳۳ بن جانے کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''......فتاوی رضویہ کی جلد اول مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن کی مولانا محمد احمد مصباحی صاحب زید مجدہ کے ترجمہ کے ساتھ نئی کتابت کروائی گئی، نیا ترجمہ قدرے تفصیلی ہے جس سے ضخامت بڑھ گئی۔ چنانچہ اس کو دو حصوں میں منقسم کرنا پڑا اور فتاوی رضویہ کی تیس جلدوں کی ''فہارس'' پر مشتمل بھی ایک الگ جلد شائع کی جا رہی ہے۔ اس طرح اب یہ ذخیرہ علمی مجموعی طور پر تینتیس جلدوں میں پیش کیا جا رہا

ہے۔(۲)

درج بالا سطور میں حافظ صاحب واضح طور پر ۳۳ جلدوں کی تفصیل بتا رہے ہیں لیکن اس میں یہ جملہ تھوڑا سا ابہام پیدا کرتا ہے۔

''فتاویٰ رضویہ کی تیس جلدوں کی ''فہارس'' پر مشتمل بھی ایک الگ جلد شائع کی جا رہی ہے۔''(۳)

یعنی اس جملے سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ ''فہارس'' کی جلد اُس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے بہت سے مقالہ نگاروں سے فتاویٰ رضویہ کو صرف ۳۲ جلدوں پر مشتمل قرار دیا۔

مفتی ہزاروی......ایک دکتور ساز استاد

جامعہ نظامیہ رضویہ میں امت مسلمہ کے نونہالوں کی تعلیم کے تین شعبے، حفظ، تجوید و قراءت، درس نظامی، ساٹھ برس سے زیادہ عرصے سے پورے عزم وجزم کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ جامعہ کے فیض یافتگان جہاں امامت، خطابت، فتاوی نویسی، تحریر، تحقیق، حفظ، تجوید وقراءت اور درس نظامی کی تدریس میں مشغول ہیں وہاں جدید تعلیم کی جامعات یعنی یونیورسٹیوں سے پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی ایک تعداد بھی موجود ہے۔ فضلائے جامعہ نظامیہ کا یہ بھی اعزاز ہے کہ دنیاوی تعلیم کی سب سے اعلیٰ ڈگری (Ph.D) حاصل کرنے کے بعد بھی نظامیہ کے اِن بیٹوں نے دینی تعلیم کی ترویج واشاعت سے منہ نہیں موڑا بلکہ اسلاف کی بوریا نشینی کے طریق کو ہی اپنی پہچان بنائے رکھا ہے۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن چند اساتذہ میں ہوتا ہے جن کے

براہِ راست اور بالواسطہ، ان کے پوتے شاگرد، ایسے تلامذہ کی خاصی تعداد ہے جنہوں نے وطن عزیز اور بیرون ملک یونیورسٹیوں سے پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔

ہم 19 دکاترۂ جامعہ نظامیہ کا مختصر تعارف الف بائی ترتیب سے پیش کریں گے۔

ڈاکٹر احمد رضا (پ 1986ء)

احمد رضا ۱۴ فروری ۱۹۸۶ء کو شیخ الاسلام، پنجابی اور اردو کے اولین شاعر حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ (۱۱۷۳-۱۲۶۶ء) سے فیض یافتہ سرزمین ضلع پاکپتن کے ایک قصبے چک شہبازیاں کے ایک متوسط گھرانے میں محمد اسلم جوئیہ کے گھر پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم گورنمنٹ پرائمری اسکول، سوہاوامل میں ماسٹر ظفر اقبال شاہ سے حاصل کی اور ناظرہ قرآن کی تعلیم قصبہ کی مسجد میں حافظ محمد اسماعیل سے پائی۔

احمد رضا نے اپنے نانا جان محمد شفیع اور صوفی بشیر احمد کے ذریعے اپریل ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہرالاسلام ہارون آباد، ضلع بہاولنگر میں قاری محمد صدیق فیضی کے پاس حفظِ قرآن کریم کا آغاز کیا اور قاری غلام رسول سے ۲۰۰۱ء میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی۔ پھر اپنے دوست محمد اجمل قادری (چک منڈی مدرسہ) کے ذریعے ۲۰۰۱ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں علم التجوید اور فن قراءت کے حصول کے لیے داخلہ لیا اور قاری ذوالفقار احمد برسالوی (پ ۱۹۶۳ء) کی زیرِ نگرانی تجوید و قراءت کا دو سالہ کورس کامیابی سے ۲۰۰۳ء میں مکمل کیا۔

تجوید و قراءت کے دو سالہ کورس میں ایک بھی چھٹی نا کر کے آپ نے اپنی بے پناہ سنجیدگی کا ثبوت فراہم کیا تو 2003ء کے سالانہ جلسۂ تقسیمِ اسناد میں اس کے اعتراف میں

52

تفسیر نعیمی کے انعام سے نوازا گیا، جو استاذ محترم مولانا قاری احمد رضا سیالوی (پ ۱۹۷۸ء) کے دستِ مبارک سے حاصل کیا۔

تجوید و قراءت سے فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہی درس نظامی کے اسباق کا آغاز کر دیا۔ مسلسل محنت سے درس نظامی کا نو (۹) سالہ کورس ۲۰۱۲ء میں مکمل کیا۔ شیخ الحدیث حافظ محمد عبد الستار سعیدی (پ ۱۹۴۹ء)، شیخ الحدیث حافظ خادم حسین رضوی (۱۹۶۶-۲۰۲۰ء)، شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء) اور دیگر سینئر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، شہادۃ العالمیہ کا مقالہ "ردّ قادیانیت میں علماءِ اہل سنت کا کردار" ڈاکٹر فضل حنان سعیدی کی زیرنگرانی مکمل کیا۔

ڈاکٹر فضل حنان سعیدی اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ انجم (پ ۱۹۷۷ء)، سابق مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ کی شفقتوں سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ درسِ نظامی کے دوران ہی میٹرک، ایف۔اے اور فاضل عربی کی اسناد لاہور بورڈ سے حاصل کیں۔

جامعہ سے فراغت کے بعد بی۔اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے اور ایم۔اے اردو کی ڈگری سرگودھا یونیورسٹی سے حاصل کی۔ درسِ نظامی کی بنیاد پر ۲۰۱۳ء میں لاہور لیڈز یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ۲۰۱۵ء میں ایم۔فل کی ڈگری کے حقدار ٹھہرے۔ اگلے پانچ برس ۲۰۱۵ء سے ۲۰۱۹ء تک لاہور کے مختلف کالجز میں (CTI) لیکچرار کے طور پر خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری (پ ۱۹۶۸ء) کے زیر سایہ ۲۰۱۶ء میں امپیریل یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا اور ۲۰۲۰ء میں ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان (پ ۱۹۸۰ء) کی زیرنگرانی "حرمتِ مصاہرت کے اُصولوں کا تجزیاتی مطالعہ اور عصر حاضر میں اطلاق" کے عنوان پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں بہت سے علماء

آپ کے ہم مکتب، استاد بھائی اور ہم سبق رہے۔ چند نمایاں نام یہ ہیں: محمد اشفاق خطیب اسلامک سنٹر روٹرڈم نیدر لینڈ، محمد ضیاء الدین سیالوی، محمد نوید ہزاروی، ملک محمد اشتیاق، اخلاق احمد جلالی اور وقار عباس سیالوی۔

ڈاکٹر احمد رضا آج کل واپڈا ٹاؤن ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور میں امام وخطیب کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر ارشد علی قادری (پ1979ء)

ارشد علی بن مسکین علی سرکاری دستاویز کے مطابق قادرآباد میں دو(۲) جنوری ۱۹۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم استاذ الحفاظ حافظ فتح محمد، قاری محمد اسلم صاحبان اور دیگر اساتذہ کرام سے حاصل کی جب کہ مڈل کلاس تک مقامی گورنمنٹ ہائی اسکول، قادرآباد میں پڑھا۔ اِسی دوران ساتویں کلاس میں اپنے وقت کے ولیِ کامل حضرت علامہ مولانا حافظ صوفی محمد صادق قدس سرہ العزیز سے ملاقات اور صحبت میسر آئی، جن سے ناظرہ قران پاک، علمِ تصوف، عقائد، سنیت کی پہچان اور بالخصوص مذاہبِ باطلہ کے عقائد واعمال سے واقفیت حاصل ہوئی۔

صوفی صاحب نے تصوف کی طرف راغب کیا اور فرمایا: دینی علوم کے بغیر تصوف کی منازل طے نہیں ہوسکتیں؛ اس لیے پہلے درسِ نظامی پڑھو۔ اس مشن کے تحت استاذِ گرامی علامہ حافظ صوفی محمد صادق نے مڈل کرنے کے بعد ۱۹۹۳ء میں جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں داخل کروا دیا۔ یہاں قیام کے دوران ۱۹۹۵ء میں میٹرک اور درجۂ اُولیٰ وثانیہ تک پڑھا۔ اتفاقاً ایک دن مسجد میں نمازِ عصر کے بعد آپ کی ملاقات جامعہ نظامیہ رضویہ کے ایک

طالب علم سے ہوئی۔ دورانِ گفتگو جامعہ نظامیہ کے طالبِ علم نے آپ سے پوچھا فلاں لفظ کون سا صیغہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ فعل ماضی کا، تو اس نے کہا: جناب! میں نے صیغہ پوچھا ہے بحث نہیں پوچھی، آپ تو مجھے بحث بتا رہے ہیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے طالبِ علم کی اس بات نے نو آموز ارشد علی پر گہرا اثر ڈالا اور علمِ صَرف کو مزید پڑھنے کی طرف راغب کیا۔ اس طرح آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ میں فارسی سے از سرِ نو درسِ نظامی کا آغاز کر دیا اور پھر دورۂ حدیث شریف تک اسی عظیم جامعہ سے ۲۰۰۳ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور سے ۲۰۰۷ء میں تخصص فی الفقہ (مفتی کورس) مکمل کیا۔

جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں میٹرک کیا، پھر جامعہ نظامیہ رضویہ میں دورانِ تعلیم ۱۹۹۷ء میں لاہور بورڈ سے ایف۔اے۔، ۲۰۰۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے، ۲۰۰۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اسلامیات، ۲۰۱۱ء میں فیصل آباد یونیورسٹی سے ایم۔فل علوم اسلامیہ اور ۲۰۲۰ء میں جی۔سی یونیورسٹی لاہور سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جی۔سی۔ یونی ورسٹی میں آپ کے تحقیقی مقالے کا عنوان ''استحسان سے استنباطِ احکام کے اُصول اور عصرِ حاضر میں اُن کا اِطلاق......**بدائع الصنائع** کا خصوصی مطالعہ'' تھا۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ جرائد میں آپ کے قلم سے دو مضامین طباعت کی روشنی دیکھ چکے ہیں۔

آپ نے صرف کے اسباق شیخ الحدیث امیر المجاہدین علامہ حافظ خادم حسین رضوی (۱۹۶۶۔۲۰۲۰ء) سے پڑھے اور یہ بھی شرف کی بات ہے کہ جامع ترمذی مفتیٔ اعظم پاکستان شیخ الحدیث مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) قدس سرہ العزیز سے پڑھی۔ مزید

جن اساتذہ کرام سے دینی علوم حاصل کیے اُن کے اسماءِ مبارکہ یہ ہیں: شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (۱۹۴۴۔۲۰۰۷ء)، شیخ الحدیث مفتی گل احمد خان عتیقی (پ ۱۹۴۹ء)، مناظر اسلام علامہ محمد عبدالتواب صدیقی (۱۹۴۸۔۲۰۲۰ء)، شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالعلیم سیالوی (پ ۱۹۳۸ء) شیخ الحدیث صاحبزادہ رضاء مصطفٰی نقشبندی (پ ۱۹۶۷ء)، مولانا محمد یونس رضوی (پ ۱۹۷۸ء)، مولانا سعید احمد تونسوی (پ ۱۹۷۵ء)، مولانا محمد صدیق صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق ہزاروی (پ ۱۹۴۷ء)، شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء)۔ دستار بندی کے بعد تقریباً پانچ سال تک درسِ نظامی کی تدریس کی اور ساتھ جامع مسجد محمدی راوی ٹاؤن لاری اڈا لاہور میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

قلبی پاکیزگی کے لیے سلسلۂ قادریہ کے عظیم رہنما مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی (پ ۱۹۵۰ء) دامت برکاتہم العالیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

سنتِ نکاح ۲۰۱۳ء میں ادا کی اور اب دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر اشفاق احمد جلالی (پ 1966ء)

تعلیمی سفر کا آغاز آپ نے ۱۹۸۳ء میں جامعہ غوثیہ عیدگاہ، کھاریاں سے حافظ محمد اصغر جلالی کے زیر سایہ حفظ قرآن کریم کی تکمیل سے کیا۔ آپ نے ۱۹۸۵ء میں گوجرانوالہ بورڈ سے میٹرک کرنے کے بعد لاہور بورڈ سے ایف۔اے۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کی تکمیل کی۔ موقوف علیہ کی کتب کا مطالعہ اور دورۂ حدیث جامعہ نظامیہ سے ۱۹۹۰۔۱۹۹۳ء کے دوران کیا۔

آپ نے ایم۔اے۔عربی زبان وادب کے لیے باقاعدہ جامعہ پنجاب کی قسم اللغة العربیہ میں داخلہ لیا۔ امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق رسالے "الزُّلالُ الأنقى مِنْ بَحْرِ سَبَقَةِ الأتقى" پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ۲۰۰۸ء میں آپ نے جامعہ پنجاب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی زیرِ نگرانی مقالہ لکھنے سے بہت پہلے ۱۹۹۶ء میں آپ حکومتِ پنجاب کے محکمہ تعلیم میں لیکچرار اسلامیات کی حیثیت سے شمولیت اختیار کر چکے تھے۔

آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج سرائے عالمگیر میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اشفاق خان قادری رضوی (پ 1973ء)

مولانا ڈاکٹر محمد اشفاق خان قادری ۱۹۷۳ء میں اٹک کے ایک گاؤں سگھری میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ملک زمیندار گھرانے سے ہے۔ میٹرک تک تعلیم باقاعدہ طور پر اپنے علاقے کے سرکاری اسکول میں حاصل کی اور فرسٹ ڈویژن کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول نارا، اٹک سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ امتحان کی تیاری کے دنوں میں علامہ اقبال اور دیگر اردو شعرا کا کلام پڑھنے کا موقع ملا اور دل کی دنیا بدل گئی۔ میٹرک کے بعد دینی تعلیم کے حصول کی ٹھان لی، جبکہ خاندان میں کوئی خاص مذہبی یا علمی پس منظر بھی نہ تھا اور والد گرامی...... جناب بہرام خان صاحب......انہیں کالج میں پڑھانے کے متمنی تھے۔

نوجوان اشفاق نے اپنے ذوق سے درسِ نظامی کی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں داخلہ لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سال اول میں

اپنی جماعت میں پہلے نمبر پر رہے، جبکہ دوسرے سال میں پورے مدرسے میں اول آئے۔ اس دوران ہرطرف سے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی شہرت کانوں میں پڑی تو ثالثہ کلاس میں داخلہ کے لیے لاہور چلے آئے۔ اِسی دوران **تیسیر أبو اب الصرف** کے مؤلف شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی (۱۹۶۶ء۔۲۰۲۰ء) کی علمِ صرف میں مہارت کا شہرہ سنا تو ان سے کسبِ فیض کے لیے صَرف کی کلاس میں بیٹھ گئے، حالانکہ صَرف پہلے سال کے طلبہ کو پڑھائی جارہی تھی، جبکہ اشفاق تیسرے سال کے طالب علم تھے۔ ڈاکٹر اشفاق علم الصرف کے ساتھ اپنی اس رغبت کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔ مولانا خادم صاحب علیہ الرحمہ کی ہی ترغیب اور تلقین پر وہ مولانا محمد رشید نقشبندی (۱۹۴۹ء۔۱۹۹۷ء) کی خدمت میں پہنچے جو کہ ان دنوں جامعہ نظامیہ کے اساتذہ میں شامل نہیں تھے۔ انہوں نے جب اس نوجوان طالبِ علم کا حصولِ علم کے لیے ذوق وشوق دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ مسجد میں ٹھہرا لیا۔ یوں وہ دن کو جامعہ نظامیہ میں پڑھتے اور شام کو مولانا سے کسبِ فیض کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خدمت پر مامور بھی رہتے۔

نوجوان اشفاق نے نمایاں رہنے کی اپنی روایت کو برقرار رکھا اور ثانویہ عامہ کے امتحان میں پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ مولانا محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ نے جب ان کی میٹرک کی سند ملاحظہ کی تو فرمایا کہ تم ایف۔اے بھی کرلو۔ چنانچہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ لاہور بورڈ سے 1993ء میں پرائیویٹ طور پر ایف۔اے کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ درسِ نظامی کے پانچویں سال تک تعلیم کا سلسلہ بہت کامیابی کے ساتھ جاری رہا، لیکن پانچویں سال والدین کے حکم سے آپ شادی کے بندھن میں بندھ گئے اور یوں اُن پر کئی دیگر ذمہ داریاں آن پڑیں اور کسبِ معاش کے سلسلے میں فکر مند رہنے لگے، جس کی وجہ

سے وہ کچھ عرصہ اپنی محبوب درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں باقاعدہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ البتہ مولانا محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ سے اپنے طور پر درسیات کے اسباق جاری رکھے اور امتحانات میں شریک ہوتے رہے۔ جامعہ نعیمیہ میں بھی ایک سامع طالب علم کی حیثیت سے کچھ عرصہ جاتے رہے اور اپنا تعلیمی سلسلہ مختلف علماء کرام کے پاس اِس انہماک سے جاری رکھا کہ شہادۃ العالمیہ کا امتحان امتیازی نمبروں سے ۱۹۹۹ء میں پاس کیا۔ شہادۃ العالمیہ کے درجے میں آپ کا موضوعِ تحقیق ''ولی کی تعریف اور مقام ومرتبہ قرآن وحدیث کی روشنی میں'' تھا۔ اِس سے پہلے آپ بی۔اے کا امتحان ۱۹۹۷ء میں پاس کر چکے تھے۔

اسی سال آپ پاکستان آرمی میں خطیب بھرتی ہوگئے، لیکن اس ملازمت سے وہ ابتداء سے ہی مطمئن نہ تھے بالآخر اس ملازمت سے ۲۰۱۷ء میں خود ہی ریٹائرمنٹ لے لی جبکہ ان کی تقریباً 12 سے 14 سال سروس باقی تھی۔ دورانِ ملازمت بھی تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ایم۔اے عربی، ایم۔اے اسلامیات، ایم۔فل عربی، بی۔ایڈ، ایم۔ایڈ اور ۲۰۱۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ایم۔فل کی ڈگری بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے **تخریج الشواهد و وضع الفهارس الفنيّة لتفسير روح المعانی** پر تحقیقی مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ پی ایچ ڈی کا سنگِ میل نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد سے عبور کیا۔ ڈاکٹریٹ کے لیے آپ نے ''تفسیر تبیان القرآن میں عائلی مباحث کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے موضوع پر مقالہ سپردِ قلم کیا۔

فوج سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ نیریاں شریف یونیورسٹی میں بھی پڑھایا لیکن اِس دوران کلامِ اقبال کے ساتھ پرانی وابستگی تحریکِ لبیک کے امیر کی طرف لے آئی۔ یہ تعلق آج بھی قائم ہے اور اب بھی اپنے استادِ گرامی کے جاری کردہ مجلّہ "العاقب"

کے مدیرِاعلیٰ ہیں۔آپ کا بیان ہے کہ تحریکِ لبیک میں کام کے لیے انہیں غیبی اشارہ ہوا تھا اور یہ ذمہ داری حضور قبلہ امیر المجاہدین نے خود لگائی تھی۔وہ کسی اور ادارے میں کام کرنے کے بجائے تحریک لبیک کے پلیٹ فارم پر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ محمد افضل قادری (پ 1966ء)

ڈاکٹر محمد افضل قادری یکم جنوری ۱۹۶۶ء کو کامونکی ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد گرامی کا نام نیک محمد ہے جو کہ ایک نہایت متقی اور قرآن پاک سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔مسلک حق اہل سنت و جماعت کے علمائے کرام سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔

تین جماعتیں اسکول میں پڑھنے کے بعد محمد افضل بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے کچھ دیر مزدوری کرتے رہے، پھر قرآن کریم کے ساتھ محبت کے جذبہ کے تحت فیصلہ کیا کہ دن میں مزدوری کیا کریں گے اور رات کو قبلہ حافظ محمد نواز صاحب کے زیرِ سایہ قرآن پاک حفظ کریں گے۔دو تین ماہ بعد والدین سے اجازت لے کر مدرسہ اسلامیہ مسجد حیدری کامونکی میں حفظ کی کلاس میں باضابطہ داخلہ لے لیا۔استادِ گرامی حافظ ناصر علی نقشبندی کی شفقت اور ذاتی ذوق وشوق اور محنت کی بدولت ایک سال تین ماہ میں مکمل قرآن پاک حفظ کرلیا۔

کامونکی شہر کی مایہ ناز شخصیت الحاج لطیف احمد چشتی علیہ الرحمہ نے نوخیز حافظ محمد افضل کو تاکید فرمائی کہ حالات کیسے بھی ہوں درس نظامی میں داخلہ ضرور لینا ہے۔چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور حافظ افضل نے مدرسہ اسلامیہ کامونکی میں درس نظامی کے اسباق پڑھنا شروع کر دیئے، جہاں علامہ حافظ محمد اشرف جلالی جیسے تجربہ کار محنتی استاد بھی تشریف فرما تھے۔کامونکی میں چار سالہ قیام کے دوران ۱۹۸۴ء میں میٹرک، ۱۹۸۶ء میں انٹر اور ۱۹۸۷ء میں فاضل عربی کے امتحانات اچھے نمبروں سے پاس کیے۔

اس کے بعد حافظ افضل مدرسہ فاروقیہ رضویہ گوجرانوالہ چلے گئے اور حضرت علامہ غلام فرید ہزاروی، علامہ محمد شریف ہزاروی علیہما الرحمہ اور شیخ الفقہ علامہ عبداللطیف جگنہ والے سے دو سال تک کسبِ فیض کرتے رہے۔اسی دوران ۱۹۸۸ء میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔تعلیمی میدان میں آپ کی فتوحات کا سلسلہ رکا نہیں اور ۱۹۹۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے عربی، دو سال بعد ایم۔اے اسلامیات اور بعد میں بی۔ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ایک منتہی طالب علم کے طور پر ۱۹۹۷/ ۱۹۹۸ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور سے علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (۱۹۴۴۔۲۰۰۷ء) کی صحبت میں رہ کر موقوف علیہ کے اسباق پڑھے اور اگلے سال دورہ حدیث شریف میں بطور خاص علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) سے ترمذی شریف بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ڈاکٹر افضل کا بیان ہے کہ مفتی ہزاروی صاحب کا پڑھانے کا انداز انتہائی منفرد تھا اور آپ ترمذی شریف کے حافظ تھے، جس بھی حدیث پر کسی طالبِ علم نے سوال کیا آپ نے اس پر بلیغ تقریر فرمائی۔

۲۰۰۱ء میں استاذ شرف صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک بلکہ مشفقانہ اصرار پر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پی ایچ ڈی کے ایک محقق کی حیثیت سے اپنا نام درج کرا دیا۔علامہ محمد بن عبدالرشید الکرمانی کے جمع کردہ فتاوی شریف کی قلمی کتاب ''جواہر الفتاوی'' پر تحقیق کر کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس دوران تین ماہ کے لیے بغداد شریف جامعہ مستنصریہ میں دورة اللغة العربية میں بھی حصہ لیا۔ڈاکٹر افضل صاحب کافی عرصہ سے مدرسہ اسلامیہ مسجد حیدری سے منسلک ہیں اور درس نظامی کے اسباق پڑھاتے ہیں۔

اس سے بڑی ستم ظریفی کیا ہوگی کہ اتنا بڑا عالم، فاضل، محقق، استاد اور خطیب بعد از

دوپہر محکمہ تعلیم میں گریڈ 16 میں ملازمت کرتا ہے۔حکومت اور ارباب حل وعقد کی طرف سے ناقدری کے باوجود ڈاکٹر افضل کے دل ودماغ سے دینی خدمت کا جذبہ محو نہیں ہوسکا اور آپ نوشہرہ ورکاں کی مرکزی جامع مسجد عید گاہ میں خطابت کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ نیز کامونکی کی مختلف مساجد اور دیگر محافل میں دروس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اکرم نظامی (پ 1974ء)

آپ کا تعلق سرگودھا سے ہے۔ اِدارہ معین الاسلام بیربل شریف سے قاری منیر احمد کے زیرِ سایہ حفظ قرآن کریم کی دولت ۱۹۸۷ء میں حاصل کی۔ قاری محمد یوسف صدیقی (پ ۱۹۳۰ء) کی زیرِ نگرانی جامعہ صدیقیہ سراج العلوم مستی گیٹ لاہور سے قراءاتِ عشرہ کا مطالعہ ۱۹۹۰ء میں مکمل کیا۔ درس نظامی کی تعلیم کے لئے ۱۹۹۱ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ کا رُخ کیا۔ آٹھ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۹۹۸ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ عامہ اور خاصہ سے شہادۃ العالمیہ تک آپ نے ہمیشہ اول پوزیشن حاصل کی۔ آخری سال میں آپ کے تحقیقی مقالے کا عنوان ''اسلام میں بیعت کا تصور'' تھا۔

اسی دوران ۱۹۹۰ء میں میٹرک، ۱۹۹۳ء میں انٹرمیڈیٹ پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے لاہور بورڈ کے تحت پاس کئے۔ بی۔اے۔کی ڈگری ۲۰۰۰ء اور ایم۔اے۔کی ڈگری ۲۰۰۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے حاصل کی۔ عربی زبان وادب میں ایم۔فل۔ آپ نے جامعہ پنجاب میں تیسری پوزیشن لے کر کیا۔ ڈاکٹر دوست محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیرنگرانی آپ نے ''**الشیخ غلام مرتضیٰ...... حیاته و مؤلفاته مع تحقیق مخطوطه کتاب المعراج**'' کے زیرعنوان تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا۔

ڈاکٹریٹ کی ڈگری آپ نے ۲۰۱۳ء میں پروفیسر ڈاکٹر سید قمر علی زیدی کی نگرانی میں ''**الشیخ المرتضیٰ فی شرح مصباح الدجی**'' کے زیرِ عنوان مقالہ قلم بند کر کے حاصل کی۔

تین برس فیضان مدینہ کاہنہ اور سات برس بیربل شریف میں تجوید وقراءت اور درس نظامی کے طلباء کو زیور علم سے آراستہ کر چکے ہیں۔ علم التجوید اور فن قراءت پر ''معین التجوید'' آپ کے قلم سے ۱۹۹۴ء میں سامنے آچکی۔ آپ کے تحقیقی مضامین مختلف علمی جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کی مرکزی جامع مسجد میں خطابت کی ذمہ داریاں پچھلے کئی سال سے نبھا رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اکرم وِرک (پ 1968ء)

آپ یکم نومبر ۱۹۶۸ء کو تحصیل نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانولہ کے قصبے کوٹلی والا میں جٹ برادری کے ایک زمیندار گھرانے میں حاجی محمد یار ورک کے گھر پیدا ہوئے۔ جولائی ۱۹۸۴ء میں میٹرک کے امتحانات کے فوراً بعد نوجوان محمد اکرم ورک نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں درسِ نظامی کے اسباق کا آغاز کر دیا۔ پانچ برس تک مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء)، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری (۱۹۴۴۔۲۰۰۷ء)، مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی (پ ۱۹۴۹ء) اور مولانا محمد صدیق ہزاروی (پ ۱۹۴۷ء) سے کسبِ فیض کے بعد ۱۹۸۹ء میں اکرم ورک کی طبیعت کی بے چینی اور نئی زمینوں کو فتح کرنے کی لگن اُنھیں جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف لے گئی۔ منتہی کتب حضرت ضیاء الامت (۱۹۱۸۔۱۹۹۸ء) کے زیرسایہ پڑھ کر دورۂ حدیث کے لیے اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ واپس لوٹ آئے۔

دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۲ء میں آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔

اے۔ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ پنجاب یونی ورسٹی سے ۱۹۹۴ء میں بی۔ اے۔ اور ۱۹۹۶ء میں ایم۔ اے۔ اسلامیات کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ''صحابۂ کرام کا اُسلوبِ دعوت'' کے زیرِعنوان مقالہ لکھ کر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی سے ۲۰۰۱ء میں ایم۔فل علوم اسلامیہ کی ڈگری اپنے نام کی۔ پنجاب یونی ورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے ''صحاح ستہ کی احادیث پر منکرینِ حدیث اور مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حق دار قرار پائے۔

ڈاکٹر محمد اکرم ورک اپنے جن اساتذہ کو قابلِ فخر گردانتے ہیں اُن میں ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی مدظلہٗ کے نام نمایاں ہیں۔

وطن عزیز اور ہمسایہ ملک بھارت کے بہت سے علمی مجلّات میں آپ کے بہت سے مقالات زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ آپ کے ایم۔ فل۔ اور ڈاکٹریٹ مقالات بھی کتابی صورت میں سامنے آ چکے ہیں۔ محکمۂ تعلیم، حکومتِ پنجاب کے مختلف کالجز میں خدمات انجام دینے کے علاوہ ڈاکٹر ورک گوجرانوالہ اور فیصل آباد کی یونی ورسٹیوں کے طلبا کو بھی فیض یاب کر چکے ہیں۔

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کے دیگر تلامذہ کی طرح سادگی اور منبر و محراب کے تعلق کو ڈاکٹر ورک نے بھی کبھی پس پُشت نہیں ڈالا۔ ابتدائی سالوں میں آپ کو ''نحو میر'' اور منطق کے تمام رسائل مفتی ہزاروی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، بلکہ دورۂ حدیث میں بخاری شریف اور جامع ترمذی کا سبق بھی مفتی صاحب سے پڑھا۔ ڈاکٹر ورک بتاتے ہیں کہ مفتی

ہزاروی اکابر سے چلی روایت کے سچے امین تھے۔ سامنے علوم قرآنیہ، احکام حدیث، منطق یا صرف و نحو کے طلبا بیٹھے ہوتے مفتی صاحب دورانِ تدریس فقہِ حنفی کی ضرورت و اہمیت کو ضرور نمایاں کرتے۔ آپ کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ تمام مسالکِ فقہیہ کا نقطۂ نظر بیان فرما کر اختلافات کی نوعیت واضح کرتے اور آخر میں فقہ حنفی کی برتری ثابت کرتے۔

ڈاکٹر ورک نے بتایا کہ میں نے مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں اپنے سات سالہ قیام کے دوران کبھی مفتی صاحب کو ایک دقیقہ بھی دیر سے آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کمرۂ جماعت میں وقت سے پہلے موجود ہونا آپ کا خاص وصف تھا۔ بعض اوقات مختلف منصبی، مسلکی یا ملی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے آپ کو اسلام آباد اور دوسرے شہروں کا سفر کرنا پڑتا۔ ہم طالبِ علم خیال کرتے کہ مفتی صاحب اگلی صبح تک واپس نہیں پہنچ پائیں گے۔ ہم اسباق کے مطالعہ میں تساہل سے کام لیتے۔ فجر کی نماز کے اختتام پر کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب کے اہل ایمان پر سلامتی بھیجتے ہوئے مفتی صاحب کی زیارت ہو جاتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم ناشتا کر کے اطمینان سے اٹھتے کہ قبلہ تو لاہور سے باہر تشریف لے گئے تھے، اس لیے کلاس تو نہیں ہوگی لیکن جب احتیاطاً کسی ساتھی کو دیکھنے کے لئے بھیجتے تو اطلاع ملتی کہ شیخ الجامعہ اپنی مسند پر تشریف فرما ہیں۔ مفتی صاحب کی طبیعت جلالی تھی۔ یوں محسوس ہوتا کہ جیسے مسلکی غیرت سے آپ کا چہرہ تمتماتا رہتا۔ آپ کبھی اِس بات کو گوارا نہ فرماتے کہ کوئی طالب علم مطالعے کے بغیر اسباق پڑھنے کے لئے چلا آئے۔ مفتی صاحب نے اپنے طلبا کی تطہیر ذات کے لئے تین مولا بخش رکھے ہوئے تھے: ''چھوٹا، موٹا اور طویل مولا بخش''۔ جب کوئی طالب علم مطالعے کے بغیر کلاس میں حاضر ہوتا تو فرماتے کہ یہ جامعہ کے سر پرستوں

کی محبت سے دی ہوئی رقوم کے ساتھ بے وفائی ہے کہ آپ خالی الذہن کمرۂ تدریس میں آجائیں۔ ڈاکٹر ورک کے بقول مفتی عبدالقیوم ہزاروی کی شخصیت کو ایک فقرے میں بیان کرنا ہو تو میں کہوں گا کہ وہ ''مسلکی تصلب کا شاندار نمونہ تھے''۔

ہم سبقوں کا ذکر کرتے ہوئے ورک صاحب نے بتایا کہ صاحب زادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی اور جامعہ نعیمیہ لاہور کے اُستاد مولانا محبوب احمد چشتی میرے ہم سبق، ڈاکٹر فضل حنان سعیدی ایک سینئر اور مہربان ساتھی اور مولانا محمد ظہیر بٹ ایک جونیئر اور شریف النفس ساتھی تھے۔

ڈاکٹر مفتی حق النبی سکندری الازہری (پ 1981ء)

آپ مفتیٔ اعظم سندھ، شمس العلماء، مفتی عبدالرحیم سکندری (۱۹۴۴ء۔ ۲۰۱۸ء) علیہ الرحمہ کے تیسرے فرزند ہیں۔

۲۰۱۸ء میں والد گرامی کی وفات کے بعد تمام بھائیوں، والد گرامی کے شاگردوں اور احباب نے متفقہ طور پر آپ کو اپنے والد کا جانشین منتخب کیا اور ۱۴ رجب ۱۴۳۹ھ بروز اتوار کو جامع مسجد غوثیہ، شاہ پور چاکر میں دستار بندی کے ذریعے آپ کی جانشینی کا اعلان کیا گیا۔ آپ نے ابتدائی ناظرہ قرآن کریم اور ابتدائی فارسی کی تعلیم مدرسہ صبغۃ الھدیٰ شاہ پور چاکر میں اپنے والد گرامی مفتی عبدالرحیم سکندری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ حاصل کی۔ کراچی کے دارالعلوم نعیمیہ (فیڈرل بی ایریا) سے حفظ قرآن کریم کے امین بنے۔ فارسی کی مزید کچھ کتب جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ میں رہ کر پڑھیں۔

درس نظامی کا باقاعدہ آغاز آپ نے ۲۰۰۱ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے کیا۔ اس عظیم مادرِ علمی میں آپ کا قیام ۲۰۰۷ء تک رہا۔ دورۂ حدیث اپنے والد گرامی کے زیرِ سایہ

مکمل کر کے مارچ ۲۰۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے عالمِ اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعۃ الازہر، قاہرہ، مصر تشریف لے گئے۔ الازہر الشریف سے آپ نے ایم۔اے، ایم۔فل اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ دکتوراہ میں آپ نے شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''**فتح المنّان فی اِثباتِ مذھبِ النعمان**'' پر تحقیق کی۔

ڈاکٹر حق النبی کے والد گرامی مفتی عبدالرحیم سکندری علیہ الرحمہ کے حالاتِ زندگی ''مختصر تذکرہ حیات'' میں اُن علماء کی فہرست میں جن سے مفتی سکندری کو خاص محبت تھی، ایک نمایاں نام علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔(۴) مفتیٔ اعظم سندھ نے جامعہ نظامیہ اور شیخ الجامعہ پر اپنے اعتماد اور محبت کا اِظہار یوں کیا کہ اپنے لختِ جگر کی تعلیم و تربیت کے لیے اِس درس گاہ کا انتخاب کیا۔

ڈاکٹر حق النبی نے درجِ ذیل کتب کی تہذیب و تحقیق کی سعادت پائی:

۱۔ **ذكر اجازات الحديث فى القديم و الحديث** (اجازات علم حديث و أسانيد علوم شرعية)

۲۔ **ترتيب مسند الامام الاعظم ابى حنيفه برواية الحصكفى** (الحديث)

۳۔ **رسائل المتقى الهندى** (تصوف)

۴۔ **حديقة الصفا فى اسماء المصطفىٰ** (سيرة النبى ﷺ)

۵۔ **السيف الجلى على سابّ النبى** (فقه)

۶۔ **حسن الفهم و التعقل فى جمع الكسب و التوكل** (فقه و تصوف)

۷۔ **الطراز المذهب فى ترجيح الصحيح من المذهب** (رسم الافتاء)

۸۔ **بذل القوة في حوادث سني النبوة** (سيرة النبي صلى الله عليه وسلم)

یہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے فرزند ڈاکٹر حق النبی سکندری کے ایم۔فل کا تحقیقی مقالہ ہے۔

۹۔ **ست رسائل في الفقه الحنفي**

۱۰۔ **كفاية القاري بشرح ثلاثياتِ البخاري**

یہ بخاری شریف کی ثلاثیات کی عربی شرح ہے جو تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ **منهلُ الهداة شرح مُعدِل الصلاة**

یہ ترکی سے تعلق رکھنے والے ایک حنفی عالمِ دین محمد بن بیر علی البرکلی کے رسالے **مُعدِل الصلاة** کی عربی شرح ہے، جس کے مؤلف مشہور حنفی محدث ابوالحسن سندی مدنی ہیں۔

درجِ ذیل کتب ڈاکٹر سکندری کی تالیفات ہیں:

۱۲۔ **اتحاف السرى بترجمة العلامة المفتي عبدالرحيم السكندري**

۱۳۔ **اتحاف الاحباب بفوائد الكُنى و الألقاب**

یہ کنیت اور القاب کے احکام پر مشتمل اردو زبان میں اولین فنی، علمی کتاب ہے۔

۱۴۔ **حديقة العلماء**

علم و علماء کے فضائل و مناقب پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر سکندری کی مادری زبان سندھی میں ہے۔اس کے پانچ ابواب ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کے اس بیٹے اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے اس معنوی پوتے (ڈاکٹر فضل حنان کے شاگرد) کی چھ عربی تالیفات و تصنیفات زیرِ تحقیق اور ایک اُردو زبان میں لکھی تصنیف زیرِ طبع ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری (پ1969ء)

ناظرہ قرآن کریم کا آغاز جامعہ تجوید القرآن صدر بازار لاہور سے کیا۔قاری احمد خان باروی صاحب (پ۱۹۴۷ء) سے تین پارے حفظ کر کے جامعہ شمسیہ ضیاء القرآن، کھوکھا شریف، نزد دینہ ضلع جہلم میں داخلہ لے لیا۔جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے سابق طالب علم، شیخ المجودین مولانا قاری محمد یوسف سیالوی صاحب (پ۱۹۴۷ء) کے زیرِ سایہ ۱۹۷۹ء میں حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۱ء کے موسم گرما میں مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) کی شفقت کی بدولت قاری محمد اقبال سیالکوٹی (م۲۰۱۴ء) کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں منزل سُنا کر فیض یافتگانِ جامعہ نظامیہ میں شامل ہوئے۔

لاہور بورڈ سے میٹرک کا امتحان ۱۹۸۵ء میں پاس کر کے گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے انٹرمیڈیٹ، گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے۔، گورنمنٹ ایلمنٹری کالج کوٹ لکھپت سے سرٹیفکیٹ آف ٹیچنگ (C.T.) کرتے ہوئے ۱۹۹۵ء میں جامعہ پنجاب کے شعبۂ عربی سے ایم۔اے عربی زبان و ادب کی ڈگری حاصل کی۔ قسم اللغة العربية جامعہ پنجاب میں فاضلینِ جامعہ نظامیہ اور تلامذۂ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی......ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی اور ڈاکٹر فضل حنان سعیدی...... سے ملاقات ہوئی۔ڈاکٹر اشفاق جلالی ایک سال سینئر اور ڈاکٹر فضل حنان ہم جماعت تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر مظہر معین کی زیرِ نگرانی ”**العلامه محمد نبي بخش الحلوائي...... حياته و خدماته**“ کے زیرِ عنوان تحقیقی مقالہ لکھ کر تحقیق کے میدان میں قدم رکھا۔مذکورہ مقالے کی تحقیق و تدوین کے دوران مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور جامعہ نظامیہ کی لائبریری سے کسبِ فیض کیا۔ایک ملاقات میں مفتی

صاحب نے ''تفسیر نبوی'' کا نہ صرف ایک مختصر اور جامع تعارف کرایا بلکہ جامعہ نظامیہ کی لائبریری کے دروازے بھی تحقیق کے اِس رسیا کے لئے کھول دیئے۔ مفتی ہزاروی صاحب نے ''تفسیر نبوی'' کو اپنے زمانے کی ایک اہم ضرورت قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: اس زمانے میں محمد بن بارک اللہ لکھوی کی پنجابی زبان میں لکھی تفسیر محمدی کا پنجابی زبان میں جواب دینا صحیح العقیدہ علماء پر فرض تھا جو حلوائی صاحب نے ادا کیا اور اس پنجابی تفسیر کا اردو ترجمہ بھی ایک اہم علمی خدمت ہوگی۔ یہ بات مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ ''تفسیر نبوی پنجابی، منظوم'' کی پندرہ (۱۵) جلدیں راقم کی تحقیق کے مطابق صرف دو جگہ اپنی قدیم اور اصلی حالت میں موجود ہیں: ایک پنجاب پبلک لائبریری لاہور کا ''بیت القرآن'' اور دوسری جگہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور کی لائبریری ہے۔ یہ مفتی ہزاروی صاحب کا ذوقِ کتب بینی اور شوق کتب اندوزی تھا کہ کم یاب اور نایاب کتب کا ایک ذخیرہ بھی ان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ڈاکٹر خورشید نے ۲۰۰۸ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ڈین شعبہ ہائے السنۃ الشرقیہ والغربیۃ، علوم شرقیہ وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور کی زیرِ نگرانی "A Critical Study of Pickthall's Contribution to Islam" کے زیرِ عنوان مقالہ لکھ کر ایم۔ فل علوم اسلامیہ کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے سال ۲۰۰۰ء میں شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور لیکچرار شمولیت اختیار کی۔ اسی سال گورنمنٹ کالج کو خیر باد کہہ کر ''کریسنٹ ماڈل ہائر سیکنڈری اسکول شادمان لاہور'' کے سینئر سیکشن میں بطور اُستاد چلے گئے۔ دس برس بعد ۲۰۱۰ء میں جی۔ سی یونیورسٹی لاہور میں آپ کو انگریزی زبان میں علوم اسلامیہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا تو

بطور لیکچرار آپ جی سی یونیورسٹی چلے آئے۔ تحقیق کا سفر جاری رکھتے ہوئے ۲۰۱۶ء میں آپ نے پیر محمد کرم شاہ الازہری کے فیض یافتہ پروفیسر ڈاکٹر محمد سلطان شاہ کی زیرِ نگرانی منہاج یونیورسٹی لاہور سے "A Critical Study of Abdullah Yusuf Ali's Translation and Commentary of the Holy Qur'an and Its Effects on Posterity" کے زیرِ عنوان مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل (2019ء) آپ جی سی یونیورسٹی لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ جی۔ سی۔ یو۔ کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے مجلّہ النظامیہ، اس کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فضل حنان کی ادارت اور شخصیت جامعہ نظامیہ رضویہ سے رابطے کے مؤثر ذرائع کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

''مجلّہ النظامیہ'' سے علمی تعلق

ایک قاری کی حیثیت سے ''ماہ نامہ النظامیہ'' سے تعلق اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہے لیکن علمی تعلق ۲۰۱۰ء سے شروع ہوا:

۱۔ جب اپریل ۲۰۱۰ء کے ''النظامیہ'' میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے حدیقۂ علم کے ایک قدیم خوشہ چین استاذ العلماء علامہ محمد بشیر احمد سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴۳۔۲۰۰۶ء) کے حوالے سے ڈاکٹر خورشید کا ایک مضمون ''علم وعمل کا تابندہ ستارہ'' (۵) کے زیرِ عنوان شائع ہوا۔

۲۔ شہیدِ پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴۸۔۲۰۰۹ء) کو دن دہاڑے خاک وخون میں تڑپا دیا گیا تو ''درویش صفت انسان'' (۶) کے زیرِ عنوان آپ

کے حوالے سے ایک مضمون ''ماہ نامہ النظامیہ'' کے صفحات کی زینت بنا۔

۳۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے معنوی فرزند علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (۱۹۴۴ء۔۲۰۰۷ء) کے قلم سے قرآن کریم کے ایک علمی و ادبی اُردو ترجمے کی تجرباتی اشاعت سامنے آئی تو ''**أنوار القرآن في ترجمة مفاهيم القرآن** کا تقابلی جائزہ اور نمایاں خصوصیات'' (۷) کے زیرِ عنوان ایک تحقیقی مقالہ ''مجلّہ النظامیہ'' کے صفحات پر سامنے آیا۔ مضمون طویل ہونے کے سبب اس کے پہلے نصف کو اِشاعت کا حصہ بنایا گیا لیکن کسی اشاعتی یا انتظامی مشکل کی وجہ سے مقالے کی دوسری قسط ''مجلّہ النظامیہ'' میں نہ چھپ سکی۔

۴۔ ''برصغیر میں برطانوی راج کی مخالفت میں صوفیائے سیال شریف کا کردار'' ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب کے ایک انگریزی مضمون "The Mystics of Sial Sharif as Opponents of the British Rule in India" کا اُردو ترجمہ ہے۔ طویل مضمون کو ''النظامیہ'' کے صفحات پر سات اقساط (۸) میں شائع کیا گیا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کا فیض یافتہ خورشید دو علمی مجلوں کی مجلس مشاورت کا رکن ہے۔

۱۔ سہ ماہی کتابی سلسلہ ''قندیل سلیمان'' نظامیہ دارالاشاعت خانقاہ معلّٰی حضرت مولانا محمد علی مکھڈی۔ مکھڈ شریف (اٹک)

۲۔ مجلّہ ''تفہیم الاسلام'' دینہ، تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن پاکستان، جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ، ضلع جہلم

یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتگان میں سے ڈاکٹر حافظ خورشید اپنے سینئر ڈاکٹر محمد اکرم ورک کے بعد دوسرے وہ نظامی ہیں جنہوں

62

نے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس اعتبار سے بھی آپ مفتی ہزاروی صاحب کے واحد فیض یافتہ ہیں جنہوں نے ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کے مقالات انگریزی زبان میں لکھے۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ جرائد میں ڈاکٹر خورشید کے قلم اور تحقیق سے 16 مضامین طبع ہو کر اہل نظر کے سامنے آچکے ہیں۔ ان تحقیقی مضامین میں سے سات (۷) انگریزی زبان میں جبکہ نو (۹) اردو میں لکھے گئے ہیں۔ انگریزی مقالات کے عناوین درج ذیل ہیں:

1. June 2012	Pickthall's Journey Towards the Qur'an, Al-Qalam, Vol.17, Issue 1, Abstracted and Indexed by Index Islamicus, ISSN 2071-8683, Department of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore. (HEC Approved, Category-Y), pp.1-17
2. Oct-Dec, 2016	Pickthall's Islamic Writings before Declaration of Islam, Abhath, vol.1, Issue 4, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore, Pakistan, Co-Author, Dr. Muhammad Kaleem Ullah Khan, pp.1-16

3.Apraril-June, 2018	Report of 1st International Conference on Peace & Harmony, 2017, Abhath, vol.3, Issue 10, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore, Pakistan, Co-Author, Raja Muhammad Adnan Ashraf, pp.1-48
4.Jan-March, 2020	**QISSAT AL-GHARANIQ IN GLIMPSES OF HISTORY**, Quarterly Noor-e-Marfat,vol. 11, Issue 47, NoorulHuda Trust, Islamabad, Co-Author, *Muhammad Iqbal*,pp. 1-21
5. Jan-June, 2020	Baba Farid's Hymns in Granth Sahib with Qur'anic Backdrop: A Review, Al-Milal: Journal of Religion and Thought (AMJRT),vol.2, Issue 1, Pakistan Society of Religions, Islamabad, Pakistan, pp. 81-97
6. July-Sep, 2020	SATANIC VERSES' NARRATIVE: SOME ELUCIDATIONS, Abhath, vol. 5, Issue 19, Pakistan, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore, Pakistan, Co-Author, *Muhammad Iqbal*, pp.1-22

7. July-Dec, 2020	***Shahab Ahmad's Hostile-Intellectual Approach towards Hadith Sciences, Journal of Islamic & Religious Studies,*** Co-Author: ***Muhammad Iqbal Awan, JIRS, Vol. 5, Issue. 2, July - Dec 2020, PP: 1-14***

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ جرائد میں ڈاکٹر خورشید کے قلم سے نو(۹) مقالات اردو میں حوالۂ قرطاس کئے گئے ہیں۔اردو مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

1. Oct-Dec, 2017	جارج سیل کے ترجمہ قرآن کا تنقیدی جائزہ،ابحاث، ج2،ش8، شعبہ علوم اسلامیہ، گیریژن یونیورسٹی، لاہور، پاکستان،شریک مؤلف، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ص ص22-47
2.Dec. 2018	محمد اسد کے "دا میسیج آف دا قرآن" کا تجزیاتی مطالعہ، افکار، ج2،ش2، انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز اینڈ ڈیولپمینٹ ،کراچی، پاکستان،شریک مؤلف، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ،ص ص1-14
3.Jan -March, 2019	تفسیر نجوم الفرقان اور تدبر قرآن کی اختلافی مباحث کا تقابلی جائزہ، نور معرفت، ج10،ش43،نور الہدی مرکز تحقیقات، اسلام آباد، پاکستان، شریک مؤلف: حافظ عبد الغفار،ص ص 54-76
4.April-June 2019	سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" کے دو مضامین: تسامحات کا تحقیقی جائزہ، ابحاث، ج4،ش14 ،شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، پاکستان، ص ص1-12

قرآن کریم کے اولین لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی تراجم، نور معرفت، ج10، ش44، نور الہدی مرکز تحقیقات، اسلام آباد، پاکستان، شریک مؤلف: ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ص ص13-40	5.April-June, 2019
حافظ غلام سرور کا انگریزی ترجمۂ قرآن، التفسیر، ج13، ش33، مجلس التفسیر، کراچی، پاکستان، شریک مؤلف، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ص ص9-29	6.Jan-June, 2019
تفسیر نجوم الفرقان کے فقہی طرزِ استدلال کا تجزیاتی مطالعہ، التفسیر، ج13، ش34، مجلس التفسیر، کراچی، پاکستان، شریک مؤلف، حافظ عبدالغفار، ص ص43-62	7.July-Dec, 2019
"مستشرقین اور انگریزی تراجمِ قرآن" از پروفیسر عبدالرحیم قدوائی: چند ملاحظات، ابحاث، ج5، ش17، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور، پاکستان، ص ص1-19	8.Jan-March, 2020
ایڈورڈ ہینری پامر کے انگریزی ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ، التفسیر، 14، ش36، مجلس التفسیر، کراچی، پاکستان، شریک مولف، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ص ص11-40	9.July-Dec, 2020

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ جرائد کے علاوہ وطنِ عزیز کے بہت سے دینی مجلّات جیسے کہ......مجلّہ ضیائے اسلام، دینہ، جہلم، ماہنامہ نور العرفان، لاہور، ماہنامہ عرفات، لاہور، ماہنامہ نوائے انوارِ مدینہ، لاہور، ماہنامہ کاروانِ قمر، کراچی، ماہنامہ تعمیرِ افکار، قرآن کریم نمبر، زوارا کیڈمی پبلی کیشنز، ناظم آباد، کراچی، ماہنامہ روح بلند، لاہور، ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی، سہ ماہی السدید، معظم آباد شریف، سرگودھا، ماہنامہ ضیاءِ حرم، اسلام آباد، سہ ماہی قندیلِ سلیمان، نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف، ضلع اٹک، ماہنامہ شمس الاسلام، مجلس مرکزیہ حزب الانصار، بھیرہ، سرگودھا، مجلّہ تفہیم الاسلام دینہ، ماہنامہ بشار، کراچی اور سہ ماہی المنتہیٰ، لاہور......میں ڈاکٹر حافظ خورشید

64

کے مضامین شاملِ اشاعت ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کو ملک بھر سے بی ایس (آنرز)، ایم۔اے اور ایم۔فل اسکالرز کے مقالات کی جانچ اور شفوی امتحان (VIVA-VOCE EXAMINATION) کے لیے بلایا جاتا ہے۔اب تک آپ بی۔ایس (آنرز)، ایم۔اے اور ایم۔فل اسکالرز کے بیس (۲۰) سے زیادہ مقالات کی جانچ اور بالمشافہ امتحان کر کے نوجوان محققین کو مفید مشوروں سے نواز چکے ہیں۔جی۔سی یونیورسٹی لاہور میں آپ کی زیرِ نگرانی بی۔ایس اور ایم۔اے کے دو درجن سے زیادہ جبکہ ایم۔فل کے تین اسکالرز تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈگریاں لے چکے ہیں۔ ڈاکٹر خورشید قادری کی نگرانی میں ایک پی۔ایچ۔ڈی اسکالر کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی عطا کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر سید محمد رئیس شامی (پ1990ء)

ڈاکٹر سید محمد رئیس شامی ابن سید محمد بدر الحسن (۱۹۴۶۔۲۰۰۴ء) ابن سید عبد الحکیم نے ایک سید گھرانے میں ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو کراچی میں آنکھ کھولی۔آپ کے والدِ محترم کا تعلق ہندوستان کے صوبہ اُتر پَر دِیش (UP) سے تھا جبکہ والدہ ماجدہ کا تعلق ہندوستان کے ضلع مظفر پور کے ایک مؤقر صوفی و خانقاہی خاندان سے ہے۔ڈاکٹر رئیس شاہ کے نانا جان سید جبارُ الحسن شاہ قادری تیغی (۱۹۲۳۔۱۹۹۷ء) علیہ الرحمہ کا مزار پُر انوار محمد شاہ قبرستان نارتھ کراچی میں مرجع خلائق ہے۔آپ کے ننھیال والے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خانقاہی نظام کی پیروی کر رہے ہیں اور لوگوں کو جامِ عرفان سے سیراب کر رہے ہیں۔

آپ نے ۱۶ جنوری ۲۰۰۱ء کو مدرسۃ المدینہ بہار مدینہ سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔تکمیل حفظِ قرآن کے بعد آپ نے مدرسہ وقار العلوم میں درسِ نظامی کا آغاز کیا اور

دوسال تک وہاں زیرِ تعلیم رہے۔آپ کی قوتِ حافظہ،شوق اورلگن کو دیکھ کر۲۰۰۴ء میں ادراہ
تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے صدر سید وجاہت رسول قادری (۱۹۳۹۔۲۰۲۰ء) نے
جانشینِ مفتیٔ اعظم پاکستان صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی (پ۱۹۷۱ء) اورشیخ الحدیث
مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی (پ۱۹۴۹ء) کے نام خط لکھ کر جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخلہ
کی سفارش کی۔یوں سید رئیس شیخوپورہ چلے آئے اور۲۰۱۳ء میں درسِ نظامی کی تکمیل ہوئی۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد کراچی واپسی پر کچھ عرصہ دارالعلوم نعیمیہ میں تخصص فی
الفقہ میں مصروف رہے۔بعدازاں مزید علمی تشنگی نے آپ کو بیروت کی طرف عازمِ سفر کردیا،
یوں آپ لبنان کے دارالحکومت بیروت چلے گئے اور پانچ سال وہاں قیام کیا۔اس دوران
آپ نے علماءِ عرب سے اکتسابِ فیض کیا اور جامعہ عالمیہ (Global University)
کے شعبہ ”العقیدۃ و الفلسفۃ“ سے اُصولِ دین میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔آپ کی
تحقیق کا مدار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ عبارات تھیں،جن کو قاضی کمال الدین
بیاضی نے اپنی کتاب **الاصول المنیفۃ** میں جمع کیا اور پھر خود ہی اس کی شرح کی جس کا
نام **اشارات المرام من عبارات الامام ابی حنیفۃ النعمان** رکھا۔آپ کے مقالے
کے مشرف جامعۃ الازہر کے عظیم شیخ ڈاکٹر احمد حسن سید غنیم حفظہ اللہ،جبکہ نائب مشرف ڈاکٹر
عبدالرحمٰن عماش تھے جن کا شمار بیروت کے کبار علماءِ کرام میں ہوتا ہے۔

آپ نے عرب وعجم کے کثیر علماء کرام سے علم دین حاصل کیا ہے جن میں سے چند
کے نام یہ ہیں: شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی (پ۱۹۴۹ء)، شیخ الحدیث
علامہ محمد عبدالتواب صدیقی اچھروی (۱۹۴۸۔۲۰۲۰ء)، شیخ الحدیث علامہ حافظ خادم حسین
رضوی (۱۹۶۶۔۲۰۲۰ء)، ڈاکٹر شیخ عبدالرحمٰن عماش، ڈاکٹر شیخ کمال یوسف الحوت، شیخ عیسیٰ

قبلان، ڈاکٹر شیخ وسیم کعکاتی، شیخ شہاب الدین ابوعمر واحمد شامی۔

درس وتدریس کا آغاز۲۰۱۴ء میں جامعہ وقار العلوم اورنگی ٹاؤن کراچی سے اپنے
استادِ محترم علامہ حافظ خادم حسین رضوی کے حکم پر کیا اور بطور ناظم تعلیم اس جامعہ میں فرائض
انجام دیئے۔بعد میں تدریس کے لئے افریقہ کے مشہور جزیرہ "موریشس" تشریف لے
گئے جہاں "دارالعلوم علیمیہ "میں بحیثیت نائب مُدیر کچھ عرصہ اپنی خدمات پیش کیں۔حال
میں آپ نورِحمزہ اسلامک کالج کے "شعبۂ عربی لغت وادب" میں بحیثیت مُدیر کے فرائض
انجام دے رہے ہیں۔ساتھ ہی جامعہ کراچی کے شعبہ شماریات (Statistics) میں
بحیثیت وزیٹنگ اسسٹنٹ پروفیسر کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ مذہباً حنفی،عقیدۃً ماتریدی اورمشرباً قادری ہیں۔آپ کو نبیرۂ اعلیٰ حضرت
حضرت علامہ توصیف رضا خان قادری رضوی برکاتی صاحب کی طرف سے اور درگاہِ صدر
الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی (۱۸۸۳۔۱۹۴۸ء) سے اجازت وخلافت دی گئی، نیز
بعض مشائخ کی طرف سے سلسلۂ رفاعیہ میں خلافت عطا کی گئی اور کثیر علمائے عرب وعجم سے
علومِ عقلیہ ونقلیہ کی اسناد واجازات سے بھی نوازے گئے۔

آپ ایک عالمہ فاضلہ سیدہ سے ۲۰۱۹ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے، نکاح
شیخ الحدیث مولانا حافظ خادم حُسین رضوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔

حصولِ علم اور تبلیغ دین کے لئے آپ نے کئی ممالک کا سفر کیا،جن میں شام، امارات،
افریقہ کے جزیرہ موریشس اور ترکی، نیز لبنان کے اسفار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

آپ کی تحقیقی وتصنیفی خدمات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ اشارات المرام من عبارات الامام (تحقیق)

☆ هداية الجنان فی تنزيه الله عن الجسمية والجهة و المكان

☆ عقيدة المسلمين

☆ نيل السعادتين فی شرح مقتضی الشهادتين (الامام النابلسی رحمة الله عليه)

☆ اهل السنة هم الاشاعرة و الماتريدية

☆ الفرض العينی

☆ الثقافة الإسلامية من الجزء الأول الی الجزء الخامس)

ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری (1957۔2017ء)

بابا بلھے شاہ علیہ الرحمہ کے شہر قصور کے نواحی گاؤں "ہری ہر" میں صوم وصلاۃ کے پابند اور اولیاء اللہ سے محبت کرنے والے ایک کسان محمد اسماعیل (م۱۹۶۰ء) کو اللہ رب العزت نے ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو ایک بیٹے سے نوازا۔ نو مولود کی چمکتی آنکھیں اور روشن پیشانی ہر دیکھنے والے کو متاثر کرتی۔ نام رکھنے کا مرحلہ آیا تو نہ صرف بہت سے نام زیرِ غور آئے بلکہ ننھیال اور ددھیال والوں نے اپنی اپنی پسند کے مطابق نام رکھ بھی دیئے۔ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے نام کی صورت گری کچھ یوں ہوئی: محمد ضیاء المصطفیٰ الیاس محمد اکبر۔ بعد ازاں کراچی میں قیام کے دوران پہلے مرحلے میں یہ ''محمد ضیاء المصطفیٰ عرف محمد اکبر'' اور دوسرے مرحلے میں ''محمد ضیاء المصطفیٰ المعروف محمد اکبر'' ہوا۔ کچھ اسناد پر آپ کا نام محمد ضیاء المصطفیٰ قصوری بھی نظر آتا ہے، لیکن اختصار اور جامعیت کا یہ سفر ڈاکٹریٹ کے مرحلے میں مکمل ہوا جہاں آپ کا نام ''محمد ضیاء المصطفیٰ''، اپنی شان دکھا رہا ہے۔

قصوری صاحب کی تعلیمی اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان وادب کے ساتھ آپ کے عشق کا پہلا اظہار ۱۹۷۵ء میں ہوا جب آپ نے انٹرمیڈیٹ وسیکنڈری ایجوکیشن

66

بورڈ سرگودھا سے ادیب عربی کے امتحان میں درجہ اول کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ لاہور بورڈ سے ۱۹۷۷ء میں ایف۔اے کے امتحان میں عربی اختیاری کا پرچہ 200 میں سے 164 نمبر لے کر پاس کیا۔

قصوری صاحب کے تعلیمی سلسلے میں تدریج کے ساتھ تسلسل بھی نظر آتا ہے۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور کے تحت، گورنمنٹ ہائی اسکول گنڈا سنگھ والا سے ۱۹۷۲ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے بعد آپ کے ماموں مولانا محمد منشا تابش قصوری (پ۱۹۴۴ء) اپنے یتیم بھانجے کو دارالعلوم جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف لے گئے۔ حضور ضیاء الامت (۱۹۱۸۔۱۹۹۸ء) نے بتایا کہ اس سال داخلے کی تاریخ گزر چکی، آپ اگلے سال تشریف لائیے۔ جب معلوم ہوا کہ نو وارد یتیم ہے اور اس کے والد سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے بارہ برس پہلے داغِ مفارقت دے چکے تو ترس کھانے کے انداز میں نہیں، بلکہ قدر افزائی کے انداز میں فرمایا: میری خواہش تھی کہ بابا بلھے شاہ (۱۶۸۰۔۱۷۵۷ء)، حضرت غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری (۱۷۸۷۔۱۸۵۴ء) اور مولانا غلام دستگیر قصوری (م۱۸۹۷ء) کی سرزمین کا کوئی تحفہ ہمارے پاس ہو۔ ہم آپ کو اِن اللہ والوں کی نشانی سمجھ کر داخلہ دے دیتے ہیں۔ مولانا منشا تابش، پیر کرم شاہ صاحب کی اِس غریب پروری پر سراپا شکر بن گئے۔ عید الفطر آئی تو ناظم ادارہ نے اعلان کروادیا کہ جو طلبہ کسی بھی وجہ سے گھر نہ جانا چاہیں، اُن کے لیے کپڑوں کے نئے جوڑے، عیدی اور عمدہ پکوان کا انتظام میری طرف سے ہوگا۔ بعد ازاں ڈاکٹر قصوری ہر سال ملنے والے نئے کپڑوں، لذیذ کھانوں اور عیدی کے طور پر حاصل ہونے والے کڑکڑاتے نوٹوں کا اکثر یاد کیا کرتے۔

بھیرہ شریف میں قیام کے دوران ۱۹۷۵ء میں آپ نے سرگودھا بورڈ سے ادیب

عربی کی سند حاصل کی۔پیر صاحب کی انقلابی سوچ کے مطابق درسیات کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی منازل بھی طے ہوتی رہیں۔ایف۔اے کی سند آپ نے لاہور بورڈ سے ۱۹۷۷ء میں پائی۔دوسال بعد ۱۹۷۹ء میں ضیاء المصطفیٰ نے سرگودھا بورڈ سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔کراچی منتقل ہونے کے بعد ۱۹۸۱ء میں آپ نے سندھ بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن سے ٹیلیکس آپریٹر کا کورس کامیابی سے مکمل کیا۔زبان دانی کے ساتھ اپنے عشق کا ایک اور ثبوت ڈاکٹر قصوری نے یوں دیا کہ ۱۹۸۴ء میں پاکستان امیریکن کلچرل سینٹر سے انگریزی بول چال کے کورس میں کامیابی حاصل کی۔یہ مستقبل کے محقق کے لیے سوال ہے کہ ڈاکٹر قصوری درسیات کی تکمیل تو ۱۹۸۰ء میں کر چکے تھے تو پھر آپ کی **شھادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ** کی سند پر ۱۹۸۶ء کیوں لکھا ہے؟ کراچی یونیورسٹی کی طرف سے بی۔اے کی ڈگری آپ کو ۱۹۸۷ء میں دی گئی۔ایم۔اے عربی کا امتحان آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۹۱ء میں دیا۔جامعہ صدام بغداد میں شوال سے ذوالحج ۱۴۳۲ھ تک تین ماہ کے قیام میں سیکھنے اور سکھانے کے دونوں مراحل شامل تھے۔پروفیسر ڈاکٹر محمد قمر علی کی زیرِ نگرانی "**جوامع الکلم فی المواعظ والحکم، للامام المحدث الشیخ علی بن حسام الدین المتقی الھندی، دراسۃ تحلیلیۃ نقدیۃ مع تحقیق المخطوط**" پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری قسم اللغۃ العربیۃ وآدابھا، جامعۃ بنجاب سے شھادۃ الدکتوراۃ سے سرفراز ہوئے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ سے کسبِ فیض:

ڈاکٹر محمد ضیاء المصطفیٰ قصوری (۱۹۵۷۔۲۰۱۷ء) جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں تعلیم کے دوران جب والدہ محترمہ کی زیارت کے لیے گھر تشریف لاتے تو اپنے ماموں

مولانا محمد منشا تابش قصوری کے ہمراہ کچھ دنوں یا ہفتوں کے لیے جامعہ نظامیہ میں ضرور قیام کرتے۔اس طرح مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) علیہ الرحمہ اور دیگر اساتذہ سے کسبِ فیض کا سلسلہ جاری رہتا۔اپنے استاد، محسن اور مربی علامہ محمد یوسف فاروقی کے اصرار اور مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی اجازت سے جب ۱۹۸۱ء میں آپ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے ایک مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، کراچی تشریف لے گئے تو وطن پاک کے پہلے دارالحکومت میں جن اہل علم نے آپ سے کسبِ فیض کیا اُن میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر محمد اویس معصومی (پ ۱۹۷۱ء) کا ہے۔کراچی سے واپسی پر ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۶ء تک آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں جم کر تدریس کی، اس طویل عرصہ میں سینکڑوں علمائے کرام نے آپ سے جدید عربی بول چال سیکھی۔

ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری، مشاہدات کے آئینے میں:

قارئین کو بتانا چاہتا ہوں کہ عجز وانکسار قصوری صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو تھا۔اِس طرح کا رویہ......تکلف نہیں بلکہ......ان کا معمول تھا۔گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ریٹائر ہونے سے پہلے آپ صرف شام کی کلاسز کے لیے اور ریٹائرمنٹ کے بعد صبح شام جی۔سی۔یونیورسٹی تشریف لانے لگے۔استادِ گرامی پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب کے کمرے سے نکل کر آپ اکثر میرے کمرے پروفیسر روم 32 میں ہی تشریف لاتے۔ایک مرتبہ راقم کمرے سے باہر جانے کے لیے کرسی سے اُٹھا تو قصوری صاحب نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔احتجاجاً ناراضی کا اظہار کیا تو فرمایا: آپ حافظِ قرآن ہیں آپ کے لیے دروازہ کھول کر میری نیکیوں میں اضافہ ہوگا، کیا آپ مجھے اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انسانی رویوں کے حوالے سے ڈاکٹر قصوری ایک لاجواب شخصیت تھے۔

آپ کا چائے نوش کرنے کا انداز بھی نویکلا ہی معلوم ہوا۔ چائے کے کپ کو آپ پوری مٹھی میں پکڑ لیتے۔ موسم سرما میں تو ہم بھی ان کی اس ادا کی پیروی کر لیتے لیکن موسمِ گرما میں اِس ادا کو برقرار رکھنا اُن کا ہی حصہ تھا۔

انارکلی بازار میں پاکستان بائبل سوسائٹی کے سامنے والی نسبتاً تنگ گلی میں تیسری منزل پر آپ کا دفتر بھی انوکھا ہی تھا۔ تین منزل تک مسلسل اور قدیم طرز کی تنگ اور بڑے قدم والی سیڑھیاں ......نیم تاریک ماحول......سہارے کے لیے ایک جانب بندھی ہوئی رسی......اور اُوپر پہنچ کر قصوری صاحب کا مسکراتا چہرہ۔ آپ مہمان نوازی اور عجز وانکسار کی انتہا کر دیتے۔ خود چائے بنانا......مہمانوں کی خاطر وہ ہمالائی سیڑھیاں اُتر کر چائے کے لوازمات لے کر آنا...... ہر نعمت تمام مہمانوں کو بار بار پیش کرنا......واپسی پر تحفہ عنایت کرنا......اپنی بے آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ہمالائی سیڑھیاں اتر کر مشایعت کے لیے انارکلی بازار تک آنا۔ سوچتا ہوں اب:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　　افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

کینیڈا کے ممتاز نومسلم ڈاکٹر جوہن اینڈریو مورو......اسلامی نام ڈاکٹر عبدالعلیم اسلام......نے رسول کریم ﷺ کے نجران کے نصاریٰ کے ساتھ ہونے والے چھ معاہدات:

Six Covenants of the Prophet Muhammad with the Christians of His Time: The Primary Documents

کا اُردو ترجمہ کرانے کے لیے راقم سے درخواست کی۔ ''محمد رسول اللہ ﷺ کے معاصر نصاریٰ سے شش معاہدات: بنیادی دستاویزات''، کے زیرعنوان ترجمہ مکمل ہو چکا تو ڈاکٹر سلطان شاہ نے قصوری صاحب سے اس اُردو ترجمے کا عربی متن سے تقابل کرنے کے لیے

کہا۔ تین دن تک پروفیسر روم 32 میں یہ عمل جاری رہا۔ بنیادی مترجم ہونے کی حیثیت سے راقم بھی اس عمل کا حصہ رہا۔ اس دوران ڈاکٹر قصوری کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ نہ صرف آپ انگریزی، عربی اور اُردو بلکہ کمپیوٹر سے بھی اعلیٰ درجے کی واقفیت رکھتے ہیں۔ بعدازاں ڈاکٹر سلطان شاہ نے ہم دونوں کے کام پر ماہرانہ نظرِ ثانی کر کے اُسے ڈاکٹر مورو کو بھیج دیا۔ قصوری صاحب کی وفات کے بعد یہ چھ معاہدات اپریل ۲۰۱۷ء میں دنیا کی 13 بڑی زبانوں میں چھپ کر سامنے آئے۔ ان تین بڑی جلدوں......جو 1721 صفحات پر مشتمل ہیں......میں ڈاکٹر قصوری کی خوشبو ابھی بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قصوری، حیاتِ مستعار کا آخری دن:

یہ ۲۲ مارچ ۲۰۱۷ء کا خوش گوار دن تھا۔ جی۔ سی۔ یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ علومِ اسلامیہ میں کچھ غیر معمولی گہما گہمی تھی۔ الحاق شدہ اداروں میں سے ایک...... گبریل کالج منڈی بہاؤ الدین...... کے ایم۔فل کے دس سے زیادہ اسکالرز شفوی امتحان کے لیے جمع تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے چند دکاترہ کے ساتھ ممتحن کے طور پر ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری بھی موجود تھے۔ پیہم مصروفیات سے کچھ لمحات نکال کر راقم نمازِ ظہر کے لیے اپنے کمرے میں پہنچا تو قصوری صاحب مصلیٰ بچھا چکے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا: کیا آپ نماز کے لیے آئے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں۔ بس یہ سننا تھا کہ آپ مصلے سے پیچھے ہٹ گئے۔ فرمایا کہ آپ نماز ادا کریں۔ درخواست کی کہ آپ پڑھ لیں میں بعد میں پڑھ لوں گا۔ فرمانے لگے: آپ نے واءِ واز کی کمپیئرنگ کرنی ہے، اس لیے آپ کا وقت زیادہ قیمتی ہے۔ بتایا کہ واءِ واز میں وقفہ ہے اس لیے میں انتظار کر سکتا ہوں۔ فرمانے لگے آپ علم وعمل میں مجھ سے بڑے ہیں

اس لیے انتظار مجھے کرنا چاہیے، آپ کو نہیں۔ عرض کیا: یہ غیر حقیقی دلیل ہے، اس لیے آپ نماز شروع کریں۔ گویا ہوئے کہ آپ میرے بیٹے (محمد احمد مصطفیٰ) کے استاد ہیں، اس لیے آپ کا احترام مجھ پر لازم ہے۔ میری لاکھ عرض معروض کے باوجود اُن کا مشفقانہ اصرار جاری رہا۔ آخرِ کار اُن کا حکم مانتے ہی بنی۔ عصر کے وقت تک ہم شفوی امتحانات سے فارغ ہو چکے تھے۔ نماز کے بعد سب پروفیسرز جی۔سی۔یو کی بغل میں واقع ہوٹل ون میں کھانے کے لیے جمع ہوئے۔ کھانے کے دوران قصوری صاحب بھی خوش گفتاریوں میں پوری طرح شریک رہے۔ مغرب کی باجماعت نماز ہوٹل میں ہی ادا کی گئی۔ اپنا بیگ اٹھانے کے لیے پروفیسر روم 32 تشریف لائے۔ اگلے دن 23 مارچ کی چھٹی کے حوالے سے خوش گوار دعائیں دے کر ڈاکٹر سلطان شاہ کی گاڑی میں اپنی پاکیزہ مسکراہٹ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر عشاء کی نماز کے فوراً بعد یہ ناقابل یقین اطلاع ملی کہ مغرب کی نماز تک خوش گوار باتیں کرنے والے اور اپنی پاکیزہ مسکراہٹ سے آنکھوں کو سکون بخشنے والے ہر دل عزیز ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالمِ عقبیٰ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ایک اعتراف:

اس مضمون میں مذکور باقی دکاترہ نے معلومات کی فراہمی کے لیے بذاتِ خود شفقت فرمائی۔ ڈاکٹر قصوری آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح شفقت وتعاون کے لیے میرے آس پاس رہی۔ آپ کے بیٹے محمد احمد مصطفیٰ نے اسناد اور ڈگریوں کے حوالے سے مجھے باوسائل بنایا۔ آپ کے دو، روحانی بیٹوں...... ڈاکٹر محمد اویس معصومی اور جی۔سی۔یو سے ایم فل علومِ اسلامیہ کی ڈگری لینے والے حافظ مبشر سعید نے قصوری صاحب

کے حوالے سے مطبوعہ مواد کی فراہمی کے لیے میری فکر مندی کو نہ صرف اپنے سر لیا بلکہ نبھا کر بھی دکھا دیا۔ مادرِ علمی جامعہ نظامیہ کے اس بیٹے، نوجوان اسکالر حافظ مبشر سعید نے "جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے اساتذہ کی تصنیفی خدمات کا خصوصی مطالعہ" کے زیرِ عنوان ڈاکٹر محمد عابد ندیم کی رہنمائی میں تحقیق کا آغاز کیا تو ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کے مقالہ "استاذ الاساتذہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، ایک بے مثال منتظم، کہنہ مشق استاذ اور عدیم النظیر محقق" میں مذکور دکاترہ جامعہ نظامیہ کا ذکر پڑھ کر اُن کی توجہ ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری کی طرف مبذول کرائی گئی۔ تحقیقی ضرورت اس نوجوان کو ماہنامہ بشار کراچی تک لے گئی جس میں ڈاکٹر قصوری کے شاگرد رشید ڈاکٹر محمد اویس معصومی نے "امیدوں کے چراغ" کے مرکزی عنوان کے تحت "استاذ قصوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ......شخصیت، خدمت، فکر وفن اور تلامذہ" میں اپنے استاد گرامی کے ساتھ صرف محبت نہیں بلکہ عقیدت سے گذر کر عشق کا اظہار کیا ہے۔ اس مضمون کے سبب نہ صرف لاہور میں ڈاکٹر معصومی کے قارئین کے حلقے میں اضافہ ہوا بلکہ نظامیوں کے دلوں میں اپنے لیے تاج محل جتنی جگہ پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ عبد الغفار (پ 1969ء)

حافظ عبد الغفار ولد حاجی بشیر احمد سندھ ضلع سانگھڑ کی تحصیل شہداد پور اور ٹنڈو آدم کے درمیان بڑی نہر کے ساتھ ایک گم نام گاؤں میں ۵ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ شہداد پور میں ہی ایک پرائمری اسکول سے تعلیم کا آغاز کیا یہاں پر ابتدائی دو جماعتیں پڑھیں، پھر والدین کی ترغیب سے حفظِ قرآن کے لئے مدرسہ دار العلوم حسینیہ میں داخلہ لیا اور محترم قاری جمیل صاحب کے زیرِ سایہ آٹھ سپارے حفظ کئے۔ یہاں سے والد صاحب شہداد پور میں ہی

سانگھڑ بس سٹینڈ پر قائم دار العلوم قادریہ میں لے گئے، جہاں والد گرامی کے دوست علامہ مفتی عبدالرزاق سکندری کے زیرِ سایہ حفظِ قرآن کریم کی تکمیل ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ بعد ازاں اسی مدرسہ سے فارسی کی ابتدائی کتب کلید مصادر، پند نامہ، کریما، نام حق، گلستان اور بوستان پڑھیں۔ استاد گرامی کی مادری زبان سندھی تھی، وہ سندھی زبان میں فارسی کا ترجمہ بڑے دل نشین انداز میں بتاتے، اُن کی آواز میں سوز تھا، فارسی کے اشعار اور ترجمہ ترنم سے کراتے اور تلامذہ کو فارسی اشعار زبانی یاد کرنے کی تاکید کرتے۔

اس دوران والدِ گرامی کی توجہ اور دلچسپی کے باعث صرف ونحو کے ساتھ اسکول کی پڑھائی جاری رکھنے کے لیے شہداد پور کے گورنمنٹ ہائی اسکول کی جماعت ششم میں داخلہ لے لیا۔ اسکول کے اساتذہ میں سے سر شفیع اور سائیں خمیسو نے کافی حوصلہ افزائی کی۔ حافظِ قرآن ہونے کی وجہ سے سبھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جماعت ششم کے سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی تو سائیں خمیسو نے مشورہ دیا کہ اسکول میں آپ کا وقت ضائع ہوگا، بہتر یہ ہے کہ نہم دہم کی تیاری کر کے پرائیویٹ امتحان دے دیں۔ چنانچہ ساتویں جماعت کے دوران ہی اسکول چھوڑ دیا۔ دار العلوم قادریہ میں درسیات کے ساتھ اسکول کی کتب نجی مطالعے میں رہیں۔ ان دنوں ایک دوست نے مشورہ دیا کہ آپ مولوی عربی کے پیپر دے دیں، کامیاب ہو گئے تو فقط انگریزی کے دو پیپر پاس کرنے سے ہی میٹرک ہو جائے گا۔ آپ نے مولوی عربی کے پیپر دیئے اور پاس ہو گئے۔ اب صرف جماعت نہم و دہم کی انگلش کے پیپروں کی ہی تیاری کرنا تھی۔ انگلش کے لئے بنیادی طور پر بابا جی عثمان نے تیاری کرائی، جن کی انگلش بہت اچھی تھی۔ اُنھوں نے ابتدائی گرائمر اور ٹینسز کے قواعد بہت اچھی طرح رٹوا دیئے کہ پھر کبھی بھولے نہیں۔ بعد ازاں آپ نے یہ بارہ TENSIS

سینکڑوں طلباء کو پڑھائے، بلکہ اسی طرح زبانی یاد بھی کرا دیئے جس طرح بابا عثمان نے یاد کرائے تھے۔ میٹرک کا سنگ میل ۱۹۸۷ء میں عبور کر لیا تو انہی دنوں بلال مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی۔

۱۹۸۲ء میں جب ابھی قرآن کریم کے بیس پارے مکمل ہوئے تھے، رمضان المبارک کی آمد پر گھر کے قریب بلال مسجد کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ باہر سے حافظ لانے کے بجائے گھر کے حافظ سے ہی مصلیٰ سنا جائے، اس طرح نوخیز حافظ عبدالغفار نے ۲۰ پاروں کا پہلا مصلیٰ سنایا۔ ۱۹۸۳ء میں جب حفظ قرآن مکمل ہوا تو دوسرے سال پھر اسی مسجد میں مصلیٰ سنایا۔ یہ سلسلہ سال چالیس سے جاری ہے۔ ڈاکٹر صاحب دعا گو رہتے ہیں کہ اللہ پاک تا دمِ آخر اس عزت کو ان کا نصیب بنائے رکھے، آمین ثم آمین۔

مزید دینی تعلیم کے لئے شہداد پور، سندھ کا یہ طالب علم ۱۹۸۸ء میں منہاج القرآن لاہور چلا آیا۔ یہاں تیسرے سال تک مفتی محمد خان قادری (۱۹۴۹ـ۲۰۲۰ء)، مولانا نواز ظفر، علامہ ظہور الٰہی، قاری عبدالغفور، مولانا اشرف جلالی صاحبان جیسے بزرگ اساتذہ سے مختلف اسباق پڑھے۔ اس دوران سینئر کلاسز کے کچھ ساتھی بھی اسباق پڑھاتے رہے، مثلاً مولانا رمضان قادری، مولانا سہیل، مولانا صادق قریشی اور مولانا ارشد نقشبندی۔

مفتی محمد خان قادری علیہ الرحمہ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے ۱۹۹۰ء میں جب منہاج القرآن کو چھوڑا تو حافظ عبدالغفار نے چند ساتھیوں کے ساتھ شادمان میں مفتی صاحب کے پاس آ کر ڈیرے لگا لئے اور اپنے بندوبست پر کرائے کی ایک عمارت میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اسی دوران معلوم ہوا کہ ماضی میں احناف کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ فتحیہ اچھرہ میں علامہ عبدالرشید خلیق عربی ادب کے بہت ماہر ہیں تو یہ چاروں وہاں جا پہنچے اور حماسہ، متنبّی، الکامل

للمبر داور علم البیان کی کتب پڑھیں۔ نیز شاد مان کے ایک ادارہ سے منطق پڑھی۔ سیکنڈ ایئر کی تیاری کے لئے سمن آباد ایک اکیڈمی سے انگلش پڑھی۔۱۹۹۲/۱۹۹۳ء میں مال روڈ پر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران سے رات کو کلاس میں جدید فارسی پڑھی۔ ان تمام مقامات پر حصول علم کے لئے جانے والے چار ساتھیوں کا ہی گروہ تھا، یعنی اکرم صاحب، قاری عبد الحمید، ذوالفقار صاحب اور حافظ عبدالغفار۔

مفتی محمد خان قادری علیہ الرحمہ نے شاد مان میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو یہاں پر پہلی کلاس اور ابتدائی طلباء وہی چار کا ٹولہ ہی تھا، پھر چند ایام میں اور طلباء بھی آنا شروع ہوگئے۔ مفتی خان صاحب کی سفارش سے (۱۹۹۳ء) میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ مل گیا، لہٰذا ارواحِ اربعہ نے جامعہ نظامیہ جانا شروع کر دیا۔ دن کا پہلا حصہ دورۂ حدیث پڑھتے ہوئے گذرتا۔ یہاں پر صحیح بخاری علامہ اشرف قادری (۱۹۴۴۔۲۰۰۷ء) سے، صحیح مسلم علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) سے اور موطا امام مالک علامہ مفتی محمد عبداللطیف سے اور صحاح ستہ کی دیگر کتب بھی ان ہی بزرگوں سے پڑھیں۔ اسی دوران دورۂ قرات بھی کیا۔۱۹۹۴ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ سے دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کی۔

جن دنوں......چاروں دوست......دورۂ حدیث کر رہے تھے اسی دوران حافظ عبدالغفار نے نیو ایراء کالج سے بی۔اے کی تیاری اور اچھرہ میں نور میموریل ہومیو پیتھک کالج میں ہومیو پیتھک طریقہ علاج کی کلاسز بھی جاری رکھیں۔۱۹۹۶ء میں بی۔اے مکمل ہوگیا اور ۱۹۹۸ء میں ہومیو پیتھک کا کورس بھی مکمل کر کے ڈگری حاصل کر لی۔ جامعہ نظامیہ سے فارغ ہوئے تو ہومیو پیتھک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک سینئر ڈاکٹر کے پاس اسسٹنٹ

کے طور پر مشق کے لئے گلشن راوی میں ایک کلینک پر جانا شروع کر دیا۔ قریباً ایک سال تک سیکھنے کے اس عمل کے بعد ۱۹۹۷ء میں الحافظ ہومیو کلینک کے نام سے پریکٹس شروع کر دی۔

سانگھڑ کے اس نوجوان نے سیکھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ رہائش سمن آباد میں ......دن کا پہلا حصہ آئیڈیل کالج میں تدریس......ایک بجے فارغ ہو کر سعدی پارک آکوپنکچر کلینک میں کلاسز پڑھنا......شام چار بجے ہومیو پیتھک کلینک پر دکھی انسانیت کی خدمت کرنا......اپنی مدد آپ کے تحت ایم اے اسلامیات کی تیاری کرنا......سب یہ یک وقت چلتا رہا۔ رب تعالیٰ کی رحمت بھی فراواں رہی۔ ۱۹۹۹ء میں پارٹ ون کلیئر کیا اور ۲۰۰۰ء میں سنتِ نکاح ادا ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔ لیکن اس سارے دورانیے میں تراویح، مسجد، منبر اور محراب کے ساتھ تعلق بھی قائم رکھا جو آج بھی برقرار ہے، الحمدللہ۔ سن ۲۰۰۰ء میں ایس۔او۔ایس۔ ہرمن مائینر ہائی اسکول فیروز پور روڈ پر تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

شہداد پور سے نکل کر جامعہ نظامیہ سے دستارِ فضیلت حاصل کرنے والا یہ سالک راہِ علم کبھی نچلا نہیں بیٹھا۔ خانگی ذمہ داریوں سے کچھ وقت بچا کر ۲۰۰۹ء میں ایم۔فل علومِ اسلامیہ کے لیے منہاج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ارواحِ اربعہ میں سے......زندگی کے جھمیلوں کے باعث......صرف قاری عبدالحمید نے ساتھ دیا۔ یہاں پر ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد، ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری (پ۱۹۶۸ء)، ڈاکٹر ارشد نقشبندی (پ۱۹۶۷ء) اور ڈاکٹر اصغر جاوید الازہری سے اکتساب فیض کیا۔ ڈاکٹر عبدالغفار بیان کرتے ہیں:

منہاج یونی ورسٹی میں دیگر ساتھیوں کے ساتھ برادر ذی وقار محترم حافظ خورشید احمد قادری (پ۱۹۶۹ء) اور شریف کمالوی کے علاوہ بھی کچھ اچھے لوگوں کا ساتھ رہا۔ کلاس

ورک مکمل ہوا تو خاکہ تحقیق (SYNOPSIS) بنانے کے لیے کہا گیا۔ تحقیق میرے لیے نیا موضوع تھا، لیکن میری غیبی مدد اس طرح ہوئی کہ محترم حافظ خورشید احمد جو کہ اب ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری ہیں اور میرے پی۔ایچ۔ڈی کے نگران مقالہ بھی رہے، ان سے اس وقت دوستی ہوگئی اور گھر میں آنا جانا بھی ہوگیا۔ موضوع کا انتخاب کرنے اور خطہ بنانے میں جناب نے میری مشکل آسان کردی اور خوب محنت سے خطہ تیار کروادیا جو ''تفسیر تبیان القرآن اور تیسیر القرآن کی جدید فقہی مباحث'' پر مبنی تھا۔ میرے نگران مقالہ محترم ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری قرار پائے اور مقررہ وقت پر ہم نے مقالہ تحریر کرکے جمع کروادیا۔ جی۔سی یونیورسٹی لاہور سے محترم پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ صاحب بیرونی ممتحن کے طور پر تشریف لائے، وائیوا (VIVA) کے دوران آپ نے تعریفی کلمات سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا ایم۔فل کا کام بہت شاندار ہے اس لیے آپ کے لیے مشورہ یہ ہے کہ پی۔ایچ۔ڈی لازمی کریں۔ ایم۔فل کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۲۰۱۳ء میں پی ایچ ڈی کی تیاری شروع کردی۔ ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کے ساتھ دوستانہ تعلق تھا، آپ جی سی یونیورسٹی میں ہی پڑھا رہے تھے، آپ کی وساطت سے جی سی میں ۲۰۱۵/۲۰۱۸ء کے سیشن میں داخلہ مل گیا اور محترم ڈاکٹر سلطان شاہ، ڈاکٹر نعیم انور نعمانی، ڈاکٹر عابد ندیم، ڈاکٹر فاروق حیدر اور ڈاکٹر امتیاز احمد کے زیر نگرانی کلاس ورک مکمل کیا۔ اس کلاس میں ہم جماعت ساتھیوں میں ارشد علی، بہشت بیگ، فاروق حامد شاہ، منظور الحسن شاہ اور شاہ نواز و مدثر شفیق شامل رہے (منظور الحسن شاہ اور شاہ نواز کے علاوہ سب ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کرچکے ہیں)۔ موضوع کے انتخاب ''نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن از عبد الرزاق بھترالوی کا تفسیری منہج اور معاصر تفاسیر سے تقابل'' اور خطہ بنانے کے وقت بھی ڈاکٹر خورشید احمد قادری نے بہت

زیادہ شفقت کی اور میرے نگران مقالہ بھی یہی قرار پائے۔ آپ کی نگرانی، شفقت اور توجہ کی بدولت تحقیقی مقالہ اپنے وقت پر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ استاد محترم کی کاوشوں سے ہائر ایجوکیشن سے منظور شدہ دو جرائد، التفسیر کراچی اور نور معرفت اسلام آباد سے مضامین بھی وقت پر شائع ہوگئے، جس کی وجہ سے مقالہ جمع کرانے اور وائیوا میں کوئی اڑچن نہ رہی۔ فائنل وائیوا کیس جنوری ۲۰۲۱ء کو ہوا جس میں جی سی یونیورسٹی، شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ کے علاوہ بیرونی ممتحن کے طور پر منہاج یونی ورسٹی سے ڈاکٹر محمد اکرم رانا اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ڈاکٹر حافظ محمد سجاد نے شرکت کی اور کامیاب ہونے پر مبارکباد پیش کی۔

ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ 1967ء)

آپ مانسہرہ کے مردم خیز خطے میں ۱۹۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن کریم کا آغاز ۱۹۷۶ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے قاری ظہور احمد سیالوی صاحب (پ ۱۹۴۷ء) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے کیا۔ حفظِ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد تجوید وقراءت کا دو سالہ نصاب آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہی لیہ کے قاری عبد الرشید صاحب سے پڑھا۔ الحافظ القاری فضل حنان نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر فوری طور پر درس نظامی کے اسباق پڑھنا شروع کردیئے۔ اس دوران سفر وسیلہ ظفر کی اہمیت جانچنے کے لئے آپ تین سال ۱۹۸۳۔۱۹۸۵ء کے لئے کراچی جامعہ امجدیہ کے طالب علم بنے۔ قیامِ کراچی میں جہاں آپ نے مفتی محمد یوسف بندیالوی اور مفتی وقار الدین سے کچھ درسی کتب پڑھیں وہاں میٹرک کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی۔ مذکورہ بالا فیوض وبرکات کے ساتھ آپ ۱۹۸۵ء میں اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور واپس تشریف لے آئے۔

دوبارہ اسباق کا آغاز ہوا تو مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ سے مطول، میرزاہد ثلاثہ اور جامع ترمذی شریف کے اسباق پڑھے۔آپ نے مفتیٔ اعظم پاکستان کے علاوہ شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، مولانا مفتی عبداللطیف علیہ الرحمہ، علامہ محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہٗ اور مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہٗ سے بھی کسبِ فیض کیا۔آپ کو دستار فضیلت ۱۹۸۸ء میں عطا کی گئی۔ درجہ عالمیہ کے لئے ''برصغیر کے علماءِ اہل سنت کی خدماتِ حدیث'' کے عنوان پر مقالہ حوالہِ قرطاس کیا۔اسی سال آپ نے جامعہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ میں تدریس کا آغاز کردیا۔ ۱۹۹۰ء میں مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے حکم پر جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں پڑھانا شروع کیا۔

آپ کے اندر کا طالب علم کبھی تھکا، سویا یا اُکتایا نہیں۔کراچی سے میٹرک کا امتحان ۱۹۸۵ء میں پاس کرنے کے بعد لاہور بورڈ سے ایف۔اے۔اور بی۔اے۔کا امتحان آپ نے ایک پرائیویٹ طالب علم کے طور پر پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ایم۔اے۔عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے آپ نے باقاعدہ ۱۹۹۳ء میں قسم اللغة العربية جامعہ پنجاب میں داخلہ لیا۔ایم۔اے۔عربی زبان وادب کا نتیجہ آیا تو فضل حنان صاحب نے ۱۰۰۰ میں سے ۸۶۲ نمبر حاصل کرکے اول پوزیشن حاصل کی۔ایم۔اے۔عربی زبان وادب میں آپ نے حسین بن شہاب الدین العاملی کے مخطوط ''**عقود الدرر فی حل أبيات المطول و المختصر**'' پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ڈاکٹر خالق داد ملک کی زیرنگرانی اس مقالے کو بڑی تعریف و توصیف سے نوازا گیا۔آپ پچھلے ۳۲ برس سے اپنی مادرعلمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس وقت نہ صرف آپ شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں بلکہ پچھلے ۷ سال سے ''مجلّہ النظامیہ'' کے مدیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے

73

رہے ہیں۔آپ کے قلم سے لکھے ہوئے اداریے حالاتِ حاضرہ کے حقیقت پسندانہ تجزیے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ایم۔اے عربی زبان وادب کی تکمیل کے فوراً بعد آپ نے پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی نگرانی میں پی ایچ۔ڈی۔کے لیے تحقیق کا آغاز کردیا۔''دیوان کشاجم'' کو ایڈٹ کرنے کے صلے میں ۲۰۰۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا۔

ڈاکٹر فلک شیر فیضی (پ1990ء)

ڈاکٹر فلک شیر فیضی کی ولادت ضلع نارووال کے گاؤں پنڈی کاہلواں میں چوہدری غلام سرور نمبردار کے گھر ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔آپ کا تعلق زمیندار گھرانہ جٹ کاہلوں سے ہے۔ابتدائی پرائمری تعلیم اپنے آبائی گاؤں سے حاصل کی، بعدازاں ایک مقامی مدرسہ جامعہ تعلیم القرآن دہمتھل سے حفظ القرآن کی تکمیل کی، پھر درسِ نظامی کا آغاز جامعہ اکبریہ فیض العلوم کوٹلی میانی (گوجرانوالہ) سے کیا اور ساتھ عصری تعلیم بھی جاری رکھی۔

شھادۃ العامہ ۲۰۰۵ء میں مکمل کیا اور اسی جامعہ اکبریہ کے سرپرست اعلیٰ پیر سید اکبر شاہ گیلانی فیضی نقشبندی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر روحانی تربیت کی درخواست کی۔مزید اعلیٰ تعلیم جامعہ امینیہ نقشبندیہ گوجرانوالہ سے حاصل کی، جس میں آپ کے استاذ شیخ الحدیث صوفی نصرت اللہ مجددی تھے۔ساتھ ہی گوجرانولہ بورڈ سے ۲۰۰۷ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔بعدازاں درسِ نظامی موقوف علیہ (شہادۃ العالمیہ سال اول) تک جامعہ نعیمیہ لاہور سے پڑھا جس میں اساتذہ: شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی (۱۹۴۸۔۲۰۰۹ء)، شیخ الحدیث مفتی محمد عبداللطیف جلالی، شیخ الحدیث مفتی محمد عبد العلیم سیالوی اور شیخ الحدیث مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی تھے۔آپ نے دورۂ حدیث عالمِ اسلام

کی عظیم درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے کیا، جس میں صحیح بخاری شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی (پ ۱۹۴۹ء) سے پڑھی، صحیح مسلم شیخ الحدیث مولانا محمد عبد التواب صدیقی (۱۹۴۸۔۲۰۲۰ء) سے پڑھی، جامع ترمذی ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء) سے اور سنن نسائی و سنن ابن ماجہ و ابوداؤد شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی (۱۹۶۶۔۲۰۲۰ء) سے پڑھیں۔ ۲۰۱۱ء میں شھادۃ العالمیہ کے ساتھ ساتھ بی۔اے مکمل کیا۔ آپ نے شھادۃ العالمیہ میں مقالہ ڈاکٹر فضل حنان سعیدی کی نگرانی میں لکھا جس کا موضوع تھا "سورۂ یوسف اور سورۂ ھود کی تخریج نور العرفان کی روشنی میں"۔ دورۂ حدیث کے ایک سو سے زائد ہم سبقوں میں سے کچھ نمایاں نام درج ذیل ہیں: مولانا طاہر عزیز باروی، مولانا مفتی رضوان یوسفی، مولانا سید نصیر الدین، مولانا سید عاکف شاہ، مولانا حافظ بلال، مولانا مستقیم یوسف اور مولانا سلیمان رضوی۔

جواں ہمت فلک شیر نے ایم۔اے اسلامک سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اور ایم۔فل علوم اسلامیہ ۲۰۱۶ء میں لاہور لیڈز یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ ڈاکٹر عبد الباسط خان کی زیرِ نگرانی "سورۃ النساء کے فقہی مباحث کا تحقیقی جائزہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری کا مطالعہ" پر مقالہ سپردِ قلم کیا۔ پی۔ایچ۔ڈی اسلامک سٹڈیز یونیورسٹی آف گجرات سے ڈاکٹر محمد حسیب کی نگرانی میں ۲۰۲۱ء میں مکمل کی، جس میں مقالہ کا موضوع "معاصر منتخب اُردو تفاسیر ادب میں عائلی مباحث اور مروّجہ پاکستانی قوانین کا تقابلی جائزہ" تھا۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز لاہور کیمپس سے انگلش لینگویج اور کمپیوٹر ڈپلومہ بھی کیا۔ نیشنل اور انٹرنیشنل کانفرنسز میں حصہ لیا۔ عملی زندگی میں جہاں بھی رہے خطبۂ جمعہ کی ذمہ داری آپ کے سر رہی۔ مختلف چینلز پر دینی پروگراموں میں حصہ لینا بھی آپ کا ذوق ہے۔

ڈاکٹر فلک شیر یونیورسٹی آف نارووال میں بطور لیکچرر تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ یونیورسٹی جاب سے قبل دو سال آرمی کالج منگلا کینٹ میں بطور لیکچرر رہے۔ آپ نے ایم۔فل کے بعد یونیورسٹی آف گجرات نارووال کیمپس میں ایک سال سے زائد بطور لیکچرر خدمات انجام دیں۔ آپ نے پاکستان کے نامور کالجز میں پڑھایا ہے، جس میں دو سال سوپیریئر گروپ آف کالجز نارووال، ہیریٹیج کالج اور اسپائر کالج میں بی ایس لیول کو پڑھایا۔ آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نارووال ریجن کے ٹیوٹر ہیں جس میں بی ایڈ اور ایم اے اسلامک سٹڈیز کے کورس ٹیوٹر ہیں۔

ہائر ایجوکیشن کمشن سے منظور شدہ اور بین الاقوامی مجلّات میں ڈاکٹر فلک شیر کے تین انگریزی اور تین اُردو زبان میں لکھے گئے مضامین زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ امریکہ میں چھپنے والے مضمون کا عنوان درج ذیل ہے:

Islamic Philosophy of communication and contemporary Globalization of Mass communication: Similarities, Challenges, and futuristic scenario

برادر اسلامی ملک ترکی میں طبع ہونے والے مضمون کا عنوان یوں تھا:

Peace, Reconciliation, and justice in Global perspective opportunities and way forward for Muslim World in Islamic perspective

وطنِ عزیز میں شائع ہونے والے ایک انگریزی مضمون کا عنوان اس طرح تھا:

Social Impact Assessment of Sufi education on District Gujrat: A Case study of Khawaja Gohar-ud-Din Ahmad

ہائرایجوکیشن کمشن سے منظور شدہ ملکی جرائد میں ڈاکٹر فیضی کے تین مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

5۔ "زوجہ کا حق نفقہ: منتخب اردو تفاسیر اور مروجہ پاکستانی قوانین کا مطالعہ" تحقیقی مجلّہ ''القمر'' جلد:2، شمارہ:2، جولائی-دسمبر 2019ء

6۔ "تفسیر قرآن میں اسبابِ نزول اور نظم قرآن کی حیثیت: مولانا اصلاحی اور جمہور کا تقابلی جائزہ۔ تحقیقی مجلّہ ''القمر'' جلد:2، شمارہ:1، جنوری-جون 2019ء

7۔ "تفسیری اختلافات میں تطبیق، سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی روشنی میں" تحقیقی مجلّہ ''ابحاث'' جلد:6، شمارہ:22، اپریل-جون 2021ء، کیٹگری Y ISSN NO:2519-7932

ڈاکٹر فیاض الحسن جمیل الازہری (پ 1963ء)

ڈاکٹر فیاض الحسن جمیل جناب اِمداد علی انجم کے گھر ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم شمسیہ غوثیہ نارووال سے ۱۹۷۸ء میں حفظ قرآن کریم کی دولت حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان آپ نے ۱۹۸۳ء میں پاس کیا۔ آپ کی اسکولی اور دینی تعلیم ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ ۱۹۸۶ء میں آپ نے بیک وقت ایف۔اے اور تجوید وقراءت کی اسناد حاصل کیں۔ جامعہ پنجاب سے ۱۹۸۹ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۴ء میں شہادۃ العالمیۃ میں اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی سرپرستی کی بدولت ۱۹۹۶ء میں آپ جامعۃ الازہر، مصر چلے گئے۔ جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ، مصر، کے قیام کے دوران سال ۲۰۰۰ء میں آپ "الشہادۃ فی القراءات العشر" سے نوازے گئے۔ عربی زبان وادب میں ایم۔فل کی ڈگری آپ نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے ۲۰۱۰ء میں "**القراءةُ القرآنيّةُ نشأتُها**

وتطوُّرُها في شبه القارة الهندية حتى عصرنا الحاضر" کے زیرِعنوان ڈاکٹر راحیلہ خالد قریشی کی زیرِ نگرانی مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ عربی زبان وادب میں ہی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد سے "**شرح الشاطبيه للسيوطي (دراسة و تحقيق)**" کے عنوان سے ڈاکٹر حافظ افتخار احمد خان کی زیرِ نگرانی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حقدار قرار پائے۔

انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے ۱۹۸۸ء میں ایک بین الجامعات مقابلۂ حسن قراءت کا انعقاد کیا۔ آپ نے اس مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کی اور گولڈ میڈل کے حقدار قرار پائے۔ قیامِ قاہرہ کے دوران آپ نے تجوید وقراءت کے موضوع پر عربی زبان میں بہت سے مقالات پڑھے۔

ا۔ "**فرائد الحسان في اختلاف تعداد آيات القرآن**" کے عنوان سے آپ کی لکھی ہوئی ایک کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۲۔ "**نفائس البيان في اختلاف تعداد آيات القرآن**" کو قاری فیاض الحسن کے ترجمہ وتحقیق سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے شائع کیا۔

ڈاکٹر فیاض الحسن جمیل نے اپنے ایم۔فل۔ کے مقالہ کا انتساب مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کیا۔ آپ کے الفاظ یوں ہیں:

الانتساب

أنتسب هذا البحثَ العلميّ الى استاذنا الكريم، شيخ الحديث، سند المحققين، حجّة المدرسين، مفتى أعظم باكستان، الاستاذ العلامة المفتى محمد عبد القيوم الهزاروى القادرى نور الله مرقدهٗ

ڈاکٹر قاری فیاض الحسن شیخوپورہ شہر میں دینی تعلیمات کے ایک ادارے کی سرپرستی کرنے کے ساتھ ساتھ کسان گھی والوں کے زیرِ نگرانی کام کرنے والی دی یونی ورسٹی آف فیصل آباد میں بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ سال ۲۰۰۰ء میں مصر سے واپس آنے سے ایم۔فل تک کے درمیانی عرصہ میں اپنی مادرِ علمی، جامعہ نظامیہ رضویہ، سے بطور اُستاد وابستہ رہے۔

ڈاکٹر محمد قاسم بٹ

ڈاکٹر محمد قاسم بٹ اِس وقت جی۔سی یونیورسٹی لاہور میں شعبۂ عربی وعلومِ اسلامیہ میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر کام کر رہے ہیں۔موصوف بھی گلشن نظامیہ کے خوشہ چیں ہیں۔

آپ نے ۱۴۳۰ھ بمطابق 2009ء میں جامعہ سے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی اور تنظیم المدارس کا امتحان درجۂ امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔دورہ میں ان کے اساتذہ میں مولانا محمد عبد الستار سعیدی (پ ۱۹۴۹ء)، مولانا محمد عبدالتواب صدیقی (۱۹۴۸۔۲۰۲۰ء)، مولانا خادم حسین رضوی (۱۹۶۶۔۲۰۲۰ء)، ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء) شامل تھے۔آپ کو علومِ اسلامیہ کی اجازت مولانا علی احمد سندیلوی (۱۹۴۳۔۲۰۱۳ء) سے حاصل ہے۔

ڈاکٹر قاسم کا تعلیمی سفر دلچسپی سے خالی نہیں اور ایک طرح سے طالب علموں کے لئے ترغیب کا باعث بھی ہے۔انھوں نے کیتھیڈرل اسکول ہال روڈ لاہور سے کیمبرج کا امتحان ۱۹۹۴ء میں پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف۔ایس۔سی (پری میڈیکل) ممتاز نمبروں سے ۱۹۹۶ء پاس کر کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہوئے۔پانچ سالہ ایم۔بی۔ایس کی ڈگری کے حصول کے لیے کوشاں تھے کہ آخری سال دل کی دنیا نے بتوفیق باری تعالیٰ کروٹ لی۔بس پھر کیا تھا...... ظاہر کی منزل اور...... لیکن دل کا رستہ

مختلف تھا۔ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ سوجھا۔

ایم۔بی۔ایس کو فائنل ائیر ۲۰۰۱ء میں خیر باد کہا اور جامعہ نظامیہ رضویہ کی علمی و روحانی فضا میں پناہ کی درخواست کی۔دینی اداروں میں تعلیمی سال کا وسط ہونے کے باعث ......ایک جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی طرف سے دائر کردہ...... پناہ کی درخواست مسترد کر دی گئی۔نوجوان قاسم، مایوسی، ناامیدی اور مسترد کیے جانے کے تلخ احساس کے ساتھ مرکزی دروازے کی طرف جانے کے لیے برآمدے میں سے گذر رہے تھے کہ مولانا سعید احمد تونسوی (۱۹۷۵ء) کی دُور تک دیکھ سکنے والی نگاہ نے ناامیدی کے اندھیرے میں چھپی اُمید کی کرن دیکھ لی اور قاسم کو مسجد انجم راج گڑھ میں قائم مدرسہ میں آنے کے لیے کہا۔اندھا کیا چاہے...... دو آنکھیں...... کے مصداق، قاسم راج گڑھ جا پہنچے۔مولانا سعید نے پورے سال کا نصاب چھ ماہ میں تیار کروا کر درسِ نظامی کے سالِ دوم میں داخلہ دلوا دیا۔اس طرح نوجوان کا وقت بچنے کے ساتھ اس کی غیر معمولی صلاحیت یوں اُبھر کر سامنے آئی کہ ۲۰۰۳ء میں ثانویہ عامہ، ۲۰۰۵ء میں ثانویہ خاصہ درجۂ ممتاز مع الشرف پاس کیے۔ثانویہ عامہ کے امتحان میں تنظیم المدارس کے تحت ملک بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

لاہور میں اہل سنت کی ایک دوسری درس گاہ کا چرچا سن کر جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۲۰۰۷ء میں شہادۃ العالیہ کا امتحان درجہ ممتاز مع الشرف پاس کیا۔پھر یہیں سے شہادۃ العالمیہ (سالِ اول) ۲۰۰۸ء میں ممتاز درجہ میں پاس کیا۔دورۂ حدیث کے لیے ۲۰۰۹ء میں واپس جامعہ نظامیہ آ گئے اور شہادۃ العالمیہ (سالِ دوم) ممتاز درجہ میں پاس کیا۔یہاں تک ڈاکٹر صاحب کے اسکول، کالج اور مدرسہ کا سفر تھا۔اس کے بعد آپ نے یونیورسٹی کا رخ کیا اور نظرِ انتخاب اپنی مادرِ علمی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی تھی۔اُس وقت

سے اب تک اسی ادارے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر سلطان شاہ ۲۰۱۰ء میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کے شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ کے صدرِ شعبہ تھے۔ اُنھوں نے پہلے دن ہی طالب علم کی صلاحیت کو بھانپ لیا اور پیش گوئی کردی کہ آپ کو یہاں داخلہ بھی ملے گا اور نوکری بھی۔ آپ اس ادارے کے لیے موزوں انتخاب ثابت ہوں گے۔ آنے والے وقت نے یہی بات پوری کر دکھائی۔ ایم۔فل کے دوران ۲۰۱۱ء میں شعبہ فلاسفی میں ایک سمسٹر کے لیے مضمون "مذاہبِ عالم" پڑھایا۔ ایم۔فل کی ڈگری ۲۰۱۲ء میں حاصل کی اور ساتھ ہی شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ میں غیر مستقل لیکچرار مقرر ہوئے۔ یہ عہدہ ۲۰۱۴ء میں مستقل ہوگیا۔

ایم۔فل کے دوران ان کے اساتذہ میں ڈاکٹر سلطان شاہ، ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی، ڈاکٹر امتیاز احمد، ڈاکٹر نعیم انور، ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس، ڈاکٹر فاروق حیدر اور حافظ محمد نعیم شامل تھے۔ ڈاکٹر سلطان شاہ کے زیرِ نگرانی ۲۰۱۲ء میں ایم۔فل کی تحقیق مکمل کی، عنوان تھا:

Communicable Diseases in the Light of Hadith Literature and Medical Science

ڈاکٹر سلطان شاہ کے ساتھ پی۔ایچ۔ڈی کے حصول کے لیے ۲۰۱۳ء میں رجسٹر ہوگئے، جس کو دسمبر ۲۰۱۹ء میں مکمل کر لیا۔ اس ڈگری کے حصول کے کچھ عرصہ بعد اپریل ۲۰۲۱ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی پائی اور اسی حیثیت میں جی۔سی۔یو میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پی ایچ ڈی کے لیے ان کا موضوعِ تحقیق تھا:

Assisted Reproductive Technology as a Treatment of Infertility in the light of Islamic Shariah

ڈاکٹر مظفر علی بن لطف علی (پ 1988ء)

ڈاکٹر مظفر علی کا تعلق بلوچستان کے ایک ایسے پسماندہ غریب گھرانے سے ہے جو دینی تعلیم کو اپنے ماتھے کا جھومر جانتے ہیں۔ ضلع جعفر آباد تحصیل اوستا محمد کے گاؤں کوٹ شاہان خان کے جناب لطف علی کے گھر ۱۹۸۸ء میں پیدا ہونے والے مظفر علی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔

بڑے شہروں سے دُور رہائش پزیر لوگوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس کا اندازہ آپ کی زندگی کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ اپنے علاقے سے بہت دور حیدرآباد سندھ سے ۲۰۰۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں ۲۰۰۴ء میں داخلہ لیا۔ متوسط اور منتہی کتب کے مطالعے کے ساتھ ساتھ لاڑکانہ سندھ سے ایف۔اے کی سند ۲۰۰۵ء میں حاصل کی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے ۲۰۰۷ء میں شہادۃ العالمیہ کی تکمیل کے بعد آپ بی۔اے آنرز کے لیے انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد کے طالبِ علم بن گئے۔ بغیر کوئی وقت ضائع کیے ۲۰۰۹ء میں آنرز کی ڈگری بھی آپ نے حاصل کر لی۔

پڑھنے اور کچھ کر گذرنے کا شوق تو جیسے اس بلوچی نوجوان کی گھٹی میں تھا۔ تعلیم کے سلسلے کو بالکل رکنے نہیں دیا اور اپنی آنرز کی مادرِ علمی میں ہی ''شعبہِ فلسفہ، اسلامی تاریخ اور سیرت'' کے تحت ایم۔ایس میں داخلہ لے لیا۔ ایم۔فل میں تحقیقی مقالہ کے لیے "**الحياة السياسية ومظاهر الحضارة فى لاهور فى عصر السلطان شاه جهان** " کے موضوع کا انتخاب کیا۔ آپ نے عربی زبان میں یہ مقالہ سپردِ قلم کرکے ۲۰۱۴ء میں ڈگری

حاصل کی۔اسی دوران کچھ کر گذرنے کے جذبے کے تحت ۲۰۱۳ء میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی سے بی۔ایڈ۔جنرل کی ڈگری بھی حاصل کی۔

وطنِ عزیز میں تعلیم کی اعلیٰ ترین ڈگری پی۔ایچ۔ڈی ہے اور اگر یہ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد سے ہو تو اس کی اہمیت کچھ اہلِ نظر ہی جان سکتے ہیں۔ڈاکٹر مظفر علی نے اس بین الاقوامی جامعہ سے یہ ڈگری **"مختصر دراسة التاريخ لأرنولد جوزف توينبي في ضوء فلسفة ابن خلدون"** پر عربی میں مقالہ لکھ کر حاصل کی۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ جرائد میں عربی زبان میں لکھے ہوئے آپ کے پانچ مضامین شائع ہو چکے ہیں اور پانچ مضامین اشاعت کے منتظر ہیں۔اشاعت کے لیے بھیجے گئے پانچ میں سے دو عربی میں، جبکہ تین قومی زبان اردو میں لکھے گئے ہیں۔

وطن عزیز کی مختلف یونی ورسٹیوں میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی ڈاکٹر صاحب کو مقالات پڑھنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔تین نوجوان محقق آپ کی زیرِ نگرانی ایم فل درجے کی تحقیق میں مصروف ہیں۔کمپیوٹر، تحقیق اور انگریزی کے حوالے سے مختلف کورسز میں شرکت کر کے ڈاکٹر صاحب نے اپنے علم کو تازگی سے نوازا ہے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ میں قیام، عربی زبان اور علومِ اسلامیہ کے بہت سے نئے پہلو روشن کرنے کا باعث بنا۔ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے:''ہم عصر کے بعد لاہور کی جدید فضاؤں میں نکلتے تھے تو عجیب وغریب جدت کے رخ دیکھنے کو ملتے تھے اور جامعہ میں صبح سے لے کر رات تک قرآن وحدیث اور فلسفہ ومنطق وغیرہ جیسے نایاب گوہر دماغ کی آبیاری کرتے ہوئے تعلیمات دین کے مطابق فلسفۂ حیات سے آگاہ کرتے تھے۔جامعہ نظامیہ رضویہ کے اساتذہ درسیات کے ساتھ جدید علوم کی طرف بھی توجہ مبذول کراتے، خاص طور پر شیخ

الحدیث حافظ محمد عبد الستار سعیدی مدّ ظلہ (پ ۱۹۴۹ء) معقول علوم اور علم حدیث کے ساتھ فراستِ مومن کی آبیاری میں بہت اہم کردار ادا کیا کرتے۔جدید دور کی فتنہ سازیوں کو سمجھنے اور ان کا حل سامنے لانے پر ابھارنے کی طرف آپ کی خاص توجہ رہتی۔شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق ہزاروی مدّ ظلہ (پ ۱۹۴۷ء) نے جدت پسندانہ ماحول کی رونمائیوں اور پُرخطر راستوں سے آگاہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔جدید تعلیمی اداروں کی ضرورت اور اہمیت سے آگاہ کیا اور باور کروایا کہ عصر جدید کے چیلنجز اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ میرے لیے انتہائی سعادت ہے کہ امیر المجاہدین شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۶۶ـ۲۰۲۰ء) سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، آپ کے دروس کی ہر بات بلکہ ہر حرف زندگی کے لئے مشعل راہ بنا۔شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی مدظلہ (پ ۱۹۶۷ء) سے جب بھی یونیورسٹیز اور جدید اداروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے رہنمائی فرمائی اور ہماری ذمہ داریوں سے ہمیں آگاہ کیا۔شیخ الحدیث مولانا محمد ظہیر بٹ فریدی مدظلہ کی دورانِ اسباق کی گفتگو نے ہماری کایا پلٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔یوں ہر استاذ نے ہماری تربیت میں ایسا اہم کردار ادا کیا کہ ہمیشہ میرے جامعہ ازہر کے مصری اساتذہ اور خاص طور پر میرے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مشرف جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد علی عبد الحفیظ اور پروفیسر ڈاکٹر عبد الرحمٰن حماد پوچھتے کہ آپ کی گہری تعلیمی بنیاد کہاں کی ہے؟ چنانچہ فخر سے انہیں بتایا کہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ایک شجرِ سایہ دار ہے، ہم اس کی کونپلیں ہیں۔بارہا انہوں نے کہا کہ وہ **بعثة الأزهرية** کی جانب سے اس عظیم دینی تعلیمی درسگاہ کا دورہ کرنا چاہتے ہیں۔''

جنوری، ۲۰۲۰ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی تکمیل کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کی تعیناتی نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) میں ہوگئی تو آپ نے اپنے تحقیقاتی امور پر توجہ

مبذول رکھی۔ آپ کا زیادہ تر ذریعۂ اظہار عربی زبان ہے۔ مستشرقین کی تحریریں اکثر زیرِ مطالعہ رہتی ہیں تاکہ ان کی فکری کج ادائیوں سے کماحقہٗ آگاہی حاصل ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب مصمم ارادہ رکھتے ہیں کہ مستشرقین کے سیرت پر اعتراضات کا فلسفیانہ اسلوب میں جواب انگریزی میں تحریر کر کے بین الاقوامی جریدوں رمجلّوں میں شائع کروایا جائے۔ اس حوالے سے مصری اساتذہ کی تربیت گراں قدر ہے۔ آپ اپنی علمی وعملی جدوجہد میں کامیابی کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ کے اپنے اساتذہ کی دعاؤں کے طلب گار رہتے ہیں۔

ڈاکٹر سید مظہر اقبال شامی (پ 1992ء)

ڈاکٹر سید مظہر اقبال شامی بن سید اختر حسین (پ ۱۹۵۸ء) بن سید نجم الہدی کی ولادت بخاری سادات کے ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کی ولادت ۲۵ جولائی ۱۹۹۲ء کو کراچی میں ہوئی۔ آپ کا شمار جامعہ نظامیہ رضویہ سے فیض یافتہ سب سے کم عمر دکاترہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے نانا جان سید شمس الہدی حافظِ قرآن تھے، اِسی طرح آپ کے پردادا حافظ سید عبدالمجید بھی حافظِ قرآن تھے۔ اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی (۱۲۳۸۔۱۳۲۵ء) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جاملتا ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں اس خاندان نے ہندوستان سے مشرقی پاکستان کی طرف ہجرت کی، پاکستان دو لخت ہونے کے بعد سید مظہر کے والدین مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آگئے۔

آپ نے ۲۰۰۳ء میں زینت القراء قاری عمران الحسن سے حفظِ قرآن کریم مکمل کیا، اور پھر ۲۰۰۴ء میں ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے صدر حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری (۱۹۳۹۔۲۰۲۰ء) کی سفارش پر علم کا متلاشی سید زادہ جامعہ نظامیہ

رضویہ، شیخوپورہ میں داخل ہوا اور پورے نو برس کی انتھک محنت اور قابل اساتذۂ کرام کی توجہ اور شفقت کے باعث ۲۰۱۳ء میں جامعہ نظامیہ لاہور میں عالمِ دین کی سند سے مشرف ہوا۔

سند فراغت کے بعد آپ نے داتا کی نگری کو الوداع کہتے ہوئے دوبارہ اپنے شہر کراچی کی جانب رخ کیا۔ شہر واپس آکر بھی اپنے علمی سفر کو جاری رکھا اور ۲۰۱۴ء میں آپ نے کراچی میں عالمی مدنی مرکز فیضانِ مدینہ سے تخصص فی الفقہ کیا اور ۲۰۱۵ء میں الفرقان اسکالرز اکیڈمی میں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا اور مفتی محمد اکمل مدنی سے فتاوی جات لکھنے کی مشق کی اور مفتی کورس مکمل کیا۔ اسی سال آپ نے پاکستان میں جامعہ ازہر کی شاخ المؤسسة العلمية العصرية سے عربی لینگویج کورس مکمّل کیا۔

میٹرک کی سند آپ نے بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور سے حاصل کی۔ داتا کی نگری میں قیام کے دوران ہی کمپیوٹر سے شعوری آگاہی کے لیے آپ نے کمپیوٹر کا کورس بھی کیا۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان آپ نے کراچی بورڈ سے پاس کیا۔ شہادۃ العالمیہ کی بنا پر تحقیق کے لیے آپ کو جدید تعلیمی روایات کے حامل عرب ملک لبنان کی گلوبل یونیورسٹی میں بلایا گیا۔ پانچ سال قیام کے دوران آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مختلف عبارات کے مجموعے پر مشتمل کتاب "**إشارات المرام من عبارات الإمام**"، جس کے مؤلف حضرت قاضی کمال الدین البیاضی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں (آپ سلطنت عثمانیہ میں قاضی کی حیثیت سے بھی برسرِ کار رہے۔ وفات ۱۰۹۸ھ میں ہوئی)، اس کتاب کے مخطوط پر آپ نے جامعہ ازہر کے عظیم شیخ فضیلۃ الشیخ استاذ ڈاکٹر احمد حسن سید غنیم کی نگرانی میں تحقیق کی جو کہ آپ کے پی۔ ایچ۔ ڈی کا اطروحہ تھا، اس کی تکمیل پر آپ کو لبنان کی گلوبل یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی۔ اس کے علاوہ تخصص فی اللغة العربية کی اضافی

خوبی بھی آپ نے یہاں سے حاصل کی۔

آپ کے اساتذۂ کرام میں عرب وعجم کے جید علماء کرام کے اسماء موجود ہیں۔مصر اور لبنان کے کئی علمائے کرام سے آپ نے براہِ راست کسبِ فیض کیا۔پاکستان سے بھی بہت سے علماء کرام کے نام آپ کے اساتذہ کی فہرست میں نمایاں ہیں: شیخ الحدیث حافظ محمد عبدالستار سعیدی (پ ۱۹۴۹ء)، مناظر اسلام علامہ محمد عبدالتواب صدیقی (۱۹۴۸۔۲۰۲۰ء)، شیخ الحدیث حافظ خادم حسین رضوی (۱۹۶۶۔۲۰۲۰ء)، شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (پ ۱۹۶۷ء)، علامہ مفتی محمد اکمل مدنی۔

آپ الفرقان اسکالرز اکیڈمی میں تدریسی فرائض ادا کرنے کے ساتھ کراچی یونیورسٹی میں بھی بطور وزیٹنگ لیکچرار تشریف لے جاتے ہیں۔

عربی زبان کے ساتھ عشق آپ کی خاندانی روایات کا حصہ ہے۔ڈاکٹر سید مظہر نے اپنی محبوب زبان کے فروغ کے لیے نارتھ کراچی میں ادارہ معهد الأعلام الماتريدية لنشر اللغة العربية قائم کیا۔آن لائن عربی زبان کی تدریس آپ کا تخصص ہے۔نہ صرف پاکستان کے مختلف شہروں بلکہ دنیا کے کئی ممالک کے طلباء وطالبات آپ سے روشنی حاصل کررہے ہیں۔جامعہ نظامیہ رضویہ کا یہ بیٹا ''البخاری اکیڈمی'' کا بانی اور ''دار التحقیقات انٹرنیشنل'' کا ناظم اعلیٰ بھی ہے۔

ڈاکٹر سید مظہر نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں اپنے ماموں حضرت علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری (پ ۱۹۷۰ء) دامت برکاتہم العالیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا ہے، جنھیں حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان قادری (م ۲۰۱۸ء) علیہ الرحمہ نے خلافت سے نوازا۔سید وجاہت رسول قادری (۱۹۳۹۔۲۰۲۰ء) علیہ الرحمہ اور

بھارت سے حضرت علامہ مفتی ابرار اشرفی کی طرف سے بھی آپ کو خلافت سے نوازا گیا ہے۔

جامعہ نظامیہ، شیخوپورہ میں اپنے آٹھ سالہ قیام کے دوران حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (۱۹۳۳۔۲۰۰۳ء) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضری دینا آپ کے معمولاتِ زندگی میں سے تھا۔ڈاکٹر سید مظہر نے اپنی دلی کیفیت بتاتے ہوئے کہا: مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دینا میں اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔جب بھی مفتیٔ اعظم پاکستان کے مزار پرانوار پر حاضری دیتا مجھے بہت سکون میسر آتا۔

آپ دسمبر ۲۰۲۰ء میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔

شرفِ حج وعمرہ سے جلد باریابی آپ کی تمنا ہے۔آپ کے اہم سفروں میں، آپ کا اپنی تعلیم کے لیے ملکِ لبنان جانا اور نیپال کا تبلیغی دورہ بھی شامل ہے۔

تصنیفات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات اور دیگر کتب درج ذیل ہیں:

١. تقديس الألوهية فى ضوء التصنيفات والملفوظات الرضوية۔
٢. تحقيق إشارات المرام من عبارات الإمام۔
٣. أهمية بعض العبارات المهمة للإمام أبى حنيفة۔
٤. توضيح الآيات المتشابهات والأحاديث المتشابهات۔

آخری دو کتابیں ترتیب وتدوین کے مراحل سے گذر رہی ہیں۔

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی (پ 1966ء)

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، عالم وزاہد والد گرامی شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے ہاں ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے۔جامعہ نظامیہ رضویہ سے ۱۹۸۱ء میں الشهادة

السنویه اور بعدازاں عـامـه، خاصه، عالیه اور فاضل عربی کی منازل سے گزرتے ہوئے ۱۹۸۸ء میں آپ نے تنظیم المدارس سے ”الشهـادة العـالـمية فی الـعـلوم العربية و الاسـلامية“ میں کامیابی حاصل کی۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے ۱۹۹۴ء میں آپ نے ایم۔اے۔ عربی کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال آپ اپنی مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں بطور استاد تشریف لے آئے۔ آپ تدریسی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ ۱۹۹۶ء میں ایک دن ناظم اعلیٰ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے یاد فرمایا۔ سدیدی صاحب حاضر خدمت ہوئے تو مفتی صاحب نے اِرشاد فرمایا کہ جامعہ ازہر (مصر) نے وطن عزیز کے ہونہار طلبا کے لیے کچھ وظائف بھیجے ہیں۔ وزارت خارجہ پاکستان کی طرف سے جامعہ نظامیہ رضویہ کے باصلاحیت طلباء کو اپنے کاغذات جمع کرانے کے لئے کہا گیا ہے۔ آپ چونکہ ایک عرصہ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں زیرِ تعلیم رہنے کی وجہ سے عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں اس لیے آپ ضرور اس عمل کا حصہ بنیں۔ ڈاکٹر سدیدی بتاتے ہیں کہ میرے عظیم والد علامہ شرف قادری نے جامعہ نظامیہ کی تعلیم کے دوران مجھے مصر بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وسائل کی کمی کے سبب یہ وعدہ وفا ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ یہ شرف ملت کی دعا اور مفتی ہزاروی صاحب کی کرامت ہی معلوم ہوتی ہے کہ مجھ جیسا کم وسائل والا طالب علم بھی ۲۰۰۵ء میں جامعہ ازہر سے عربی زبان وادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم۔اے۔ عربی کے لئے آپ کے مقالے کا عنوان ”قرآن کریم کی روشنی میں قسم اُٹھانے کے طریقے“ تھا۔ عربی زبان وادب، (ادب وتنقید) میں جامعۃ الازہر مصر سے ایم۔اے۔ کی ڈگری کے لئے آپ نے ”الشیخ

احـمـد رضـا شـاعـرًا عربيًا“ کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ جامعۃ الازہر سے عربی زبان و ادب میں ڈاکٹریٹ کے لئے آپ کے تحقیقی مقالے کا عنوان ”علامہ فضل حق خیرآبادی، حیات وعربی شاعری: تجزیہ وتنقید“ تھا۔

”ماہ نامہ النظامیہ“ کے ”مفتی اعظم نمبر“ میں ”مفتی اعظم پاکستان...... ایک سراپا اخلاص اور بلند ہمت معلم ومربی“ ڈاکٹر سدیدی کے قلم کی روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ اس میں شرف صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ”نحو کی مشہور کتاب " کافیہ " مفتی ہزاروی صاحب سے پڑھی تھی“۔(۹) ڈاکٹر صاحب نے اپنے حوالے سے بتایا کہ ”تلخیص المفتاح، ہدایۃ الحکمۃ اور سنن ترمذی“ میں نے مفتی صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے پڑھیں۔(۱۰)

ڈاکٹر سدیدی نے جامعہ نظامیہ کے علاوہ یونیورسٹی آف فیصل آباد کے طلباء کے قلوب واذہان کو علم کی روشنی تقسیم کی۔ آج کل آپ منہاج یونیورسٹی میں صدر شعبہ عربی زبان وادب کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر سدیدی کا ایک منفرد اعزاز:

النظامیہ کے قارئین کے لئے یہ اطلاع نہایت خوشگوار ہوگی کہ اس اعزاز میں تو بہت سے لوگ شریک ہوں گے کہ باپ بیٹا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے شاگرد ہوں، لیکن فضلائے جامعہ نظامیہ میں سب سے پہلے اور کسی بیرونی یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کا اِعزاز ابن شرف قادری ڈاکٹر ممتاز سدیدی کو ہی حاصل ہے۔

باقی دکاترہ میں ڈاکٹر فضل حنان اور ڈاکٹر اشفاق جلالی کی ڈاکٹریٹ ۲۰۰۸ء ڈاکٹر اکرم نظامی کی ڈاکٹریٹ ۲۰۱۳ء میں مکمل ہوئی۔ ڈاکٹر فیاض الحسن جمیل کی ڈاکٹریٹ ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر حق النبی سکندری کی ڈاکٹریٹ ۲۰۱۵ء اور ڈاکٹر حافظ خورشید قادری کی ڈاکٹریٹ کی تکمیل ۲۰۱۶ء میں ہوئی۔

اھم گزارش: ڈاکٹر طاہر یاسین (فاضل جامعہ نظامیہ 2000ء)، ڈاکٹر محمد طیب (فاضل 2003ء)، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ انجم (فاضل 2003ء) ڈاکٹر عبد العزیز (فیض یافتہ 2007ء) کے احوال کا ذکر بوجوہ اس مضمون میں نہ ہوسکا اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے فیض یافتہ مزید دکاترہ کی تلاش جاری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سیالوی، محمد رمضان، قاری، ضیاء، اشاریہ فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، پیش لفظ، ص۳

۲۔ ایضاً ص۶ ۳۔ ایضاً

۴۔ محمد یوسف سکندری، پروفیسر، ڈاکٹر، مختصر تذکرہ حیات سلطان الواعظین ایجوکیشن فاؤنڈیشن، ۲۰۱۸ء، ص۵۱

۵۔ حافظ خورشید احمد صدیقی، النظامیہ، اپریل ۲۰۱۰ء، ج۱۰، ش۴، ص ص۲۵۔۲۹

۶۔ ایضاً، مئی ۲۰۱۰ء، ج۱۰، ش۵، ص ص۱۰۔۱۹

۷۔ ایضاً، جولائی۔اگست ۲۰۱۳ء، ج۱۳، ص ص۱۲۔۲۱

۸۔ ایضاً، مارچ، اپریل، مئی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء ج۱۶، ش۳: ۳۸۔۴۴، ش۴: ۲۷۔۳۵، ش۵: ۳۳۔۳۷، ش۸: ۱۹۔۲۴، ش۹: ۲۸۔۳۱، ش۱۰: ۲۶۔۳۲، ش۱۱: ۲۵۔۳۰

۹۔ النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر، ص۱۰۷ ۱۰۔ النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر، ص۱۰۷

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کا تنظیم المدارس کی ترقی و بحالی میں کردار

تحریر: مولانا مبشر سعید مرتضائی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

لَا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمْرًا اَنْتَ آكِلُهٗ

لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّٰى تَلْعَقَ الصُّبْرَا

تم بزرگی اور مرتبے کو کھجور نہ سمجھو جسے آسانی سے کھالو گے، بلکہ جب تک ایلوا (کڑوا پھل) نہ چاٹو گے بزرگی اور مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کا نظام ہے کہ جن نفوس سے کام لینا چاہتا ہے اُن کو محنت، لگن، جہدِ مسلسل، استقلال اور بلند ہمتی کا خُوگر بنا دیتا ہے، بعض پر مزید فضل فرما کر اُنہیں عقلِ سلیم عطا فرماتا ہے اور عام انسانوں کے مقابلے میں وافر حکمت، گہری دانش، اُونچی سوچ اور پاکیزہ فکر سے نوازتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ''نابغہ'' اور ''عبقری'' کہلاتے ہیں۔ اِسی صف میں ایک نمایاں نام مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کی شہرت، عظمت، عزت، منزلت اور انفرادیت ظاہر ہے، جو کردار کا کوہ ہمالیہ تھے، جنہیں نہ کوئی حکومت سَر کرسکتی تھی اور نہ کوئی دولت، جن کی شانِ بے نیازی اور خوئے استغنا ابد تک داد وصول کرتی رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد به عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی کا ہر باب دل کے تار ہلا اور غنچۂ روح کھلا دینے والا ہے۔ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے لیے آپ کی خدمات اور اِس کی ترقی و بحالی میں کردار ایک پوری تاریخ ہے۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں پہلے تنظیم المدارس کے قیام کی مختصر تاریخ پیش کی جاتی ہے، بعد ازاں تنظیم المدارس کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مفتیٔ اعظم کی مساعیٔ جمیلہ، تنظیم المدارس کی ترقی کے لیے اُٹھائے گئے اقدامات، مدارس کے خلاف حکومتی اقدامات کے ردِّعمل میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی بروقت، مثبت اور راست پالیسیاں، تنظیم المدارس کی ترقی میں کارفرما وجوہات اور حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی بطور ناظم اعلیٰ متعدد بار انتخاب کی وجوہ کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔

تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان کا قیام:

کوئی فرد ہو یا ادارہ، اُس کی کامیابی، منزل تک رسائی، اجتماعیت اور اہداف کا حصول تنظیم کا متقاضی ہوتا ہے، اِسی بنیاد پر غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے مدارسِ دینیہ کو ایک نظام میں مربوط کرنے اور باہمی ربط و تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے تنظیم المدراس کا قیام ضروری خیال کیا۔ اس عظیم مقصد کے لیے شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ / یکم فروری 1960ء بروز سوموار، جامعہ معینیہ، ڈیرہ غازی خان میں استاذ العلما حضرت علامہ مولانا غلام جہانیاں رحمہ اللہ کی سرپرستی میں "تنظیم المدارس" کے نام سے مدارسِ اہل سنت کی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کی مجلس شوری کا پہلا اجلاس ۵،۶ شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ / 2،3 اپریل 1960ء کو جامعہ نعیمیہ، لاہور میں منعقد ہوا۔ علامہ مفتی محمد حسین نعیمی اور علامہ سید محمود احمد رضوی کے عملی تعاون سے تنظیم کا ڈھانچہ تشکیل دیا گیا، 25 رکنی

نصابی کمیٹی قائم کی گئی، اس کمیٹی نے جامع نصاب ترتیب دیا جو مئی 1960ء میں نافذ ہوا۔

اس تنظیم کے سربراہ غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے اَن تھک محنت کی۔ پرچہ جات تیار کرنا، خود مدارس تک پہنچانا، رزلٹ وصول کرنا، نتائج تیار کرنا، سند کا اِجرا اور ان تمام امور کے لیے خود فنڈ کا بندوبست کرنا آپ کے خلوص، للّٰہیت اور مسلکِ اہلِ سنت کی ترقی اور فروغ کے لیے لازوال جذبے کی عکاسی کرتا ہے۔(۱)

غزالیٔ زماں تنظیم کی ترقی کے لیے مسلسل کوشاں رہے، لیکن بوجوہ تنظیم فعّال نہ ہوسکی۔ تیرہ سالہ عرصہ گذرنے کے بعد تنظیم کی نشأۃِ نو ہوئی، جس کا سہرا حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے سر سجتا ہے۔

تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان کی نشأۃِ ثانیہ:

1973ء میں حضرت غزالیٔ زماں رحمہ اللہ کے اس پودے کو ثمر آور بنانے کی خاطر جامعہ امجدیہ، کراچی سے تنظیم المدارس کی نشأۃِ ثانیہ کی تحریک پیدا ہوئی۔ شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں کراچی اور سندھ کے علماء و مشائخ کی مجلسِ مشاورت میں طے پایا کہ تنظیم کے اِحیا کے لیے ملک گیر کنونشن بلایا جائے اور اس تحریک کا مرکز پنجاب میں موزوں رہے گا۔ حضرت مفتی صاحب ممدوح علیہ الرحمہ کی تحریکِ احیاءِ جمعیتِ علماءِ پاکستان (1968ء) کے لیے خدمات اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور ایسے عظیم ادارے کی ترقی و فروغ کے سلسلے میں مسلسل جدوجہد..... بے سروسامانی کے عالم میں جامعہ نظامیہ کے انتظام و انصرام کے مسائل کے علاوہ 1963ء سے 1972ء تک جامعہ کی اراضی کی ملکیت کے حصول کے لیے دس سالہ مسلسل جدوجہد...... مقدمات کے نتیجے میں

تھانہ کچہری کے چکر......خلوص اور مشن سے جنون وعشق کی حد تک لگاؤ کا ڈنکا بج رہا تھا، اس لیے نہایت غور وخوض کے بعد تنظیم کے احیا کے لیے قرعۂ فال آپ کے نام نکلا اور تنظیم سازی اور اس کے بعد کے تمام کٹھن مراحل کا مشکل ترین کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔(۲)

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عظیم الشان کنونشن کا انعقاد کیا، جس میں شرکت کے لیے چاروں صوبوں کے علاوہ آزاد جموں وکشمیر کے سنّی مدارس کو دعوت دی۔ یہ تنظیم المدارس کی نشأۃِ ثانیہ کا پہلا اجلاس تھا، جو بہت اہمیت کا حامل ہے، اس لیے یہاں اس کی قدرے تفصیلی کارروائی ذکر کی جائے گی؛ تاکہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی مساعی سے آگہی حاصل ہو سکے۔

مفتی صاحب کے زیرِ انتظام کنونشن کی تیاری:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شب وروز اس کنونشن کی تیاری کے لیے وقف کر دیے اور تقریباً ایک ماہ کی تگ ودَو کے بعد اس ملک گیر کنونشن کے انعقاد کے لیے ۱٤ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ/9 جنوری، 1974ء بدھ کا دن مقرر ہوا۔ آپ نے پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے علاوہ آزاد جموں وکشمیر کے سنی مدارس کے نام دعوت نامے ارسال فرمائے۔(۳)

کنونشن کا انعقاد:

کنونشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی نوتعمیر شدہ عمارت میں منعقد ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے مندوبین کی آمد 8 جنوری، 1974ء کو شروع ہو گئی۔ تمام صوبوں اور آزاد کشمیر کے مندوبین کے لیے الگ الگ کمرے مختص کیے گئے تھے۔ چنانچہ مہمان آتے

رہے، مین گیٹ پر اُن کا استقبال ہوتا رہا اور ہر مہمان کو اس کے متعلقہ کمرہ تک استقبالیہ کمیٹی کے ارکان پہنچاتے رہے۔

کنونشن کا پہلا باقاعدہ اجلاس 9 جنوری، 1974ء کو دو بجے دوپہر شروع ہونا تھا۔ اِس وقت تک نمائندہ مدارس کے تقریباً تمام مندوبین جامعہ نظامیہ رضویہ کی عمارت میں پہنچ چکے تھے۔ شروع ہی سے محبت اور اخوت کی فضا قائم، مہمان ایک دوسرے کو خلوص ونیاز سے مل رہے تھے اور ہر کوئی دوسرے مہمان کی آمد پر خوشی ومسرت کا اظہار کر رہا تھا۔(۴)

کنونشن کے شرکا:

کنونشن میں جلیل القدر علماءِ اہلِ سنت کی کثیر تعداد شریک ہوئی، چند اسما درجِ ذیل ہیں:

۱۔ علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، لاہور ۲۔ استاذ العلماء حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی

۳۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، فیصل آباد

۴۔ حافظ الحدیث علامہ سید جلال الدین شاہ، بھکھی

۵۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا وقار الدین، کراچی ۶۔ حضرت علامہ محمد اطہر نعیمی، کراچی

۷۔ حضرت مولانا خلیل احمد خان، حیدر آباد ۸۔ صاحبزادہ پیر قاضی محمد فضل رسول، فیصل آباد

۹۔ حضرت استاذ العلما مفتی محمد حسین نعیمی، لاہور ۱۰۔ صدر المدرسین علامہ محمد باقر، بصیر پور

۱۱۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا مہر دین جماعتی، لاہور

۱۲۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام علی اوکاڑوی، اوکاڑہ

۱۳۔ حضرت علامہ مولانا اللہ بخش، واں بھچراں ۱۴۔ مولانا مشتاق احمد صاحب، شیخ الحدیث ملتان

۱۵۔ حضرت مفتی عبدالحکیم، ہری پور ۱۶۔ حضرت مولانا پیر محمد چشتی، پشاور

اجلاس میں جن 37 مدارس کی نمائندگی ہوئی، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

صوبہ پنجاب

دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور۔ جامعہ نعیمیہ، لاہور۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ جامعہ نعمانیہ، لاہور۔ مدرسہ لاثانیہ، لاہور۔ جامعہ برکات العلوم، لاہور۔ جامعہ غوث العلوم، لاہور۔ جامعہ انوار الصوفیہ، شرقپور۔ جامعہ حنفیہ، قصور۔ جامعہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور۔ جامعہ انوار العلوم، ملتان۔ مدرسہ مظہر العلوم، ملتان۔ جامعہ غوثیہ، میاں چنوں۔ جامعہ اشرف المدارس، اوکاڑہ۔ جامعہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور۔ جامعہ سراج العلوم، خان پور۔ جامعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد۔ جامعہ رضویہ، فیصل آباد۔ دارالعلوم غوثیہ رضویہ، فیصل آباد۔ جامعہ امینیہ، فیصل آباد۔ جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال۔ جامعہ حنفیہ رضویہ، سمندری۔ جامعہ حنفیہ رضویہ، گوجرانوالہ۔ جامعہ حنفیہ، سیالکوٹ۔ جامعہ مظفریہ رضویہ، میانوالی۔ جامعہ نقشبندیہ رضویہ، ڈسکہ۔ جامعہ محمدیہ رضویہ، گجرات۔ مدرسہ فیاض العلوم، رائے ونڈ۔ جامعہ غوثیہ، راولپنڈی۔ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی۔

صوبہ سندھ

جامعہ امجدیہ، کراچی۔ جامعہ نعیمیہ، کراچی۔ دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی۔ دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد۔

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ)

جامعہ غوثیہ، پشاور۔ دارالعلوم رحمانیہ، ہری پور۔

صوبہ بلوچستان

دارالعلوم سعیدیہ انوار الرحمن، وڈھ براستہ خضدار۔ (۵)

مندرجہ بالا اسما سے جہاں یہ عیاں ہے کہ تنظیم المدارس کی بنیاد اہل سنت کے عظیم سپوتوں کے مبارک ہاتھوں مضبوط و مستحکم ہوئی، وہیں ملکِ پاکستان کے طول وعرض کے اکابر و مشائخ اور مدارسِ اہل سنت کو تنظیم المدارس کی لڑی میں پرونے کے لیے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی محنت شاقہ بھی واضح ہو رہی ہے۔

خلاصہ کارروائی:

کنونشن کے انتظامات کی ذمہ دار مجلس استقبالیہ نے کنونشن کے اجلاس کے لیے پانچ نشستوں کا انتظام کر رکھا تھا، لیکن اتحاد وتعاون اور اعتماد کے عدیم النظیر ماحول میں جب کنونشن کے اجلاس شروع ہوئے تو صرف تین نشستوں میں تمام فیصلے متفقہ طور پر طے پاگئے۔

کنونشن کی نشست اول بعد دوپہر 2 بجے منعقد ہوئی، جس کی صدارت حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ نے کی۔ دوسری نشست بعد نمازِ عصر زیرِ صدارت مولانا عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ منعقد ہوئی۔ جبکہ تیسری نشست بعد از نماز عشا زیر صدارت حضرت مفتی وقارالدین علیہ الرحمہ منعقد ہوئی۔

مجموعی طور پر ان نشستوں میں مندرجہ ذیل امور پر تفصیلی بحث ہوئی:

تنظیم کا نام۔ تنظیم کے دفاتر۔ تنظیم میں شامل مدارس کا نصاب۔ تنظیم کی مجلس عاملہ۔ تنظیم کے دفتری نظام اور جملہ اُمور کے لئے فنڈز۔ قواعد وضوابط۔ سندات۔ طریقۂ امتحانات۔ ممتحنین

بحث وغور کے بعد مندرجہ ذیل متفقہ فیصلے کئے گئے:

☆ تنظیم کا نام: تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان طے پایا۔

☆ دفاتر: تنظیم کے لئے ایک مرکزی دفتر اور دو صوبائی دفتر قائم ہونے طے پائے۔

(ا) مرکزی دفتر: جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

(ب) سندھ وبلوچستان کے لیے صوبائی دفتر: دارالعلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ کراچی نمبر ۵

(ج) پنجاب، سرحد وریاست جموں وکشمیر کے لیے صوبائی دفتر: جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، سبزی منڈی راولپنڈی

☆ موقوف علیہ کا نصاب مشکوٰۃ، بیضاوی، ہدایہ اخیرین، مسلم الثبوت، شرح نخبۃ الفکر، شرح عقائد، سراجی، میبذی، مختصر المعانی، ملاحسن وحمد اللہ قرار دیا گیا۔

☆ دورۂ حدیث شریف کا نصاب صحاح ستہ اور موطا امام مالک وطحاوی قرار دیا گیا۔
(بعدہٗ اجلاس منعقدہ 27.28 اکتوبر 1974ء میں ترمیم کردی گئی)

☆ تنظیم کے لئے مندرجہ ذیل عہدے دار منتخب کیے گئے:

صدر: حضرت استاذ العلماء علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، حزب الاحناف، لاہور

مرکزی ناظم اعلیٰ: حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مرکزی خازن: علامہ مفتی محمد حسین نعیمی، جامعہ نعیمیہ، لاہور

صوبائی ناظم برائے پنجاب وسرحد وکشمیر: مولانا سید حسین الدین شاہ، جامعہ رضویہ، راولپنڈی۔ صوبائی خازن برائے پنجاب وسرحد وکشمیر: مولانا حافظ عبدالغفور، جامعہ غوثیہ بھابڑا بازار، راولپنڈی

صوبائی ناظم برائے سندھ وبلوچستان: مولانا مفتی وقارالدین، دارالعلوم امجدیہ، کراچی۔ صوبائی خازن برائے سندھ وبلوچستان: مولانا محمد طفیل، دارالعلوم حامدیہ، کراچی

☆ مرکزی مجلس عاملہ کے اراکین:

ا۔ مندرجہ بالا تمام عہدیداران بلحاظِ عہدہ مجلس عاملہ کے رکن ہوں گے۔

۲۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اراکین مجلس عاملہ کے رکن چنے گئے:

ا۔ مولانا غلام علی صاحب، اوکاڑہ
۲۔ صاحبزادہ پیر قاضی محمد فضل رسول، فیصل آباد
۳۔ مولانا نصر اللہ صاحب، بصیر پور
۴۔ صاحبزادہ مولانا طیب الرحمان، ہری پور ہزارہ
۵۔ مولانا پیر محمد چشتی صاحب، پشاور
۶۔ مولانا مشتاق احمد صاحب، ملتان
۷۔ مولانا سعید احمد صاحب، لاہور
۸۔ مولانا اطہر نعیمی صاحب، کراچی
۹۔ مولانا حبیب احمد صاحب، کراچی
۱۰۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، کراچی
۱۱۔ مولانا مفتی محمد حسین صاحب، سکھر
۱۲۔ مولانا تقدس علی خان صاحب، پیر جو گوٹھ
۱۳۔ مولانا خلیل احمد برکاتی

☆ مرکزی مجلس عاملہ کے اراکین کی کل تعداد 20 ہوگی اور صوبائی مجلس عاملہ کے انتخاب اور تعین کے لئے صوبائی ناظمین کو اختیار دے دیا گیا۔(۶)

پہلے ہی اجلاس میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا بطور ناظم انتخاب، کنونشن کے انعقاد میں آپ کی اَن تھک محنت، خلوص اور لگن کے ساتھ ساتھ منتظمانہ صلاحیتوں کے اعتراف کی بھی بین دلیل ہے اور پھر آپ نے تنظیم المدارس کو بامِ عروج تک پہنچا کر اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا۔ ذیل میں اُن کارہائے نمایاں اور اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے بطور ناظم تنظیم المدارس کی ترقی کے لیے اٹھائے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کے تنظیم المدارس کی ترقی کے لیے اقدامات:

تنظیم المدارس کی ترقی کے لیے مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے اقدامات کی تلخیص یوں کی جاسکتی ہے:

☆ تنظیم کی دستور سازی ☆ مرکزی وصوبائی دفاتر کا قیام

☆ مدارس سے رابطہ مہم اور تحریک الحاق

☆ مدارس کے نظام میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے ''نظام المدارس'' کے قواعد وضوابط کا اجرا

☆ نصابِ تعلیم کی ترتیبِ نو ☆ شعبہ تجوید کی منظوری ونصاب

☆ درجہ حدیث میں مقالہ کی شمولیت ☆ امتحانی بورڈ کا قیام

☆ سند کی تیاری

☆ پوزیشن ہولڈرز میں تقسیمِ انعامات کی تقاریب

☆ آمد وخرچ اور ڈاک کا حساب وکتاب ☆ قاضی کورس کا اجرا

☆ تنظیم کی سند کو ایم۔اے۔کے مساوی قرار دلوانے کے لیے مساعی

☆ درجہ عالمیہ سے نچلے درجات کی اسناد کی منظوری کے لیے مساعی

☆ تنظیم سے ملحقہ مدارس کے طلبا اور فضلا کے حقوق کے لیے مساعی

ذیل میں تمام اقدامات کا لف ونشر مرتب کے مطابق جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

1. تنظیم کی دستور سازی:

کسی بھی ادارہ یا تنظیم کے لیے دستور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔تنظیم کا دستور اگر چہ پہلے سے ہی 1960ء کا موجود تھا،مگر اس میں بعض بنیادی ترامیم ضروری

87

تھیں،اس لیے دوبارہ ترتیب دینے کے لیے ناظم اعلیٰ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے مرکزی عہدے داران کے مشورہ سے گیارہ رکنی کمیٹی نامزد کی اور اس کو 18 صفر المظفر 1394ھ/ 13 مارچ 1974ء کو رپورٹ پیش کرنے کو کہا۔ساتھ ہی اس مقصد کے لیے ناظم اعلیٰ نے مجلس عاملہ اور اراکین شوریٰ کا اجلاس بھی 13 مارچ کی رات 8.00 بجے طلب کرلیا،تاکہ مجلس عاملہ دستور پر غور کر کے منظور کر سکے اور تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو سکے۔

اراکینِ دستور کمیٹی کے اسماءِ گرامی:

۱۔مولانا ظہور احمد صاحب رضوی،لاہور ۲۔مولانا محمد سعید صاحب،لاہور

۳۔مولانا محمد نصر اللہ صاحب،بصیر پور ۴۔مولانا غلام علی صاحب،اوکاڑہ

۵۔مولانا محمد شریف صاحب،ملتان ۶۔مولانا محمد عبداللہ صاحب،قصور

۷۔مولانا معین الدین صاحب،فیصل آباد ۸۔مفتی محمد اطہر صاحب نعیمی،کراچی

۹۔مولانا مفتی محمد حسین صاحب،سکھر ۱۰۔مولانا طیب الرحمان صاحب،ہری پور ہزارہ

۱۱۔مولانا عبدالرحیم صاحب چشتی،خضدار (۷)

دستور کی منظوری:

13 مارچ 1974ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ،لاہور میں دستور کمیٹی کا اجلاس 2 بجے شروع ہوا،مقررہ وقت پر دستور کا مسودہ تیار ہوگیا اور کمیٹی نے اپنی رپورٹ عاملہ کے اجلاس سے قبل تیار کرلی۔مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب مجلس عاملہ کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ دستور ساز کمیٹی کے ممبر بھی تھے،اس لیے انہوں نے رات 8 بجے مجلس عاملہ کے اجلاس میں دستور کا مسودہ پیش کیا اور بحث ومباحثہ کے بعد دستور کے قواعد وضوابط منظور کرلیے گئے، یوں تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کا دستور منظور ہوگیا۔(۸)

2. مرکزی وصوبائی دفاتر کا قیام:

کسی تنظیم یا جماعت کے قیام کے بعد بنیادی مسئلہ دفاتر کا قیام ہوتا ہے تاکہ ان کے ذریعے رابطہ بحال رکھ کر تنظیم کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے۔اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے صوبائی ومرکزی دفاتر کا قیام ناگزیر سمجھا اور صرف ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں تمام دفاتر کا قیام عمل میں آ گیا، جس کی رپورٹ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر سے پیشِ خدمت ہے:

''سب سے پہلے تنظیم المدارس کے ناظمین......مرکزی ناظم اعلیٰ (حضرت مفتی) محمد عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور،صوبائی ناظم برائے پنجاب وسرحد وکشمیر مولانا سید حسین الدین شاہ ،جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ،راولپنڈی،صوبائی ناظم برائے سندھ وبلوچستان مولانا مفتی وقارالدین،دارالعلوم امجدیہ، کراچی......نے بڑی تندہی سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے دفاتر کو قائم کرنے کے لیے دفتری ضروریات کو پورا کیا۔چنانچہ اس سلسلہ میں مرکزی دفتر لاہور اور صوبائی دفاتر کراچی اور راولپنڈی کا رابطہ قائم رہا اور باہمی مشورہ سے دفاتر کے لیے کتب ،فائلیں ،مہریں ،لیٹر فارم اور رسید بکس وغیرہ متعلقہ سامان مہیا کیا گیا۔الحمدللہ یہ سارا کام ایک ماہ میں مکمل کرلیا گیا۔''(۹)

ابتدا میں دفاتر کی تعداد تین تھی ،بعدازاں ضرورت کے مطابق تعداد چھ کردی گئی اور سرحد، بلوچستان اور آزاد کشمیر کے صوبائی دفاتر علیحدہ قائم کردیے گئے۔

تقسیمِ زر:

مرکزی اور صوبائی دفاتر میں اخراجات کے لئے رقم کے تعین اور تناسب کا طریقۂ

کار متعین کرتے ہوئے یہ طے پایا کہ صوبائی ناظمین چونکہ مرکزی ناظم اعلیٰ کی ہدایات پر عمل کریں گے؛اس لیے وہ اپنے اخراجات کا بل مرکز کو پیش کریں گے اور اس کے مطابق مرکز صوبائی دفاتر کو رقم مہیا کرے گا۔(۱۰)

3. مدارس سے رابطہ مہم اور تحریکِ الحاق:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اس عمل کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا:

ا۔مدارس سے رابطہ مہم ۲۔تحریکِ الحاق

ان ہر دو مرحلوں کے حصول کے لیے آپ نے ذیلی اقدامات اٹھائے:

☆ ملک پاکستان کے تمام صوبوں کے مدارسِ اہل سنت کے مکمل پتہ جات کے حصول کی کوششیں۔

☆ جملہ مدارس کو تنظیم کی تشکیلِ جدید کی اطلاع کے لیے اجلاس منعقدہ 9 جنوری، 1974ء کی کارروائی کے مسودہ کی تیاری۔

☆ مدارس کے منتظمین کو تنظیم کی تشکیلِ جدید، پس منظر اور اس کی ضرورت واہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے رابطہ چٹھی کی تیاری۔

☆ مدارس کے الحاق کے لیے الحاق فارم کے مسودہ کی تیاری۔

☆ صوبائی دفاتر میں مدارس کے ضلعی اجلاس طلب کر کے اُن سے بالمشافہ رابطہ۔

ذیل میں مکمل کارروائی کی رپورٹ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زبانی پیش کی جاتی ہے:

''جہاں دفاتر میں پہلا مرحلہ......دفتری ضروریات کے انتظام کو......مکمل کیا جارہا

تھا، وہاں ساتھ ہی دوسرے مرحلہ یعنی پاکستان بھر کے صوبوں اور ان کے تمام اضلاع کے مدارسِ اہل سنت سے رابطہ کے قیام کے لیے مکمل پتہ جات کے حصول کی کوششیں شروع کردی گئیں، تاکہ تمام مدارس کو تنظیم کی تشکیلِ جدید کی اطلاع اور اجلاس منعقدہ ۱۴ ذوالحجہ کی کارروائی پہنچائی جاسکے۔ ادھر مرکزی دفتر میں اجلاس کی کارروائی کا مسودہ تیار کیا جارہا تھا، تاکہ مطبوعہ صورت میں مدارس کو ارسال کیا جاسکے اور ساتھ ساتھ تنظیم کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے لیے رابطہ چٹھی تیار کی جارہی تھی؛ تاکہ کارروائی اجلاس کے علاوہ مدارس کے منتظمین (تنظیم کی) تشکیل جدید، پس منظر اور اس کی ضرورت واہمیت سے بھی آگاہ ہو سکیں۔ چونکہ دفاتر کے منتظمین کو وقت کی کمی اور کام کی زیادتی کا احساس بہت زیادہ تھا؛ اس لیے اس دوسرے مرحلہ کی تکمیل میں ہی تنظیم کے تیسرے مرحلہ کے مقدمات بھی تیار کرنے شروع کردیے گئے۔ چنانچہ تیسرے مرحلہ (تحریکِ الحاق) کے لیے قرطاسِ الحاق کا مسودہ بھی تیار کرلیا گیا، بلکہ مرکزی ناظم اعلیٰ نے صوبائی دفاتر کو مدارس کے ضلعی اجلاس طلب کرکے ان سے بالمشافہ رابطہ کا مشورہ دیا، جس پر صوبائی ناظمین نے فوری عمل شروع کردیا، جس کی بنا پر تیسرے مرحلہ کا کام آسان ہوگیا اور دوسرے مرحلہ کے اختتام پر پاکستان بھر کے 254 مدارس کے مکمل پتہ جات معلوم کیے گئے، جن سے رابطہ کیا گیا اور ساتھ ہی تیسرے مرحلہ کا کام شروع ہوگیا۔

جن مدارس سے رابطہ قائم ہوا، اُن کو اجلاس کی کارروائی اور تنظیم کے پس وپیش اور اس سے تعاون کی اپیل کے طور پر چٹھی اور تنظیم المدارس سے الحاق کے لیے درخواست کے مطبوعہ فارم ارسال کیے گئے۔ یوں تنظیم المدارس کا تیسرا اہم مرحلہ شروع ہوگیا اور تحریکِ الحاق کو جلد از جلد مکمل کرنے کی غرض سے صوبائی سطح پر ہر ضلع کے مرکزی مدرسہ میں متعلقہ ضلع

کے مدارس اہل سنت کا اجلاس طلب کرنے کا پروگرام بنایا گیا اور تنظیم کے صوبائی دفتر کراچی کے ناظم مفتی وقار صاحب کے زیر اہتمام کراچی، حیدرآباد اور سکھر وغیرہ میں اجلاس منعقد ہوئے جو کہ نہایت کامیاب رہے۔ اسی طرح صوبائی ناظم راولپنڈی سید حسین الدین شاہ صاحب کے زیر اہتمام ساہیوال، لائل پور، جھنگ، شیخوپورہ اور راولپنڈی کے اجلاس منعقد ہوئے، جن میں سے بعض میں مرکزی ناظم اعلیٰ نے خود بھی شرکت کی۔ تحریکِ الحاق کے اس دوسرے طریقۂ کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام برسوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچنا تھا وہ چند مہینوں بلکہ ہفتوں میں آسان ہوگیا۔ چنانچہ پہلی سہ ماہی میں پاکستان بھر کے مرکزی مدارسِ اہل سنت کا الحاق تنظیم سے ہو چکا تھا۔''(۱۱)

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے یہ تمام کامیابی صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں دن رات مسلسل جدوجہد کی صورت میں حاصل کی اور اس کی رپورٹ تنظیم کے دوسرے اجلاس منعقدہ 18 صفر المظفر 1394ھ/ 13 مارچ 1974ء میں پیش فرمادی۔ اجلاس کی صدارت حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ فرمارہے تھے۔ کارروائی اجلاس یہ ہے:

''تلاوتِ کلام پاک کے بعد سب سے پہلے تنظیم کے ناظم اعلیٰ نے مندوبین کا ان کی تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا اور پھر ایجنڈا پڑھ کر سنایا، پھر آپ نے سابقہ اجلاس کے فیصلوں پر عملدرآمد کا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: الحمدللہ! مرکزی اور صوبائی دفاتر قائم ہو چکے ہیں۔ پاکستان بھر کے مدارسِ اہل سنت سے رابطہ قائم کرکے اُن کو سابقہ اجلاس کی مطبوعہ کارروائی، چٹھی اپیلِ تعاون وضرورتِ تنظیم اور قرطاسِ الحاق مطبوعہ ارسال کردیے گئے ہیں۔ اس وقت تک جن مدارس سے رابطہ کیا گیا ہے ان کی تعداد 254 ہے اور ابھی رابطہ مہم جاری ہے، جس کے نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ اس کے بعد مرکزی ناظم اعلیٰ نے مرکزی

دفتر میں موصول ہونے والے مکتوبات کی تفصیل بیان کی اور ساتھ ہی آمد وخرچ کو بھی بیان کیا۔

مرکزی ناظم اعلیٰ صاحب کے خطاب کے بعد صوبائی ناظمین نے اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی، صوبائی ناظم سندھ وبلوچستان مفتی وقار صاحب نے مدارس سے رابطہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: دونوں صوبوں سے 64 مدارس سے رابطہ کیا گیا ہے، جس کے نتائج حوصلہ افزا حد تک ہوئے ہیں اور سندھ اور بلوچستان کے اضلاع کی کمیٹیاں بنادی گئی ہیں جن کے تحت ضلعی سطح پر اجلاسوں کا سلسلہ جاری ہے۔

صوبائی ناظم پنجاب مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب نے فرمایا کہ کشمیر، صوبہ سرحد اور پنجاب کے مختلف اضلاع سے رابطہ کیا گیا ہے اور ضلعی اجلاسوں کے لیے پروگرام بنائے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جامعہ فریدیہ، ساہیوال میں ضلعی اجلاس ہو چکا ہے، جو نہایت کامیاب رہا اور اس کے بعد لائل پور، جھنگ، اور شیخو پورہ کا مشترکہ اجلاس جامعہ رضویہ، لائل پور میں اور پھر آزاد کشمیر، راولپنڈی، جہلم اور کیمبلپور کا اجلاس راولپنڈی میں 24 مارچ کو ہو رہا ہے۔'' (۱۲)

یہ تو وہ مدارس تھے جن سے صرف رابطہ ہوا، ابھی الحاق نہ ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی مساعی جاری رکھیں، دس سال میں آپ کی مسلسل جدو جہد سے 600 مدارس تنظیم سے ملحق ہوگئے۔ حضرت علامہ مولانا منظور احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مجلس کے اجلاس منعقدہ 18 اپریل 1984ء میں تنظیم کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے بیان فرمایا:

☆ پنجاب، سرحد، بلوچستان، سندھ اور آزاد کشمیر سے 600 مدارس تنظیم سے وابستہ ہیں۔

☆ مدارس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے: فوقانی، وسطانی، تحتانی/ابتدائی

☆ فوقانی مدارس کی تعداد 35 ہے، جبکہ وسطانی کی 200 اور تحتانی کی 365 ہے۔

☆ تنظیم سے وابستہ مدارس کے اساتذہ کی تعداد 3400 ہے۔ (۱۳)

4. نظام المدارس:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا مقصد ایسے قواعد وضوابط تیار کرنا تھا جن کی بنیاد پر تنظیم سے ملحقہ مدارس کے اندرونی نظام میں یکجہتی پیدا ہو سکے، جن کو نظام المدارس کا نام دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے 13 مارچ 1974ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں ''نظام المدارس'' کی تجویز پیش کی، جس کی منظوری پر آپ نے اس کا مسودہ تیار کرنے کے لیے دو رکنی کمیٹی نامزد کی، جو علامہ مفتی محمد حسین نعیمی اور علامہ محمود احمد رضوی پر مشتمل تھی۔ جن سے درخواست کی گئی کہ وہ مجلس شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں ''نظام المدارس'' کا مسودہ پیش کریں۔ چنانچہ 10، 11 شوال 1394ھ/ 28.27 اکتوبر 1974ء کو مجلس شوریٰ کے سالانہ اجلاس کی دوسری نشست میں علامہ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے کمیٹی کی طرف سے مسودہ پیش کیا، جس پر طویل بحث ہونے پر اجلاس ملتوی کر دیا گیا، اجلاس کی تیسری نشست میں مفتی صاحب نے مسودہ دوبارہ پیش کیا، آپ مسودہ کو شق وار پڑھتے چلے گئے اور حاضرین سے منظوری حاصل کرتے چلے گئے یوں آپ نے مسودہ کی ضروری دفعات کی منظوری حاصل کر لی۔ طے یہ پایا کہ امسال شوال 1394ھ سے شروع ہونے والے تعلیمی سال کی ابتدا سے نظام المدارس کی دفعات نافذ العمل ہوں گی۔ (۱۴)

تنظیم المدارس سے ملحقہ مدارس کے لیے نظام المدارس کے قواعد وضوابط کی تقسیم یوں کی گئی:

☆ ضابطہ نمبر ۱: تعلیم وتربیت (۱۰ شقیں) ☆ ضابطہ نمبر ۲: امتحانات (۶ شقیں)

☆ ضابطہ نمبر۳: داخلہ وخارجہ (۸ شقیں) ☆ قواعد وضوابط متعلقہ سرٹیفکیٹ

نظامِ تعلیم وتربیت:

ذیل میں اختصار کے پیشِ نظر صرف تعلیم وتربیت سے متعلقہ شقیں پیش کی جاتی ہیں:

☆ تنظیم المدارس کے تعلیمی سال کی ابتدا گیارہ شوال اور اختتام چودہ شعبان کو ہوگا۔

☆ تنظیم المدارس کا نصابِ تعلیم آٹھ سال کا ہوگا۔

☆ تنظیم سے ملحقہ ہر مدرسہ نظامِ تعلیم میں درجہ بندی کے اہتمام کا پابند ہوگا۔

☆ کسی مدرسہ میں درجہ بندی کے خلاف کسی طالب علم کو مختلف درجات کی کتب کلی یا جزوی طور پر نہیں پڑھائی جائیں گی۔

☆ مدارس سالانہ امتحان میں کامیابی کے بغیر کسی طالب علم کو اُوپر والے درجہ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

☆ فوقانی مدارس میں آٹھویں درجہ (دورۂ حدیث) میں کسی ایسے طالب علم کو شامل نہیں کریں گے جس نے موقوف علیہ کتب نہ پڑھی ہوں یا وہ ربیع الاول شریف کے بعد دورۂ حدیث میں داخلہ کا خواہش مند ہو۔

☆ تمام مدارس طالب علم کو (جو پہلے سے مختلف کتب پڑھ رہا ہے) اُس کی استعداد کے مطابق خود درجہ تجویز کریں گے۔

☆ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کی غرض سے اُن کو مطالعہ، تکرار واسباق میں حاضری کے لیے ہر مدرسہ سخت انتظام کرے گا۔

☆ ہر مدرسہ تعلیم کے ساتھ طلبا کی اخلاقی تربیت کا بھی ذمہ دار ہوگا۔ خاص طور پر فرائض، واجبات اور اسلامی وضع کی نگرانی کرے گا۔

☆ تمام مدارس طلبہ کے لیے تحریر وتقریر میں مہارت حاصل کرنے کا انتظام کریں گے۔(۱۵)

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے نظام المدارس کے قواعد وضوابط ایک کتابچے کی صورت میں شائع فرمائے، جس میں قواعد وضوابط کی پابندی کی اہمیت وفوائد اور مدارس کی ناگفتہ بہ حالت پر دردِ دل کا اظہار بھی فرمایا، جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی یہ تحریر پڑھنے سے واضح ہوگا کہ آپ اس قدر سخت منتظم کیوں تھے؟ آپ کی سخت گیری ہی کی بدولت جامعہ نظامیہ رضویہ کے بارے یہ مقولہ مشہور ہوگیا کہ ''جامعہ نظامیہ ایک نظام کا نام ہے''۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''نظام المدارس کے اِن پیشِ نظر ضوابط کے نفاذ کا مقصد صرف طلبا کو تعلیم کے لیے پابند کرنا ہے؛ تاکہ وہ اپنے یا سرپرست حضرات، مدارس اور قوم بلکہ اپنے آپ کو غلط فہمی اور دھوکا میں مبتلا نہ کرسکیں۔ نیز مدارس کے منتظمین اور معاونین کی کاوشوں کو بامقصد بنا کر اُن کی حوصلہ افزائی کرنا ہے؛ کیونکہ دینی تعلیم میں خلوص اور شوق کی کمی سے قوم میں یہ تأثر بڑھتا جارہا ہے کہ بعض طلبا کی طرح بعض مدارس اور مدرسین نے بھی دینی تعلیم کے نام پر دنیاوی مفاد حاصل کرنا شروع کردیا ہے، جس کی بنا پر دینی خدمات سرانجام دینے والے مخلص علما اور معاونین کی حوصلہ شکنی ہورہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشترکہ طور پابندی کے اصول وضوابط نہ ہونے کی وجہ سے تمام دینی اداروں کی محنت کاوش اور خدمت رائیگاں جارہی ہے، جس کی بنا پر معاشرہ میں بدظنی پیدا ہورہی ہے کہ مدارس، دینی اور مذہبی ضروریات پورا کرنے میں ناکام ثابت ہورہے ہیں۔ اس طرح کام کرنے والے مخلص حضرات کے جذبات کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔

اگر مدارس ان ضروری ضوابط کی پابندی کریں تو توقع کی جاسکتی ہے کہ آزادی کی وجہ سے طلبا میں پیدا شدہ بے ضابطگی، بے مقصدی اور آرام وسہولت کی طلب میں متعدد مدارس میں سال بھر کی سرگردانی ختم ہو جائے اور سال کے اختتام میں جہاں اہلِ مدارس کو اپنے مدرسین کی کارکردگی اور محنت کے نتائج وثمرات نظر آنے لگیں گے وہاں طلبا اور ان کے متعلقین کو بھی اپنے مقاصد میں پیش رفت معلوم ہو سکے گی، جس سے بالآخر معاشرہ کی دینی اور مذہبی ضروریات صحیح طور پر پوری ہوں گی اور مدارس کے تعلیمی نظام پر قوم کا اعتماد بحال ہوگا۔ نتیجۃً مدارس کے منتظمین اور معاونین کی حوصلہ افزائی ہوگی تو وہ مدارس کی ترقی میں دلچسپی سے کام کریں گے، جس سے مدارس کا انتظامی معیار بھی بڑھ جائے گا۔

اس لیے مدارس میں ان دفعات کی پابندی نہ صرف قومی ضرورت ہے بلکہ مدارس کی بقا اور ترقی کے لیے بھی ضمانت ہے۔ لہٰذا تمام مدارس کے منتظمین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ سختی سے ان ضوابط کی پابندی کرائیں، ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر اس پابندی سے کچھ دقّت پیدا ہو، لیکن با اصول ادارے بالآخر نہ صرف کامیاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے باعثِ رشک ہوتے ہیں۔" (١٦)

5. نصابِ تعلیم کی ترتیبِ نو

دینی مدارس میں رائج نصاب کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو کتاب وسنت پر وسیع نظر رکھتے ہوں اور امت مسلمہ کی راہنمائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں اور نت نئے پیدا ہونے والے فتنوں کا سد باب کر کے دین متین کی صحیح ترجمانی کا فریضہ بہ طریق احسن ادا کر سکیں۔ اس مطمح نظر کی بنیاد پر ایسے علوم وفنون بھی شامل نصاب کیے گئے جو دینی بصیرت اور فکر

ونظر کی گہرائی کا ذریعہ بنیں۔ ہر دور میں یہ کوشش کی گئی کہ یہ نصاب وقتی تقاضوں کو بھی پورا کرے، اسی لیے یہ نصاب مختلف ادوار میں بعض اضافی کتب کی کمی بیشی کا متحمل رہا ہے۔ مئی 1960ء میں جب تنظیم المدارس قائم ہوئی تو اس کے لیے باقاعدہ نصاب بھی تجویز کیا گیا، جو منظوری کے بعد مطبوعہ صورت میں ملحقہ مدارس میں زیر عمل رہا۔

تشکیلِ نو ١٤ ذوالحجہ ١٣٩٣ھ/9 جنوری 1974ء کو مجلس شوریٰ نے سابقہ نصاب میں موجودہ تقاضوں کے مطابق ترمیم کا فیصلہ کیا تو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے مرکزی قائدین کے مشورہ سے نیا نصاب مرتب کرنے کے لیے 15 رکنی کمیٹی قائم کردی، جس میں اکابر علماء کرام، ماہرین تعلیم وتدریس کو نامزد کیا گیا اور ان سے مقررہ وقت پر رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ یہ نصاب دو اجلاسوں میں بحث وتمحیص کے بعد منظور ہوا۔

نصابی کمیٹی کے اسماء گرامی:

١۔ علامہ مولانا عطا محمد صاحب، بندیال — ٢۔ مولانا غلام رسول صاحب، فیصل آباد
٣۔ علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب، بھیرہ — ٤۔ مولانا علامہ مہر الدین جماعتی صاحب، لاہور
٥۔ مولانا علامہ محمد عالم صاحب، سیالکوٹ — ٦۔ مولانا علامہ مشتاق احمد صاحب، ملتان
٧۔ مولانا علامہ محمد باقر صاحب، بصیر پور — ٨۔ مولانا مفتی غلام سرور صاحب، ہارون آباد
٩۔ مولانا مفتی سراج احمد صاحب، خانپور — ١٠۔ مولانا مفتی شجاعت علی قادری صاحب، کراچی
١١۔ مولانا خلیل احمد خان برکاتی صاحب، حیدر آباد
١٢۔ مولانا پیر محمد چشتی صاحب، پشاور — ١٣۔ مولانا فضل سبحان صاحب، مردان
١٤۔ مولانا حبیب احمد صاحب، مستونگ — ١٥۔ مولانا فتح محمد صاحب، سبی

اولاً نصاب کمیٹی نے 18 صفر المظفر 1394ھ/ 13 مارچ 1974ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں مشترکہ اجلاس کے بعد مجلس عاملہ کو رپورٹ پیش کی، جو اگرچہ مکمل طور پر متفق علیہ نہ تھی تاہم اس میں اراکین کی رائے کا اُصولی اختلاف بھی نہ تھا، صرف بعض نئی کتب کی تجویز میں اختلاف تھا۔ اس لیے مجلس عاملہ نے یہ مسودہ تنظیم کے ناظم اعلیٰ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے سپرد کر دیا...... کہ آپ آخری شکل دینے کے لیے غور وخوض کر لیں اور آئندہ شوری کے اجلاس میں مسودہ پیش کر دیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود مسودہ کو آخری شکل دینے کے لیے بعض ماہرین سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا حتیٰ کہ کراچی تک کا سفر اس عمل کے لیے کیا اور سات ماہ بعد ۱۱ شوال ۱۳۹۴ھ کو مجلس شوریٰ کے دوروزہ اجلاس زیر صدارت حضرت علامہ ابوالبرکات صاحب کے موقع پر شوریٰ کی تیسری مجلس میں صبح گیارہ بجے پیش کر دیا اور خود مسودہ کے مندرجات حاضرین کو پڑھ کر سنانا شروع کیے، کتب کا نام لے کر ہر سال کے نصاب کی منظوری حاصل کرتے جاتے اور ساتھ ہی مندوبین کی پیش کردہ تجاویز وترامیم کے متعلق بھی مجلس سے فیصلہ طلب کرتے، یوں آپ نے آٹھ سالہ نصابی کتب کی منظوری حاصل کر لی۔ اس طرح تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے ملحقہ مدارس کے لیے یہ آٹھ سالہ نصاب تعلیم طے قرار پایا اور فیصلہ ہوا کہ شوال ۱۳۹۴ھ میں تعلیمی سال کے شروع ہوتے ہی نافذ ہوگا۔(۱۷)

نوٹ: اختصار کے پیش نظر یہاں آٹھ سالہ نصابی کتب کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔

نصابِ فارسی:

فارسی نصاب کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال مروّجہ نصاب کو ہی جاری رکھا جائے اور طلبہ کو فارسی کتب علیحدہ ایک سال لازمی طور پر پڑھائی جائیں۔(۱۸)

6. شعبہ تجوید کی منظوری اور اس کا نصاب:

تنظیم کی تشکیل جدید کو تقریباً پونے دو سال ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں تنظیم نے کافی حد تک مقاصد کو عملی جامہ پہنا کر کامیابی حاصل کی۔ دفتری نظام کی تکمیل، مدارس کے ساتھ رابطہ اور ان کا تنظیم سے الحاق، نصابِ تعلیم اور قواعد وضوابط کی ترتیب ومنظوری، درجۂ حدیث کے سالانہ امتحان کا انعقاد اور ان کے علاوہ چند دیگر امور کی انجام دہی، تنظیم کی اس باڈی کی عملی کوششوں کا منہ بولتا ثبوت تھا...... لیکن ابھی چند ایسے امور باقی تھے جن پر مجلس شوری کے ارکان کی رائے اور منظوری لینا ضروری تھی، جن میں تجوید وقراءت کے نصاب کی تدوین ومنظوری زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔

تجوید وقراءت کے نصاب کی ترتیب اور منظوری کے لیے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے 19 ستمبر 1975ء کو ایک پانچ رکنی کمیٹی نامزد کی۔ اس پانچ رکنی مجوزہ نصابی کمیٹی کو ایک خاکہ دے کر اس میں ترامیم واضافہ کے ساتھ مسودات تیار کر کے مقررہ وقت پر رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا اور 25.26 اکتوبر 1975ء/ ۱۹، ۲۰ شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ کو مجلس شوری کا اجلاس طلب کر لیا۔ ارکان کمیٹی کو مجلس شوری کے اجلاس سے ایک دن قبل مجلس مشاورت منعقد کرنے کا مشورہ دیا گیا تاکہ اس مجلس مشاورت میں وہ ایک متفقہ دو سالہ نصاب کا خاکہ تیار کر کے مجلس شوری سے اس کی منظوری حاصل کریں۔

ارکان کمیٹی نے مجلس شوری کے اجلاس سے ایک دن قبل باہمی مشورہ سے مسودہ تیار کر لیا، جس کو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ہفتہ 25 اکتوبر تقریباً دن پونے بارہ بجے اجلاس کی نشست اول زیر صدارت استاذ العلما حضرت علامہ مولانا عطا محمد بندیالوی میں پیش کر دیا اور بتایا کہ اس پر ابھی فیصلہ نہیں کیا گیا، بلکہ دیگر قرا سے مل کر پھر مجلس عاملہ میں اس

پر فیصلہ کیا جائے گا۔ بعدازاں قرا کی مشاورت کے بعد مجلس عاملہ سے تجوید وقراءت کے نصاب کی منظوری ہوگئی۔(۱۹)

7. درجہ حدیث میں مقالہ کی شمولیت:

شیخ الحدیث مولانا حسن دین ہاشمی صاحب نے اجلاس منعقدہ 27.28اکتوبر 1974ء کی نشست سوم میں یہ تجویز پیش کی کہ درجۂ حدیث کے امتحان میں شریک ہونے والے طلبہ تنظیم کی طرف سے دیے گئے موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر مقالہ بھی لکھیں، فی الحال یہ تجویز غور طلب قرار دی گئی۔ چنانچہ اجلاس منعقدہ25.26اکتوبر 1975ء کی نشست دوم میں مقالہ کی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مقالہ اختیاری ہوگا، امتحان میں کامیابی وناکامی کا دارومدار مقالہ پر نہیں ہوگا۔ ڈویژن کے لیے وہی سابقہ تناسب برقرار رہے گا اور مقالہ نگار کے لیے مقالہ کے نمبر ڈویژن کے بڑھانے اور پوزیشن بنانے میں مفید ثابت ہوں گے، لہٰذا1975ء کے سالانہ امتحان میں مقالہ بھی شامل کردیا گیا۔ بعدازاں مقالہ لازمی قرار دیا گیا۔(۲۰)

8. امتحانی بورڈ کا قیام:

امتحانی بورڈ کے قیام سے قبل امتحانات کی تمام تر ذمہ داریاں تنظیم کے مرکزی دفتر پر ہوتی تھیں، جن کو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے بڑی تندہی کے ساتھ بحسن وخوبی نبھایا۔ چونکہ پہلے ہی اجلاس منعقدہ 9 جنوری، 1974ء میں موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف کا نصاب متعین ہوگیا تھا، اس لیے مفتی صاحب نے اجلاس منعقدہ 18 صفر المظفر 1394ھ/13مارچ 1974ء میں سالانہ امتحان کے متعلق بحث کا آغاز کرتے ہوئے

فرمایا کہ ابھی ممتحن حضرات کی نامزدگی ہونی چاہیے تاکہ وہ امتحان کی تیاری شروع کردیں۔ اس پر ایوان نے ناظم اعلیٰ کو کارروائی کرنے کا اختیار دے دیا۔(۲۱)

جس پر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے امتحان کے قواعد وضوابط مرتب کر کے صرف پانچ ماہ بعد شعبان المعظم 1394ھ میں تنظیم کے تحت درجہ حدیث کے امتحان کا انعقاد بھی کردیا۔ آپ نے خود پرچے مرتب فرمائے، ان کی طباعت کا اہتمام کیا، مراکز وناظمین کا تعین فرمایا، پرچوں کو نہایت رازداری کے ساتھ مراکز تک پہنچایا اور نہایت دیانت وامانت کے ساتھ مرتب کردہ نتیجہ مدارس تک پہنچایا۔ پھر 1978ء میں موقوف علیہ کے امتحان کا بھی آغاز کردیا، اگرچہ یہ امتحان تقریری تھا پھر 1981ء کے بعد موقوف علیہ کے تحریری امتحان کا بھی آغاز کردیا گیا۔ تنظیم المدارس کے مرکزی دفتر نے 1974ء سے 1981ء تک امتحانات کے نظام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔(۲۲)

مفتیٔ اعظم پاکستان نے اجلاس منعقدہ 21.20اکتوبر 1981ء کی نشست دوم میں امتحانی بورڈ کے قیام کی تجویز پیش کرتے ہوئے فرمایا: ’’تنظیم المدارس کی سند چونکہ اب ایم۔اے۔ اسلامیات وعربی کے مساوی قرار دی جاچکی ہے، اس لیے ہمیں اس کے تقاضے کے مطابق امتحانات کے نظام کو مزید درست اور مستحکم کرنا چاہیے، اس لیے میری یہ تجویز ہے کہ امتحانات کے لیے ایک علیحدہ ادارہ قائم ہونا چاہیے جو تنظیم المدارس کے ایک شعبہ کے طور پر کام کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تنظیم کے مرکزی دفتر پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے امتحانات کا نظام متاثر ہوتا ہے، جب کہ امتحانات کے سلسلہ میں کم از کم چھ ماہ مسلسل کام کرنا ضروری ہے، اس تسلسل کے پیش نظر مرکزی دفتر دیگر اہم مسائل کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا میری رائے میں چند افراد پر مشتمل امتحانی شعبہ قائم کردیا جائے تاکہ یہ

حضرات اپنی تمام تر توجہ امتحانی نظام پر مرکوز کریں اور امتحانی مراحل کو انتہائی نظم وضبط کے ساتھ منظّم کریں۔ نیز اس شعبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرۂ کار میں بالکل آزاد ہو اور مرکزی دفتر صرف نگرانی کے فرائض انجام دے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس امتحانی شعبہ کا دفتر کسی ایسے مقام پر ہو جو خود امتحانات میں فریق نہ ہو یعنی کسی فوقانی مدرسہ میں نہ ہو بلکہ کسی وسطانی اور تحتانی مدرسہ میں یہ دفتر ہو تاکہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔'' (۲۳)

آپ کی یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کرلی گئی اور طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ امتحانی بورڈ کا دفتر شمس العلوم جامعہ رضویہ، ناظم آباد کراچی ہوگا اور حضرت مفتی صاحب کے تجویز کردہ بورڈ کے پانچ ممبر ہونگے:

۱۔مولانا غلام محمد صاحب (مسئول) ۲۔مولانا غلام دستگیر صاحب (نائب مسئول)
۳۔مفتی مولانا وقارالدین (مشیر) ۴۔مولانا جمیل احمد نعیمی (مشیر)
۵۔مفتی سید شجاعت علی قادری (مشیر) (۲۴)

چنانچہ کراچی میں تنظیم کا امتحانی بورڈ قائم کردیا گیا، تنظیم کی سند ایم۔اے کے مساوی قرار دیے جانے کے بعد نچلے درجات کے امتحانات کی ضرورت بھی محسوس کی گئی تو 1985ء سے ثانویہ عامہ اور 1986ء سے ثانویہ خاصہ اور عالیہ کے باقاعدہ امتحانات کا آغاز ہوگیا۔(۲۵)

14 اپریل 2002ء کے اجلاس میں امتحانات کے رزلٹ میں تاخیر ہونے کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ شعبہ امتحانات لاہور میں مرکزی دفتر کے ساتھ منتقل کردیا جائے۔ جامعہ نعیمیہ، لاہور کے قریب پندرہ لاکھ روپے کی خطیر رقم سے ایک مکان خریدا گیا اور امتحانی بورڈ کراچی سے لاہور منتقل ہوگیا۔(۲۶)

9. سند کی تیاری:

جیسا کہ ابھی گزرا کہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے دوسرے ہی اجلاس میں دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان کی منظوری کروالی تھی۔اس کے بعد سند کی تیاری کا مسئلہ درپیش تھا، لہٰذا مفتی صاحب نے فرمایا کہ سند کا خاکہ تیار کرنے کے لیے بھی کسی کو متعین کردیا جائے، حاضرین کی کثرت رائے سے حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب اور حضرت مولانا وقارالدین صاحب پر مشتمل دورکنی کمیٹی بنادی گئی۔(۲۷)

اجلاس منعقدہ 27، 28 اکتوبر، 1974ء کی نشست دوم میں مفتی صاحب نے سند کا خاکہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''سند کا خاکہ تیار کرنے کے لئے دورکنی کمیٹی نامزد کی گئی تھی، جس کے ارکان حضرت علامہ مولانا وقارالدین صاحب صدر مجلس اور علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری مگر ثانی الذکر نے کوئی دلچسپی نہیں لی، تاہم حضرت وقارالدین صاحب نے خاکہ تیار کیا ہے۔''

چنانچہ حضرت موصوف کا تیار کردہ مسودہ مجلس میں پیش کیا گیا اور اس کے مندرجات پڑھ کر سنائے گئے تو اس پر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب، قصور اور بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ سند میں اپنے مسلک کی کوئی علامت ہونی چاہیے جو کہ اس پیش کردہ مسودہ میں نہیں ہے۔اس پر اتفاق رائے سے مولانا محمد عبداللہ قصوری، مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا حسن دین صاحب اور مولانا مقصود احمد صاحب، لاہور پر مشتمل چار رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی کہ وہ ایک گھنٹہ میں مسودہ میں ترمیم کرکے مجلس میں پیش کرے۔

ایک گھنٹہ بعد سند کو بحث کے لیے دوبارہ پیش کرتے ہوئے مولانا محمد عبداللہ قصوری

نے سند کے مندرجات پڑھ کرسنائے تو ناظم اعلیٰ نے اس پر بحث کی تحریک پیش کی۔ سند کے متن سے غیر متعلق سرورق کے ابتدائی کلمات منظوری کے لیے پڑھے گئے تو کچھ اراکین مجلس نے اپنی تقاریر میں ان کلمات کوسند میں درج کرنے کی مخالفت کی جبکہ بعض حضرات نے اندارج کی حمایت کی تو اس مسئلہ پر اختلاف رائے بڑھ گیا، صدر صاحب نے مجلس برخاست کرنے کا اعلان کردیا اور فرمایا کہ صبح کے اجلاس میں اس پر دوبارہ بحث ہوگی۔

اگلی صبح نشست سوم میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے سند کے مسودہ کودوبارہ بحث کے لئے پیش کیا تو حاضرین کی اکثریت نے علامہ سید ابوالبرکات شاہ صاحب، صدر تنظیم المدارس وصدر مجلس کی خدمت میں فیصلہ کے لیے حق دے دیا، آپ نے مفتی غلام سرور صاحب کے پیش کردہ متبادل کلمات کی سرورق پر منظوری دے دی، جس کو تمام مجلس کے اراکین نے اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔ اس پر مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے سند کے باقی مندرجات بھی مجلس میں پیش کر کے منظوری لے لی۔(۲۸)

پیش کردہ کارروائی سے معلوم ہوا کہ تنظیم المدارس کی سند کی تیاری ومنظوری اس صدی کے اکابر علما کی زیر نگرانی ہوئی۔

10. پوزیشن ہولڈرز میں تقسیم انعامات کی تقاریب:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے تنظیم المدارس کے سالانہ امتحانات میں پوزیشن لینے والے طلبہ میں تقسیم انعامات کی تقاریب کا بھی آغاز کیا، جن کا اہتمام آپ باقاعدگی کے ساتھ تنظیم کے اجلاسوں میں کرتے رہے۔ یہ تقاریب مجلس شوری کے اجلاس میں منعقد کی جاتی تھیں۔ اجلاس کے ایجنڈا کی آخری شق نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا و

طالبات میں تقسیم انعامات ہوتی تھی۔ اجلاس میں تشریف لائے ہوئے اکابر علما کے ہاتھوں انعامات تقسیم کر کے طلبا وطالبات کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ سب سے پہلی تقریب 25، 26 اکتوبر 1975ء/ 20.19 شوال المکرّم 1395ھ کو منعقد ہوئی، جس میں علامہ عبد المصطفیٰ ازہری صاحب نے درجہ حدیث کے امتحان میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو اپنے ہاتھ سے انعامات (خوبصورت کتب کی صورت میں) تقسیم فرمائے۔(۲۹)

11. آمد وخرچ اور ڈاک کا حساب وکتاب:

بلاشبہ ہر تنظیم کے فنڈز حفاظت، حساب وکتاب اور مصرف میں امانت ودیانت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ تنظیم کی آمدن وخرچ کے حساب وکتاب میں بہت سخت گیر تھے۔ آپ نے پہلے دن سے ہی تنظیم کے آمد وخرچ کا مکمل ریکارڈ محفوظ رکھا، آمد وخرچ کا سالانہ گوشوارہ تیار کرواتے تھے اور پھر سالانہ اجلاس میں آمدن وخرچ اور بقایا کی مکمل تفصیل پیش فرما کر اجلاس کی کارروائی کے ساتھ اشاعت کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کی نظامت میں پہلا اجلاس 13 مارچ 1974ء کو منعقد ہوا، آپ نے اس اجلاس میں بھی آمد وخرچ کی تفصیل سے آگاہ کیا:

آمدن: 8050 روپے   خرچہ: 1535/25 روپے

اسی طرح آپ ڈاک کی آمد ورفت کے بارے بھی سخت حساب رکھتے تھے، ڈاک کے جواب میں کسی قسم کی کوتاہی وسستی برداشت نہ فرماتے تھے۔ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ڈاک کی آمد ورفت کے بارے میں آپ بہت حساس تھے، سرراہ بھی پوچھ لیتے اور

ان الفاظ کے ساتھ توجہ دلاتے ''میرے بھائی! ڈاک کا جواب وقت پر دیا کرو!!'' حتیٰ کہ جب مرکزی دفتر جامعہ نعیمیہ چلا گیا اور تمام ذمہ داری ناظم اعلیٰ ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی رحمہ اللہ کے کاندھوں پر آ گئی تو اس وقت بھی مجھے یاد ہے کہ ایک دن ناظم دفتر مولانا محمد اسلام سعیدی جب جامعہ نظامیہ رضویہ آئے تو آپ نے فرمایا ''اسلام صاحب! ڈاک کا جواب دینے میں کوتاہی نہ کرنا!'' (۳۰)

پھر سالانہ اجلاس میں ڈاک کی تفصیل سے بھی آگاہ کرتے تھے کہ اس عرصہ میں جاری شدہ خطوط اور موصول ہونے والے خطوط کی تعداد کتنی ہے۔ یہاں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

☆ مفتی صاحب کے نظامت سنبھالنے کے دو ماہ بعد (۹ جنوری ۱۹۷۴ء تا ۱۳ مارچ ۱۹۷۴ء) پہلے اجلاس میں ڈاک کی رپورٹ یہ تھی:

ڈاک آمد: 521 ڈاک روانگی: 165

☆ یکم جنوری ۱۹۹۵ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۹۷ء رپورٹ ڈاک:

ڈاک آمد: 1296 ڈاک روانگی: 17471

تفصیل پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی ادارہ یا تنظیم کی ترقی و بالیدگی میں نظم و ضبط کی پابندی اور امانت و دیانت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اسی کی بدولت تنظیم المدارس کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

12. قاضی کورس کا اجرا:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے 1980ء میں دو سالہ قاضی کورس کے اجرا کے

لیے ایک تحریک چلائی۔ لاہور، کراچی اور ملتان میں دو سالہ کورس ترتیب دینے کے لیے متعدد علاقائی اجلاس بھی منعقد کیے گئے، بعد ازاں حالات منقلب ہونے پر دو سالہ کورس کے بجائے ششماہی کورس کی ضرورت پیش آئی۔

چنانچہ 24 جون 1981ء کو تنظیم کی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا، جس میں ششماہی کورس منظور کیا گیا اور طے پایا کہ رمضان کے بعد مختلف مقامات پر تنظیم کی نگرانی میں کورس شروع کر دیا جائے، اس لیے اب دو سالہ نصاب میں سے ششماہی نصاب اخذ کرنے کے لیے جامعہ نعیمیہ، لاہور میں ہفتہ وار متعدد اجلاس منعقد ہوئے۔ حکومت نے بھی اس سلسلہ میں ششماہی کورس کا اجرا کر دیا اور اس کے لیے ایک اجمالی نصاب بھی متعین کر دیا، اس لیے اب حکومتی اقدامات کی روشنی میں تنظیم کے مرکزی دفتر سے مختلف مرکزی شہروں میں مرکزی مدارس کو اپیل کی گئی کہ ششماہی قاضی کورس کا اہتمام کیا جائے اور ساتھ ہی لاہور میں مرتب کردہ ششماہی نصاب کی کاپیاں روانہ کر دی گئیں۔

مفتی محمد حسین صاحب نعیمی رحمہ اللہ نے قاضی کورس کے جملہ انتظامات اور اس کے اخراجات کا منصوبہ اپنے ذمہ لے لیا، جس کے لیے موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف فرمائیں اور ایک بے مثال اور معیاری منصوبہ تیار کیا، جس پر تنظیم کے ناظم اعلیٰ نے حضرت مفتی صاحب موصوف کی کوششوں کو سراہا بلکہ اس کو تنظیم کے لیے قابلِ فخر کارنامہ قرار دیا۔ تنظیم کے اکابرین نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ قاضی کورس کا افتتاح اس کے انتظامات کے شایانِ شان ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ تنظیم المدارس کے اجلاس کے موقع پر قاضی کورس کی افتتاحی تقریب کی جائے تاکہ تنظیم المدارس کے اراکین ملک بھر سے نمائندگی کر سکیں۔ مفتی محمد حسین نعیمی مرکزی خازن تنظیم المدارس نے تنظیم کے سالانہ اجلاس منعقدہ

21ذوالحجہ 1401ھ/20اکتوبر 1981ء کے اخراجات کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لے لیا اور یوں طے پایا کہ امسال تنظیم المدارس کی شوریٰ کا سالانہ اجلاس جامعہ نعیمیہ، لاہور میں ہوگا۔

مفتی محمد حسین نعیمی صاحب علیہ الرحمہ تقریباً دو ماہ اس تقریب کے انتظامات میں مصروف رہے، چنانچہ حسب پروگرام 21 اکتوبر بروز بدھ ظہر کی نماز کے بعد 3 بجے قاضی کورس کی افتتاحی تقریب زیر صدارت حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی انعقاد پذیر ہوئی، جس میں قاضی کورس میں شمولیت اختیار کرنے والے علما، وکلا اور اس کورس کے لیے منتخب کردہ اساتذہ کرام کے علاوہ تنظیم المدارس کی شوریٰ کے اراکین نے شرکت فرمائی۔ اس افتتاحی اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن اور نعت رسول مقبول ﷺ سے ہوا۔ اس کے بعد تنظیم المدارس کے صدر گرامی حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی نے اپنے افتتاحی خطبے میں اس کورس کے پس منظر و اہمیت پر روشنی ڈالی اور تنظیم المدارس کی کوششوں کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں مرکزی وزیر خارجہ راجہ ظفر الحق صاحب نے تقریر فرمائی۔ افتتاحی تقریب کا اختتام صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرت صدر گرامی کی دعا پر ہوا۔ (۳۱)

13. تنظیم المدارس کی سند کو ایم۔ اے۔ کے مساوی قرار دلوانے کے لیے مساعی:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے تنظیم کی سند کو ایم۔اے۔ کے مساوی قرار دینے کے لیے جو ہمہ جہت کوشش فرمائی اور طریقہ کار اپنایا' اس کا خاکہ پیش ہے:

☆ سینٹ میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ کے ذریعے 1976ء میں قرارداد پیش کی گئی، جسے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے سپرد کر دیا گیا۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کو ان کے مطالبہ

پر مرکزی دفتر کی طرف سے مکمل ریکارڈ کی فائل اور نصاب تعلیم کی چند کاپیاں پہنچائی گئیں۔

☆ قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ کے ذریعے قومی اسمبلی میں تحریک پیش کرائی گئی۔

☆ صوبائی اسمبلی میں جمعیت علماءِ پاکستان کے ممبران: حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی اور حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی علیہم الرحمہ کے ذریعے قرارداد پیش کی گئی، جسے بحث کے لئے منظور کر لیا گیا۔

☆ ملک کے چاروں صوبوں کے محکمہ ہائے تعلیم سے رابطہ قائم کر کے تنظیم کی سند کی منظوری کے لیے دفتر کی طرف سے علیحدہ علیحدہ فائلیں پیش کی گئیں۔

☆ وزیر تعلیم سے اس مقصد کے لیے دو سے تین دفعہ تنظیم کے ایک وفد نے ملاقاتیں کیں، جس میں حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب، حضرت صاحبزادہ طیب الرحمان صاحب، حضرت مولانا پیر محمد چشتی صاحب اور علامہ فضل سبحان صاحب شامل تھے۔

☆ صدر پاکستان محترم جناب محمد ضیاء الحق صاحب کو مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ 28 اکتوبر 1980ء بمقام جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی میں دعوت دی گئی، جس میں صدرِ پاکستان تشریف لائے اور خطاب بھی فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے صدر صاحب کو تنظیم کی جانب سے ایک خط ارسال فرمایا جس کے مطالبہ نمبر 5 میں یہ تحریر فرمایا کہ: ''تنظیم المدارس کی سند کو ایم۔اے۔ کے برابر قرار دیا جائے اور اس سلسلے میں کوئی بے جا شرط عائد نہ کی جائے۔''

اب ان کاوشوں کے نتائج کی طرف آتے ہیں:

☆ اولاً حکومتِ بلوچستان کی طرف سے تنظیم سے ملحقہ آٹھ مدارس کی اسناد کو منظور کیا

گیا، پھر صوبہ سرحد و بلوچستان میں تنظیم کے تمام رکن مدارس کی سندات کو منظور کر لیا گیا۔

☆ صدرِ مملکت نے دینی مدارس کی اسناد کا معاملہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے سپرد کر دیا جس کے سربراہ ڈاکٹر محمد افضل صاحب، وفاقی وزیر تعلیم تھے۔انہوں 1981ء کی ابتدا میں علما اور ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے 18 فروری 1981ء کو اپنی رپورٹ پیش کر دی، جسے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے اجلاس 16 اپریل 1981ء میں منظور کر لیا اور بالآخر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ان تھک کوششوں کے بعد 22 جولائی، 1981ء کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے تنظیم کی سند ایم۔اے۔عربی و اسلامیات کے مساوی ہونے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا۔(۳۲)

14. ابتدائی درجات کی اسناد کی منظوری کے لیے مساعی:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ درجہ عالیہ سے نچلے درجات کی اسناد کی منظوری کے لیے بھی مسلسل جد و جہد فرماتے رہے۔جس کے لیے آپ نے 16 اکتوبر، 1994ء کو تنظیم المدارس اور دیگر وفاقوں کے نمائندوں سمیت گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور نچلے درجات کی اسناد کی منظوری سے متعلق مدارس کی تشویش سے انہیں آگاہ کیا، گورنر صاحب نے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کروائی۔ نیز اُن سے کہا گیا کہ وہ اسناد کی منظوری کے معاملے میں سیکرٹری تعلیم اور مختلف بورڈوں کے چیئر مین حضرات کے ساتھ ہماری نشست رکھیں۔(۳۳)

یہ معاملہ 1997ء تک چلتا رہا اور وزارت تعلیم کی طرف سے حیلے بہانوں سے کام لیا جاتا رہا۔ چنانچہ اکتوبر 1997ء میں تنظیم اور وفاق کے ناظمین وصدور کی وزیر اعلیٰ پنجاب سے ایک میٹنگ ہوئی اور ایک درخواست پیش کی گئی جس پر انہوں نے کارروائی کا وعدہ کیا لیکن یہ وعدہ وفا نہ ہوا۔(۳۴)

15. تنظیم سے ملحقہ مدارس کے طلبا اور فضلا کے حقوق کے لیے مساعی

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے طلبا اور فضلا کے حقوق کے حصول لیے مختلف محکموں میں درخواستیں پیش کیں، جس کی رپورٹ پیش ہے:

☆ محکمہ اوقاف: اوقاف کے مختلف شعبوں میں ملازمت کے لیے تنظیم کی سند کو قابلِ قبول قرار دیا جائے۔

☆ محکمہ افواج: تنظیم کے فضلا کو فوج میں ملازمت مہیا کی جائے۔

☆ محکمہ ٹرانسپورٹ: دینی طلبا کو کرایہ کی رعایت دی جائے۔

☆ محکمہ ریلوے: دینی طلبا کو ریلوے کرایہ میں رعایت دی جائے۔(درخواست وفاقی وزیر ریلوے کو دی)

مسلسل سعی کے نتائج:

۱۔محکمہ اوقاف نے تنظیم کی سند قبول کر لی۔

۲۔محکمہ افواج نے تنظیم کے فضلا کو ملازمت کی یقین دہانی کرائی۔

۲۔محکمہ ٹرانسپورٹ نے کرایہ کی رعایت کو قبول کر لیا۔(۳۵)

علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے صدر پاکستان محترم جناب محمد ضیاء الحق صاحب کو جو خط تحریر فرمایا تھا، اس میں علما اور طلبہ کے حقوق کے بارے میں تحریر فرمایا:

☆ بیرون ملک تعلیمی وظائف کے سلسلے میں تنظیم المدارس کی خدمات کے پیش نظر اس کا کوٹہ مخصوص کیا جائے جو باصلاحیت طلبہ کو پیش کیا جا سکے۔(ڈاکٹر محمد افضل صاحب، وفاقی وزیر تعلیم کو سپاس نامہ میں بعض تجاویز پیش کیں' ان میں سے ایک ذکر کردہ بھی تھی، دیکھیے:

کاروائی مجلس، اپریل ۱۹۸۴ء)

☆ سرکاری سطح پر جو بھی ادارے قائم ہیں ان میں اہل سنت کو اُن کی صحیح اور جائز نمائندگی دی جائے۔

☆ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی طرح دینی مدارس کے طلبہ کو بھی ہر سطح پر رعایتیں دی جائیں اور اِن رعایتوں کو قانونی تحفظ عطا کیا جائے۔ (۳۶)

مدارس کے خلاف حکومتی اقدامات کے ردِّ عمل میں مفتیٔ اعظم پاکستان کی بروقت، مثبت اور راست پالیسیاں

مملکتِ خداداد پاکستان کے اربابِ اقتدار کی جانب سے ہر دور میں مدارس کے خلاف سازشوں کے جال بچھائے جاتے رہے ہیں، کبھی مدارس کو حکومتی شکنجے میں جکڑنے کی سازش کی گئی تو کبھی زکوٰۃ کی بندش کی آڑ میں مدارس کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی، کبھی مختلف آرڈیننس کا سہارا لے کر مدارس پر پابندیاں لگانے کی چال چلی گئی تو کبھی مختلف الزامات کے پس پردہ مکروہ کھیل کھیلنے کے تانے بانے بنے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اسلام کے قلعوں کی حفاظت فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ہر حکومتی سازش کا تنظیم کے پلیٹ فارم سے بروقت اور مثبت جواب بھی دیا اور عملی کارروائی بھی فرمائی۔ 1994ء تک مدارس کے لیے زکوٰۃ کا علیحدہ نظام قائم رہا اور مدارس کو ایک مخصوص حصہ ملتا رہا، حتیٰ کہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ خود مرکزی و صوبائی زکوٰۃ کونسل کمیٹی کا متعدد بار حصہ صرف اس لیے بنے تا کہ مدارس کو زکوٰۃ کے حصول و تقسیم میں کوئی پریشانی نہ آئے، لیکن اس دوران بھی زکوٰۃ کے نظام

میں ہر حکومت نئی تبدیلیاں لاتی رہی اور مدارس کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی رہیں۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ہر نئی تبدیلی و بندش کے خلاف مثبت آواز اٹھائی۔ سندھ و بلوچستان کے مدارس کی شکایات پر سندھ و بلوچستان کے مدارس کا دورہ کیا اور چیف ایڈمنسٹیٹرز زکوٰۃ و عشر سندھ اور بلوچستان سے ملاقات کر کے مدارس کی شکایات کا حل کروایا۔ آپ نے صدرِ پاکستان اور وزیر مذہبی امور تک کو زکوٰۃ کے مسائل بارے خطوط ارسال کیے اور مسائل کا حل فرماتے رہے۔ بالآخر 1994ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے مدارس کے لیے زکوٰۃ کے علیحدہ نظام کو ختم کر دیا گیا، جس کی بحالی کے لیے آپ نے گورنر سے ملاقات بھی کی، لیکن تعاون کی یقین دہانی کے باوجود کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی گئی۔

علاوہ ازیں مدارس کو حکومتی شکنجے میں جکڑنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے کی صدارت میں منصوبہ بندی...... 1994ء میں مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ...... 2000ء میں مدارس کا حکومتی سروے...... 2001ء میں سرکاری مدرسہ بورڈ آرڈیننس...... اور 2002ء میں مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس...... ان تمام حکومتی سازشوں کے خلاف حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ہنگامی اجلاسوں میں مجلس شوریٰ اور عاملہ سے مشاورت کے بعد مثبت کارروائیاں فرمائیں اور حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اختصار کے پیش نظر ان کارروائیوں کی تفصیل پیش نہیں کی جا رہی۔

تنظیم المدارس کی ترقی میں کارفرما وجوہات

کسی بھی ادارہ یا تنظیم کی ترقی و بالیدگی اور بڑھوتڑی میں جو عناصر کارفرما ہوتے ہیں اُن میں اخلاص، ٹیم ورک، نظم و ضبط، احساسِ ذمہ داری، استقامت و استقلال اور مسلسل

جدو جہد جزوِ لا ینفک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نہ صرف خود اِن جملہ عناصر ومحاسن کے مالک تھے، بلکہ آپ نے جس ٹیم کے ساتھ کام کیا وہ بھی ان اوصاف ومحامد سے مشرف تھی، جس کے نتیجہ میں تنظیم المدارس نے روز افزوں ترقی کے زینے طے کیے۔

اس حوالے سے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر باصرہ نواز ہے:

''کسی تنظیم کی کامیابی اور اُس کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اربابِ تنظیم، نظم وضبط کے پابند اور پُر خلوص ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوں اور پھر تسلسل کے ساتھ اپنے منصبی فرائض کو ادا کرنے کے لیے کوشاں رہیں اور اس میں تساہل اور بے اعتنائی سے پرہیز کرتے رہیں، ورنہ کامیابی کے تمام اسباب کے باوجود تساہل اور بے اعتنائی انسان کو اپنے مقصد سے محروم کر دیتی ہے...... جیسا کہ نہایت باصلاحیت افراد اکتساب میں کوتاہی کی بنا پر ناکام رہتے ہیں اور اس کے برخلاف کم استعداد کے افراد مسلسل کسب کی بنا پر اپنے مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تنظیم کی اجتماعیت بھی اراکینِ تنظیم کی مسلسل جدو جہد سے ہی قائم رہتی ہے۔ الحمد للہ تنظیم المدارس اہل سنت کی ایک ایسی تنظیم ہے جس کے اربابِ انتظام اور اراکین نہ صرف اِس کو قائم ودائم رکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں، بلکہ وہ اس تنظیم کی کارکردگی کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے مسلسل کوشاں ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ تنظیم المدارس کی ہر سال سالانہ رپورٹ ماضی کی نسبت حوصلہ افزا ہوتی ہے اور اس کا سالانہ اجتماع اراکین کی دلچسپی کا مظہر ہوتا ہے۔'' (۳۷)

ناظم کی مسلسل نگرانی اور باز پرس:

تنظیم کی ترقی میں کارفرما مذکورہ بالا عناصر کے علاوہ منتظم کا مسلسل نگرانی، باز پرس اور تربیت کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اِس میں تساہل برتنے پر اراکین یا ممبر زستی وکاہلی کا شکار

ہو جاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ بحیثیتِ منتظم اس وصف سے بھی سرشار تھے۔ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ اپنے ماتحت عملہ کی تربیت بھی فرماتے تھے اور ان پر بھرپور اعتماد بھی فرماتے تھے۔ راقم نے ۲۶/۲۵ سال تنظیم کے دفتر میں ڈیوٹی دی اور اس بات کا بخوبی مشاہدہ کیا، لیکن اس اعتماد کے باوجود آپ کی گرفت مضبوط رہتی تھی اور ناظم دفتر کے سر پر مسئولیت کی تلوار ہر وقت لٹکی رہتی تھی جو اس ادارے کی کامیابی کا راز ہے۔'' (۳۸)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''جب تنظیم کا کام بڑھ گیا اور نظام امتحانی کے لیے ایک شعبہ قائم کر دیا گیا، جس کے لیے حضرت مولانا غلام محمد سیالوی کو ناظم مقرر کر دیا گیا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کے بعد اپنی ذمہ داری کو کبھی نہ بھلایا۔ نتیجہ کے اعلان میں تاخیر ہو جاتی تو باقاعدہ باز پرس کرتے اور قدم قدم پر شعبہ امتحانات کی رہنمائی فرماتے۔'' (۳۹)

امانت ودیانت:

کسی بھی تنظیم کے فنڈز میں خیانت اور اُن کا بے جا استعمال تنظیم کو تنزلی وانحطاط کا شکار کر دیتا ہے، اس کے برعکس تنظیمی فنڈز کی حفاظت میں امانت و دیانت اور صرف میں اِسراف سے احتراز اس کو ترقی کی راہ پہ گامزن کر دیتا ہے۔ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

''سندات اور تنظیمی فنڈز کی حفاظت جس امانت و دیانت کی متقاضی تھی حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ اُسی امانت و دیانت کے وصف سے سرشار تھے۔ شعبہ امتحان کے سربراہ

علامہ غلام محمد سیالوی جانتے ہیں کہ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کس قدر سخت تھے، وہ فرماتے تھے: "شعبۂ امتحان کو خود وسائل پیدا کرنا چاہییں؛ میں مرکز سے ہرگز فنڈ نہیں دوں گا"۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک پائی جمع کرنے کی مثال آپ پر صادق آتی ہے۔'' (۴۰)

مسلسل رابطہ:

تنظیم سے وابستہ احباب سے منتظم کا مسلسل رابطہ رکھنا، بوقتِ ضرورت خود جا کر اُن سے ملاقات کرنا اور اُن کی مشکلات کا ازالہ کرنا...... اُن کے حوصلہ کو بلند، تنظیم سے وابستگی میں مزید پختگی اور کام کرنے کے شوق کو مزید جلا بخشتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے احباب سے رابطہ کے لیے ڈاک کا ایک مضبوط نظام قائم کر رکھا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کی مشکلات کے حل کے سلسلہ میں دُور دراز کا سفر کر کے اُن سے ملاقات کرتے اور ہر طرح سے تعاون فرماتے۔ چنانچہ سندھ اور بلوچستان کے مدارس کی مشکلات کے دفعیہ کے لیے یکم مارچ، 1984ء کو شروع ہونے والے نو روزہ دورہ میں آپ کی بہت سے مدارس تشریف آوری ہوئی، ان کی کارکردگی کا جائزہ لیا، مشکلات کو سنا، ازالہ کے لیے مختلف شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور 9 مارچ کو واپس لاہور پہنچے اور پھر دورہ سرحد کے لیے 10 اپریل، 1984ء کو لاہور سے تشریف لے گئے، مدارس کی صورتِ حال کا جائزہ لیا، مشکلات کا حل فرمایا اور 13 اپریل کو واپسی ہوئی۔ (۴۱)

اِن تمام کاوشوں اور کوششوں کے نتیجے میں اللہ جل جلالہٗ نے تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائی۔ سابق ناظم مرکزی دفتر تنظیم المدارس مولانا محمد طفیل صاحب ان وجوہات کی بنیاد پر تنظیم کی ترقی اور پھر اس سے مدارس کو حاصل شدہ

فوائد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''تنظیم المدارس کے محاذ پر ہمارے علما نے جس جذبۂ ایثار اور نظم وضبط کا مظاہرہ فرمایا ہے، وہ بے مثال ہے اور پھر اس سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ مدارس، علما اور طلبا کا ایک نظام میں مربوط ہونا، تعلیمی معیار میں مسابقت، صلاحیتوں میں جدت، ٹھوس بنیادوں پر کارکردگی کو ذریعۂ تعارف بنانا، مدارس کے وجود کا احساس دلانا اور ان کے لیے حقوق کی فکر کا مضبوط کرنا اور سب سے اہم کامیابی یہ کہ شاہی انتظامات میں شہزادوں کی تربیت اور مدارس و مساجد کی چٹائیوں پر بوریا نشینوں کی تربیت کو مساوی تعلیم کروالینا اگرچہ رسمی سہی، یہ سب تنظیم، استقامت اور مسلسل کارکردگی کے ہی ثمرات ہیں۔'' (۴۲)

مفتیٔ اعظم پاکستان کی بطور ناظمِ اعلیٰ متعدد بار انتخاب کی وجوہ

اس عنوان پر بحث سے قبل یہ جاننا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ کسی بھی تنظیم کے لیے جدید انتخابات کی احتیاج و ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا محمد طفیل صاحب کی تحریر کا اقتباس پیش ہے:

''کسی تنظیم کی بقا اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے رہنما تجربہ کار اور اُس کی انتظامیہ بہتر سے بہتر افراد پر مشتمل ہو، انتظامیہ کی بہتری معلوم کرنے کے لیے افراد کا تقابلی جائزہ ضروری ہے، جبکہ تقابل پیدا کرنے کے لیے عملی مدت کی مہلت ختم ہونے پر دوسروں کو بھی عمل کا موقع دیا جائے۔ اس جدید انتخاب سے ایک طرف نیا جذبہ اور تازہ ولولہ تنظیم کو میسر آتا ہے تو دوسری طرف تنظیمی جذبہ کے حامل افراد کو اپنی صلاحیتیں اُجاگر کرنے کا موقع ملتا ہے، جس سے وہ تجرباتی دور کو عبور کر کے رہنمائی کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح

تنظیم کے لیے رہنماؤں کی ایک کھیپ تیار ہو جاتی ہے جو کہ انتظامیہ کو سوچ دیتی ہے اور ان کے عمل کی نگرانی کرتی ہے۔اس مرحلہ میں داخل ہونے والی جماعت ہی حقیقی معنوں میں تنظیم کہلاتی ہے......تو معلوم ہوا کہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے تنظیم اور تنظیم کو مضبوط کرنے کے لیے اس کو بار بار انتخاب کی زد میں لانا ضروری ہوتا ہے۔''(۴۳)

اس اقتباس سے جدید انتخاب کے دو بنیادی مقاصد معلوم ہوئے:

۱۔تنظیم کی کارکردگی میں پہلے کی نسبت مزید بہتری لانا۔

۲۔منتظمانہ صلاحیت کے حامل افراد کی تیاری۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے دورِ ناظمیت میں تنظیم کا ہر آنے والا دن گزرنے والے دن سے بہتر وخوب بلکہ خوب تر ہوا اور کوئی دن ایسا نہ گزرا کہ جس میں تنظیم نے کوئی نئی کامیابی وفتحیابی حاصل نہ کی ہو......جس کی مختصر تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے......اور آپ نے اپنی تربیت کے ذریعے منتظمین کی ایک جماعت تیار کر ڈالی، جنہوں نے تنظیم کے اُمور کو بحسن وخوبی سرانجام دیا۔اِن ہر دو مقاصد کے حصول کی وجہ سے تنظیم کی مجلس شوریٰ نے ہر انتخاب میں یہ کہہ کر کہ ''تنظیم کی کارکردگی حوصلہ افزا ہے اور خوب سے خوب تر ہے'' حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو ناظم کے عہدہ پر بحال رکھا، حالانکہ آپ نے ہر دفعہ جامعہ کی مصروفیات کی بنا پر معذرت چاہی، لیکن آپ کی معذرت کو قبول نہ کیا گیا۔

مفتی صاحب کے انتخاب کے لیے دستور میں ترمیم:

1977ء کے انتخاب میں آپ کو ناظم بنانے کے لیے مجلس شوریٰ نے دستور میں تبدیلی کرڈالی، اس اہم وغیر معمولی اجلاس کی کارروائی پیش خدمت ہے:

''28 نومبر، 1977ء کے مجلس شوریٰ کے اجلاس کی شق نمبر 3 کے مطابق

عہدیدارانِ تنظیم کا انتخاب جدید ہونا تھا۔اس تیسری شق کو زیرِ بحث لانے کے لیے مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس میں گنجائش نہ تھی، کیونکہ دیگر شقوں پر بحث ومباحثہ کرتے کرتے دن کا ایک بج چکا تھا، اس پر ناظم اعلیٰ حضرت مفتی صاحب کا خیال تھا کہ دوسرے اجلاس میں انتخاب کی کارروائی کی جائے تاکہ حاضرین اپنی مرضی کے مطابق نئے حضرات کو نامزد کرکے ان کو عہدہ تفویض کرتے ہوئے موزونیت پر کھل کر بحث کرسکیں، مگر جناب مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کا اصرار تھا کہ انتخابی کارروائی اس پہلے اجلاس میں ہی مکمل کرلی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ناظم اعلیٰ کے بجائے خود ہی بحث کا آغاز کر دیا اور یہ فرمایا کہ جدید انتخاب کے بجائے سابقہ عہدیداران پر ہی اعتماد کیا جائے جس پر فوراً تمام ہاؤس نے تائید کر دی۔

اس پر ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے کہا کہ حضرات یہ کارروائی خلافِ ضابطہ ہے، کیونکہ تنظیم کے قاعدہ نمبر 13 کے ضابطہ نمبر 2 کے تحت کوئی عہدیدار دو مرتبہ سے زائد منتخب نہیں کیا جاسکتا، نیز تنظیم کی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے نئی اور تازہ قیادت ضروری ہے، تاکہ وہ نئے ولولہ کے ساتھ تنظیم کو ترقی دے سکیں۔ اس کے علاوہ میں اب مرکزی نظامت کو قبول کرنے سے معذور ہوں کیونکہ مجھے مدرسہ کی مشکلات اور تدریس کے فرائض انجام دینے ہوتے ہیں اور تنظیمی خدمات کی وجہ سے مدرسہ کے بہت سے اُمور اُلجھے پڑے ہیں، جب سے مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے اسی وقت سے مدرسہ کی تعمیر رکی پڑی ہے اس لیے بھی یہ عظیم ذمہ داری کسی اور کے سپرد کی جائے۔

مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے دوبارہ کہا کہ حضرات گزارش ہے چونکہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب نے بہت اعلیٰ کارکردگی دکھائی ہے اور انہوں نے تنظیم کو بامِ عروج تک پہنچایا ہے؛ لہٰذا ہم اس بہت بڑی تنظیم کو تجربات کی بھینٹ نہیں چڑھائیں

گے، ہم سب کو ان پر اعتماد ہے، لہٰذا اگر قانونی رکاوٹ بھی ہے تو اس کو دور کریں گے۔ اس موقع پر بھی ہاؤس نے ان کی تائید کردی اور حاضرین نے پر زور مطالبہ کیا کہ سابقہ عہدیداران کو ہی بحال رکھا جائے۔

حضرت مفتی صاحب نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے کہا کہ حضرات! آپ کے اظہارِ اعتماد اور تحسین پر میں شکریہ ادا کرتا ہوں، مگر میری گزارش کی طرف بھی توجہ فرمائیں کہ ایک تو قانونی پابندی ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مفتی نعیمی صاحب کی تحریک بھی خلافِ ضابطہ ہے کیونکہ وہ خود بھی عہدیدار اور مرکزی خازن ہیں، اس لیے وہ خود اپنے لیے کیسے تحریک کر سکتے ہیں۔ نیز میری مجبوری کو پیشِ نظر رکھیں، میں گزشتہ دو سال سے منتظر ہوں کہ تنظیم کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر جامعہ کی تعمیر و ترقی کی طرف متوجہ ہو سکوں۔ پھر آپ خیال فرمائیں کہ اگر میں نے اچھی کارکردگی کی ہے تو مجھے اس کے صلے میں چھٹی ملنی چاہیے اور میں آرام کا مستحق ہوں اور اگر میری کارکردگی اچھی نہیں تو مجھے دوبارہ منتخب کرنا درست اور موزوں نہیں ہے۔''

مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''قانونی رکاوٹ کا مسئلہ ابھی حل کر لیتے ہیں کہ قاعدہ نمبر 13 کا ضابطہ نمبر 2 مجلس شوری نے منظور کیا تھا اور یہی مجلس شوری قانون میں ترمیم کر کے اس ضابطہ کو ختم کرتی ہے۔ نیز کام کے بوجھ کے سوال کا حل بھی یہ ہے کہ مجلس شوریٰ نائبِ ناظم اعلیٰ، بلکہ صوبائی ناظمین کے لیے بھی نائبین کا عہدہ مقرر کرتی ہے، اس پر تمام ہاؤس نے ان کی تائید کی۔

مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب نے باقاعدہ دو ترمیمیں پیش کیں:

ترمیم نمبر ۱: تنظیم المدارس کی مجلس شوری ناظم اعلیٰ اور صوبائی ناظمین کو یہ اختیار دیتی

ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو اپنے لئے کسی بھی تنظیم کے رکن کو اپنا نائب مقرر کر سکتے ہیں، یہ ترمیم فوراً نافذ العمل ہوگی۔

ترمیم نمبر ۲: تنظیم المدارس کی مجلس شوری قاعدہ نمبر 13 کے ضابطہ نمبر 2...... جس کی رُو سے تنظیم المدارس کے کسی عہدیدار کو دو مرتبہ کے بعد منتخب نہیں کیا جائے گا...... کو کالعدم قرار دیتی ہے اور آئندہ کوئی بھی عہدیدار دو سے زائد مرتبہ بھی منتخب ہو سکے گا۔ یہ ترمیم 28 نومبر، 1977ء کو ہی نافذ العمل ہوگی اور ان دونوں ترمیموں کو اجلاس نے باتفاقِ رائے منظور کر لیا۔(۴۴)

اسی لیے حضرت مفتی محمد صدیق صاحب ہزاروی نے یہ رقم فرمایا:

''اربابِ علم و دانش اور عقل و شعور کی دولت سے مالا مال حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تقریباً 28 سال کا طویل عرصہ بطور ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس کا کام کیا اور آپ کی کارکردگی کو سلام کرتے اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے مجلس عاملہ اور شوری کو بار بار دستور میں تبدیلی کرنا پڑی، تاکہ تنظیم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدماتِ جلیلہ اور اخلاص پر مبنی مساعی سے محروم نہ ہو جائے۔ کسی شخص کی کسی ادارے کے لیے بے لوث اور اَن تھک خدمات اور مقاصد میں کامیابی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟''(۴۵)

بطور ناظم آخری خطاب:

مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے تقریباً 28 سال اس عہدہ سے وفا کی، بالآخر آپ نے 23 ستمبر، 2001ء کو مجلس شوری کے اجلاس میں تنظیم کے رولز کے مطابق استعفا پیش کر دیا۔ اس موقع پر آپ نے ایک فکر افروز و فکر انگیز خطاب فرمایا، جو صاحبِ عقلِ سلیم کو

فکر خیزی وفکر فرسائی کی جانب مائل کرنے کے لیے کافی ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

’’آپ نے مائک پر تشریف لاکر مندوبین کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا اور اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت جب اہل سنت وجماعت ٹوٹی ہوئی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کی طرح ہیں، الحمدللہ! تنظیم المدارس فعّال کردار ادا کررہی ہے۔

اہل سنت وجماعت کی سیاسی، مذہبی تنظیمیں اپنے فرضِ منصبی سے غافل ہیں دوسرے لوگ میدانِ عمل میں ہیں، حکومت کے ایوانوں پر چھائے ہوئے ہیں، جب کہ اہل سنت کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔

(نوجوان علما کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ) جن لوگوں کے پاس کتاب وقلم اور درس وتدریس کا سامان ہونا چاہیے آج ان کے ہاتھوں میں موبائل فون اور کیمرے نظر آتے ہیں جو یقیناً علمی پستی کی طرف جانے والا راستہ ہے۔

(موجودہ صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:) افغانستان اہل سنت کا ملک ہے، بڑے بڑے بزرگانِ دین اور اولیاءِ کرام، مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری اور ان کے علاوہ بے شمار علمی اور روحانی شخصیات کا تعلق افغانستان سے ہے اور آج بھی وہاں مسلک اہل سنت کے مطابق معمولات جاری ہیں، اس لیے موجودہ حالات میں عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ افغانستان کے خلاف امریکی دہشت گردی کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے تیار ہوں اور جذبۂ جہاد بیدار کیا جائے۔

(آپ نے اپنے عہدۂ نظامت کے حوالے سے فرمایا کہ) میں 28 سال سے تنظیم

کی خدمت بجالا رہا ہوں اور اب میں تھکاوٹ محسوس کرتا ہوں اور میری عمر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ ذمہ داری اب کسی نوجوان خون کے سپرد کی جائے۔‘‘(۴۶)

بعد ازاں حضرت صاحبزادہ عبدالمالک، میانوالی نے صدارت کے لیے حضرت مفتی صاحب کا اور ناظم اعلیٰ کے لئے علامہ ڈاکٹر محمد سرفراز احمد نعیمی کا نام پیش کیا۔ اس پر تمام ہاؤس نے بالاتفاق تائید کی اور پھر مفتی صاحب تادمِ وصال صدر کے عہدہ پر فائز رہے۔(۴۷)

فَالْمَجْدُ مَا شَادَتْ يَمِيْنُكَ لَيْسَ مَا

وَرِثْتَ مِنْ حَسَبٍ وَ كَثْرَةِ مَالٍ

فضیلت اور خوبی وہ ہے جسے تو اپنے ہاتھ سے محنت کر کے حاصل کرے، وہ
فضیلت اور خوبی نہیں جو تجھے وراثت میں یا کثرتِ مال سے ملے۔

نوٹ: یہ مضمون تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے 1974ء سے 2003ء تک کے اجلاس کی کارروائیوں سے اخذ شدہ ہے، جن کے فراہم کرنے پر استاذ العلما مولانا قاری احمد رضا سیالوی اور علامہ شکور احمد ضیاء سیالوی صاحب کا شکر گزار ہوں۔ منتشر مواد کی تہذیب وتنقیح بہت دقیق ووقت طلب امر ہوتا ہے، تاہم موضوع سے متعلقہ اہم مواد کے انتخاب کی کوشش کی گئی ہے اور غیر ضروری طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، مفتیٔ اعظم اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، مشمولہ: مجلّہ النظامیہ (مفتیٔ اعظم نمبر)، (مدیر: ڈاکٹر فضل حنان سعیدی)، لاہور: مجلس علماء نظامیہ، جلد۱۹، شمارہ:۸، اگست ۲۰۱۸ء، ص:۶۱

(۲) ہزاروی،محمد صدیق، مفتی، سیدی مفتیٔ اعظم، لاہور: مکتبہ اہل سنت جامعہ نظامیہ رضویہ،۲۰۰۳ء:ص۴۳

(۳) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان ،منعقدہ:۱۴ ذوالحجہ،۱۳۹۳ھ/۹ جنوری،۱۹۷۴ء، بروز بدھ،مطبوعہ:لاہور: جامعہ نظامیہ رضویہ،ص:۲

(۴) ایضاً،ص:۳

(۵) ایضاً،ص:۴۔۵

(۶) ایضاً،ص:۶۔۷

(۷) ایضاً،ص:۷

(۸) ایضاً،ص:۳۔۴

(۹) ایضاً،ص:۲

(۱۰) ایضاً،ص:۶

(۱۱) ایضاً،ص:۲۔۳

(۱۲) ایضاً،ص:۵۔۶

(۱۳) ایضاً،منعقدہ:14 رجب1404ھ/18اپریل1984ء،ص:۱۳

(۱۴) (i) ہزاروی،محمد عبدالقیوم،مفتی،نصابِ تعلیم ونظام المدارس (نافذ العمل از شوال المکرّم1394ھ)،لاہور: جامعہ نظامیہ رضویہ،1974ء،ص:۱۳

(ii) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان،،منعقدہ:11.10شوال 1394ھ بمطابق27.28اکتوبر1974ء،ص:۵تا۷

(۱۵) ہزاروی،محمد عبد القیوم،مفتی،نصاب تعلیم و نظام المدارس (نافذ العمل از شوال المکرّم1394ھ)،ص:۱۴

(۱۶) ایضاً،ص:۱۳

(۱۷) (i) ایضاً،ص:۲۔۳

(ii) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان ، ،منعقدہ: 18 صفر

المظفر 1394ھ/13مارچ1974ء،ص:۳۔۴

(iii) ایضاً،منعقدہ: 11.10 شوال 1394ھ بمطابق 27.28 اکتوبر 1974ء،ص:۸

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً،منعقدہ:25.26اکتوبر1975ء/20.19شوال المکرّم1395ھ،ص:۵

(۲۰)(i)ایضاً،منعقدہ:11.10شوال1394ھ بمطابق27.28اکتوبر1974ء،ص:۸

(ii)ایضاً،منعقدہ:25.26اکتوبر1975ء/20.19شوال المکرّم1395ھ،ص:۵

(۲۱) ایضاً،منعقدہ:18صفرالمظفر 1394ھ/13مارچ1974ء،ص:۶

(۲۲) (i) ہزاروی،محمد عبدالقیوم،مفتی،قواعد وضوابط امتحانات: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان،شائع کردہ:لاہور،جامعہ نظامیہ رضویہ،ص:۲

(ii) سیدی مفتی اعظم،ص:۴۴

(۲۳) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، منعقدہ: 22.21 ذوالحجہ 1401ھ/21.20اکتوبر1981ء،ص:۱۱

(۲۴) ایضاً،ص:۱۶

(۲۵) ہزاروی،محمد عبد القیوم،مفتی،قواعد وضوابط امتحانات: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان،ص:۲

(۲۶) (i) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان ،منعقدہ: 14اپریل 2002ء،ص:۱۶۔۱۷

(ii) اہم امور کی جائزہ رپورٹ، جولائی2008ءتاستمبر2012ء،ص:۵

(۲۷) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان ، ،منعقدہ: 18 صفر المظفر 1394ھ/13 مارچ 1974ء،ص:٦

(۲۸) ایضاً،منعقدہ:11.10 شوال 1394ھ بمطابق 27.28 اکتوبر 1974ء،ص:۵تا ۷ملخصاً

(۲۹) ایضاً،منعقدہ:25.26 اکتوبر 1975ء/20.19 شوال المکرّم 1395ھ،ص:۵

(۳۰) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، مفتیٔ اعظم اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، مشمولہ: مجلّہ النظامیہ، اگست ۲۰۱۸ء،ص:٦٦

(۳۱) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، منعقدہ:21 ذوالحجہ 1401ھ/ 20 اکتوبر 1981ء،ص:۳۔۴۔۲۳۔۲۴ ملخصا

(۳۲) (i) ایضاً،منعقدہ:3.4 اکتوبر 1976ء اور 28 نومبر 1977ء

(ii) ایضاً،منعقدہ:18.17 ذوالحجہ/28.27 اکتوبر 1980ء،ص:۲۹

(iii) ایضاً،منعقدہ:22.21 ذوالحجہ 1401ھ/21.20 اکتوبر 1981ء، ص:۲۸۔۲۹ اور کارروائی، منعقدہ:16 رجب 1404ھ/18 اپریل 1984ء،ص:۲۵۔۲٦

(۳۳) ایضاً،منعقدہ:17 اکتوبر 1994ء،ص:۱۲

(۳۴) ایضاً،منعقدہ:14 اکتوبر 1997ء

(۳۵) ایضاً،منعقدہ:28 نومبر 1977ء

(۳٦) ایضا،منعقدہ:18.17 ذوالحجہ/28.27 اکتوبر 1980ء،ص:۲۸۔۲۹

(۳۷) ایضا،منعقدہ:١٦ اکتوبر ۱۹۷۸ء،ص:۲

(۳۸) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، مفتیٔ اعظم اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان،ص:٦۷

(۳۹) سیدی مفتیٔ اعظم،ص:۴٦

(۴۰) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، مفتیٔ اعظم اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، مشمولہ: مجلّہ النظامیہ، اگست ۲۰۱۸ء،ص:٦٦

(۴۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، منعقدہ:۱۸ اپریل ۱۹۸۴ء،ص:٦ تا۹

(۴۲) ایضاً،منعقدہ:16 رجب 1404ھ/18 اپریل 1984ء،ص:۳

(۴۳) ایضاً،ص:۴

(۴۴) ایضاً،منعقدہ:28 نومبر 1977ء

(۴۵) ہزاروی، محمد صدیق، مفتی، مفتیٔ اعظم اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، مشمولہ: مجلّہ النظامیہ، اگست ۲۰۱۸ء،ص:٦۳

(۴٦) کارروائی اجلاس تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، منعقدہ: 23 ستمبر 2001ء، ص:۵۔٦

(۴۷) ایضا،ص:۱۴

مفتیٔ اعظم پاکستان کی ہمہ جہت خدمات

رشحاتِ قلم: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہٗ

کہا جاتا ہے: ''شُنیدہ کے بود مانند دیدہ '' (سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات جیسی کب ہوسکتی ہے)۔ روایت و حکایت میں کئی احتمالات ہوتے ہیں، صدق اور کذب، مبالغہ آرائی اور ذاتی عناد و مخالفت۔ اگرچہ ہر سنی ہوئی بات جھوٹ وغیرہ پر مبنی نہیں ہوتی لیکن آنکھوں دیکھا حال، اطمینان قلبی کا باعث ہوتا ہے۔ اگر عدل کا خون نہ کیا جائے تو مشاہدہ کرنے والا شاہد جو کچھ دیکھتا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ''لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ'' والی کیفیت سے بہرہ ور ہوکر عین الیقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

راقم 1968ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں وارد ہوا، اس وقت سے لے کر اپنے مربی اور استاذ گرامی حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی صاحب کے وصال پُر ملال (2003ء) تک پینتیس سال کا عرصہ آپ کے سایۂ عاطفت میں گزارا۔ اس دوران آپ کے شب و روز کی مساعی کو بھی دیکھا۔ شوقِ تدریس، اندازِ تدریس اور تربیتِ طلبا کا مشاہدہ بھی کیا۔ مسلک اہل سنت کے لیے آپ کے دردِ دل اور تڑپ کو بھی دیکھا۔ مدارس کے قیام کے لیے جذبۂ صادقہ کو بھی ملاحظہ کیا۔ تبلیغ دین کے ایک اہم شعبہ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں آپ کے کارہائے نمایاں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔

آپ نے اہل سنت کی مذہبی سیاسی تنظیمی جماعتوں کے قیام اور ترقی کے لیے صرف تفکر و تدبر ہی نہیں کیا، بلکہ عملی کاوش بھی روزِ روشن کی طرح نظر آتی۔

جب راقم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخل ہوا تو اُن ایام میں آپ کے استاذ گرامی محدث کبیر علامہ غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ بوجوہ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد

سے یہاں منتقل ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ اور اُس سے متصل جامع مسجد خراسیاں کے جملہ انتظامات و معاملات، حتیٰ کہ جامع مسجد سے متصل مکان بھی استاذ گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے خود اپنے استاذ بھائی اور جامعہ کے ناظمِ دفتر حضرت مولانا محمد انوار الاسلام کے پاس سوتر منڈی میں منتقل ہوگئے۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنے استاذ گرامی کے ادب و احترام کا یہ عمل ہم سب کے لیے مینارۂ نور ہے۔ اس طرح ادب و احترام کے حوالے سے آپ کی زندگی میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

1968ء ہی میں جب راقم جامعہ آیا تو جمعیت علماء پاکستان کی تشکیلِ نَو اور اُسے فعّال بنانے کے لیے اہل سنت کے چند مخلص احباب کی مساعی جاری تھیں اور جمعیت جو مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں صوبوں پر مشتمل تھی اس کے انتخابات کا مرحلہ درپیش تھا۔ حضرت علامہ قاضی عبد النبی کوکب، حضرت علامہ احمد علی قصوری علیہما الرحمہ اور دیگر چند علما کے ساتھ مل کر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالی نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اسباق پڑھانے کے بعد آپ روزانہ کسی نہ کسی شہر میں بطور کنوینئر علمائے اہل سنت سے ملاقات کرتے اور انتخابات کی راہ ہموار کرتے۔ انتہائی خوش آئند بات یہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی دوسری مذہبی اور سیاسی مصروفیت کو تدریسی مشاغل میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔

تنظیم المدارس کے بانی حضرت غزالیٔ زماں امام اہل سنت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے معاون یادگارِ اسلاف مولانا غلام جہانیاں (ڈیرہ غازی خان) اور حضرت مفتیٔ اعظم مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ بوجوہ یہ تنظیم کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی تو 1974ء میں دوبارہ علمائے اہل سنت نے اس کی ضرورت محسوس کی اور تنظیم

المدارس کی نشاۃِ ثانیہ کی گئی۔اس کو پروان چڑھانے کے لیے تمام اکابر کی نظر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جیسے جفاکش اور جذبۂ صادقہ کے حامل عالم دین پر پڑی۔قرعۂ فال آپ کے نام نکلا۔یہ بطور محاورہ کہا گیا،قرعہ اندازی کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، بلکہ جس جفاکشی اور کٹھن مراحل سے گزر کر آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ کی تعمیر جدید کی وہ حالات اور آپ کی محنت تمام اکابرین اہل سنت کے پیش نظر تھی۔چنانچہ مفتیٔ اعظم استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ سید ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ کو تنظیم کا صدر اور آپ علیہ الرحمہ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔پھر دنیا نے دیکھا آپ نے کس طرح تنظیم المدارس کو ترقی دی، بلکہ بڑی بات یہ ہے کہ تنظیم کے فنڈ کو ضائع ہونے سے بچایا، جس کی وجہ سے جامعہ نعیمیہ سے متصل ایک بڑی عمارت کا بطورِ دفتر تنظیم خریدنا آسان ہوگیا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کی پُرشکوہ عمارت دعوت نظارہ دیتی ہے، لیکن اس کے پس منظر میں جو کاوش، جدوجہد، مخالفین کی طرف سے ایذا رسانی کے دل خراش واقعات ہیں وہ حضرت استاذ گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمت اور تائید الٰہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس وقت اِن واقعات سے گزرنے اور مخالفین کی بدمعاشی کا شکار ہونے والی دو شخصیات موجود ہیں: ایک حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی (ناظمِ دفتر جامعہ نظامیہ رضویہ) اور فقیر پُرتقصیر (محمد صدیق ہزاروی)، جنھوں نے سب کچھ دیکھا بھی اور برداشت بھی کیا اور اپنے استاذ گرامی کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے رہے۔باقی تین شخصیات: علامہ محمد عبدالتواب صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ اور راقم کے بھائی مولانا صابر فریدی رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کے صاحبزادے جامعہ کے فضلا ہیں) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور ہمارے ایک دوست مولانا محمد مشتاق صاحب، جو اُس موقع پر قدم بقدم ساتھ رہے، ضلع ایبٹ آباد میں مقیم ہیں۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بہتر سے بہترین کی طرف سفر فرماتے، جس کا ثبوت شیخوپورہ میں نہایت پُرشکوہ عمارت، طلبا و طالبات اور جامع مسجد کی تعمیر و ترقی سے ملتا ہے۔

جماعت اہل سنت کے قیام اور اُس کو پروان چڑھانے میں آپ کے کردار کو جھٹلانا سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے۔جماعت اہل سنت کے لیے آپ نے بھرپور کردار ادا کیا۔سُنّی کانفرنس ملتان کی حکومت کی طرف سے اجازت نہیں دی جارہی تھی۔آپ مسلسل کئی دن تک حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر علما کے ساتھ ملتان میں تشریف فرما رہے اور حکمرانوں سے مذاکرات اور دیگر معاملات میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا ''فتاوی رضویہ'' آج جس حسن طباعت اور تخریج کے ساتھ منظر عام پر ہے، یہ آپ ہی کی بصیرت اور کاوش کا نتیجہ ہے۔اس کے لیے آپ نے برطانیہ تک کا سفر کیا؛ تاکہ اس فتاوی کی طباعت کے لیے راہ ہموار کی جائے اور مالی معاونت حاصل کی جائے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آپ نے اس سفر کے لیے ان ایام کا انتخاب کیا جب تدریس سے فراغت تھی،یعنی شعبان المعظم کے مہینے میں سفر کیا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے استاذ گرامی اور مربی حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ملی اور دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔''مُشتے نمونہ از خروارے'' (کھلیان سے بطور نمونہ ایک مٹھی) کے مصداق چند باتوں کا ذکر کیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی حیات مبارکہ کو مشعل راہ اور مینارۂ نور بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

مفتیٔ اعظم پاکستان کی شفقتیں

استاذ الاساتذہ مفتی یار محمد قادری مدظلہ (حال مقیم برمنگھم، برطانیہ) کثیر کتب کے مصنف ہیں اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں 1993ء تا 1995ء تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

آپ کی 1988ء کی یہ قلمی تحریر جامعہ کے ریکارڈ سے دستیاب ہوئی جو قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔(ادارہ)

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم. أما بعد:

مَیں مختلف مقامات پر درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتا رہا، لیکن کتابوں پر وثوق اور خود اعتمادی نصیب نہیں ہو رہی تھی، جس کی وجہ سے میں کافی ذہنی اُلجھاؤ کا شکار تھا۔

چند دوستوں سے مشورہ کیا، جنہوں نے مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی مدظلہ العالی کے متعلق راہ نمائی کی، کہ کے اس بارے میں حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کریں۔

چنانچہ برائے مشورہ میں 9 ذی الحجہ رات دس (10) بجے قبلہ مفتی صاحب کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ جب ملاقات ہوئی تو آپ نے ہماری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور جو ہماری ذہنی اُلجھاؤ کا سبب تھا اپنے دیرینہ تجربہ اور خداداد فراست سے اُسے معلوم کیا اور پورا پورا اعتماد دلایا کہ آپ ایک چھ ماہ ہمارے پاس آجائیں۔

چنانچہ میں جب ذی الحج کی 19 تاریخ کو جامعہ نظامیہ رضویہ حاضر ہوا تو میں نے مدرسے کا نظامِ تعلیم ایسا اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا۔ حضرت حافظ محمد عبدالستار صاحب جو

کہ جامعہ کے ناظمِ تعلیم ہیں مدرسہ کے قواعد وضوابطِ تعلیم کی سخت پابندی کرواتے ہیں۔

مدرسہ میں طلبا کی بزم بھی ہر جمعرات ہوتی ہے، جس میں خود اساتذۂ کرام بیٹھ کر طلبا کی اصلاح کرتے ہیں۔ مدرسہ میں بہت بڑی لائبریری بھی ہے، جس میں تمام طلبا کو اجازت ہے کہ بیٹھ کر مطالعہ کر سکتے ہیں اور تعلیم کا یہ عالم ہے چوبیس گھنٹوں میں ہر وقت اساتذۂ کرام طلبا کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہیں۔ نیز لنگر کا انتہائی اچھا نظام ہے۔

اور خود حضرت قبلہ مفتی صاحب باوجود بے شمار مصروفیات کے اور تنظیم المدارس کے ناظم ہونے کے باوجود بنفسِ نفیس طلبا کی تعلیم میں بے انتہا محنت کرتے ہیں۔

چنانچہ قبلہ مفتی صاحب نے میرے ساتھ جو محنت کی اور میری بنیادی کمزوریوں کو دُور کیا وہ مجھے ہی علم ہے۔ چھ ماہ کے اندر مفتی صاحب نے میرے اندر جو استعداد پیدا کی وہ میں ہی جانتا ہوں۔ درحقیقت ساری تعلیم کی رونق حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دم سے ہی ہے اور آپ کے خلوص کی برکت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اساتذۂ جامعہ نظامیہ رضویہ خصوصاً حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب ومولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کو عمر دراز عطا فرمائے اور مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ کو علم کا گہوارہ بنائے۔

والسلام

یار محمد قادری تحصیل وضلع ڈیرہ غازی خان

رمضان شریف ۱۴۰۸ھ

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تحریر: استاذ العلما سید غلام مصطفیٰ عقیل بخاری مدظلہ
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ وسابق صوبائی خطیب محکمہ اوقاف، پنجاب

محسن اہل سنت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے متعلق کچھ متفرق یادداشتیں محض معمولی سی کوشش کے طور پر پیش خدمت ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ جو آج اگرچہ ایک تحریک ہے، لیکن جن حالات سے گزر کر یہ تحریک بنا اُن حالات کا سامنا کر کے جامعہ کو اس نہج پر لانا صرف حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی صلاحیتوں اور استقامت کا کمال ہے۔ جن لوگوں نے، بشمول میرے، 1969ء تا 1971ء کا جامعہ نظامیہ دیکھا ہے وہ آج کا جامعہ دیکھیں تو یہ ایک خواب لگتا ہے۔ اُس وقت جامعہ چند زمینی کمروں پر مشتمل تھا، اساتذہ اِنہی میں پڑھاتے بھی تھے اور رہائش بھی رکھتے تھے۔

جب میں نے جامعہ نظامیہ میں باقاعدہ پڑھنا شروع کیا تو اُس وقت قاری احمد بخش صاحب اور قاری اللہ رکھا صاحب شعبۂ حفظ، اور مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، مولانا مفتی محمد گل احمد عتیقی اور مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی درس نظامی کے اساتذہ تھے، اور مولانا غلام فرید ہزاروی انتظامی انچارج تھے اور یہی جامعہ کی کل کائنات تھی۔

جامعہ کی عمارت:

آپ کے پاس جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو اُس وقت آپ دفتر میں ہی کلاس لیا کرتے تھے، کہ آپ کے پاس الگ کلاس لگانے کی جگہ نہیں تھی۔ دفتر کے ساتھ دائیں جانب

ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو حضرت مولانا مفتی محمد گل احمد عتیقی کا کلاس روم تھا اور بائیں جانب نسبتاً ایک بڑا کمرہ تھا، جو سطح سے کافی نیچے تھا، وہ مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب کی رہائش گاہ اور درس گاہ تھی۔ دفتر کی دائیں جانب چھوٹے کمرے کے پیچھے تین کمرے تھے: دو بڑے اور ایک درمیان میں چھوٹا۔ ان تینوں کی چھتیں کانوں سے بنی ہوئی تھیں اور دروازے پیٹیوں کی لکڑیوں کو جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ دو بڑے کمروں میں رہائش پذیر طلبہ رہتے تھے اور درمیان کے چھوٹے کمرے میں حضرت مولانا مفتی گل احمد عتیقی صاحب کی رہائش تھی۔ دفتر کے سامنے دُور ایک عمارت تھی جس میں کارپوریشن کا پرائمری سکول چل رہا تھا، اس کے بالمقابل بازار کی جانب بائیں طرف دو بڑے کمرے تھے، جن میں شعبۂ حفظ کی تعلیم ہوا کرتی تھی اور ان کے متصل اُس دور کے مطابق ایک بیت الخلا تھا۔ سکول سے متصل سامنے والے محلے کی جانب کے پورے اِحاطہ پر، سکول سے لے کر بائیں ہاتھ بازار تک، ایک کباڑ فروش کو محلے والوں نے زبردستی قبضہ دلوا رکھا تھا۔

یہ حالات اس لیے تھے کہ مدرسہ ہندو اوقاف کی زمین پر قائم کیا گیا تھا، جس کے خلاف محلّہ داروں نے مقدمہ درج کر رکھا تھا کہ یہ زمین اہل محلّہ کو کلب کے لیے الاٹ کی جائے اور مدرسہ کو یہاں سے بے دخل کیا جائے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر اہل محلّہ قبلہ مفتی صاحب کی توہین پر اتر آتے۔

مفتی صاحب کا بے مثال صبر:

ہوتا یوں تھا کہ دفتر کے سامنے چوکڑی مار کر جوا کھیلتے تھے۔ جب بازی ہارتے یا جیتتے تو شور مچاتے، چونکہ اس وقت ہم پڑھ رہے ہوتے تھے اس لیے قبلہ مفتی صاحب ان سے کہتے کہ شرم کرو، ہم قرآن و حدیث پڑھ، پڑھا رہے ہیں اور تم یوں بلاوجہ شور مچا کر ہمیں

پریشان اور تعلیم کو متاثر کرتے ہوتو فوراً بدکلامی پر اتر آتے تھے۔لیکن مفتی صاحب ایسی کمال حوصلہ مندی سے اُن کی وہ بدتہذیبی برداشت کر جاتے کہ ہمارے سامنے مکہ میں اللہ تعالی کے رسول ﷺ کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کو غیر معمولی صبر اور حوصلہ سے برداشت کرنے کی تصویر آ جاتی۔ وہاں پر بھی اللہ کو رب کہنا جرم تھا اور یہاں پر بھی یہی جرم نا قابل معافی تھا۔ بقول اکبر الہ آبادی:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا کر کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں

جامعہ کی مالی حالت:

جامعہ کی مالی حالت اس وقت یہ تھی کہ جو چند طلبہ رہائش پذیر تھے اُن میں سے ہر ایک کو چار آنے صبح، اور چار آنے شام کو کھانے کے لیے دیے جاتے تھے۔ کمال یہ کہ ہمارا اِن میں اچھا گزارہ ہو جایا کرتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی رہائش چونکہ جامعہ سے متصل مسجد خراسیاں کے ساتھ ملحقہ مکان میں تھی، لہٰذا اُن کا کھانا گھر پر ہی پکا کرتا تھا اور مجھے نہیں یاد کہ کبھی حضرت مفتی صاحب نے جامعہ سے کھانا منگوا کر کھایا ہو، نہ یہ کبھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے کبھی اچھا کھانا بازار سے منگوا کر کھایا ہو۔ مہمان کے ساتھ کھانا ایک الگ صورت تھی۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب غیر معمولی طور پر صابر انسان تھے، لہٰذا ہم نے کبھی انہیں حالات کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا، نہ آپ نے کبھی طلبہ کو اپنے کسی معاملے سے آگاہ کیا اور نہ انہیں کسی ذاتی پریشانی کے حل کے لیے استعمال کیا۔

طلبہ کی تعلیم پر توجہ:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی پوری توجہ دو چیزوں پر ہوتی تھی:

1) ایک جامعہ کے معاملات، جو اُن دنوں بہت دشوار تھے۔

2) دوسری طلبہ کی تعلیم۔ مجال ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے پاس کوئی بچہ پڑھے اور اُسے سبق یاد نہ ہو یا اس کی عبارت تیار نہ ہو۔ اس معاملہ میں آپ بچوں پر سختی بھی کرتے تھے، جس کی بعض اوقات طلبہ شکایت کرتے نظر آتے تھے، مگر ساتھ یہ بھی مانتے تھے کہ مفتی صاحب کی سختی سے ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے۔

تدریس میں قادر الکلامی:

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے کتب کی تدریس میں کافی ملکۂ بیان عطا فرمایا تھا، جس کا اندازہ مجھے اُس وقت ہوا جب میں برصغیر کے مایہ ناز دو اساتذہ: حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب سے ''حمد اللہ'' اور حضرت مفتی صاحب سے ''امور عامہ'' پڑھ رہا تھا۔ حضرت شرف صاحب نے ''حمد اللہ'' کا ''وجودِ رابطی'' کا معرکۃ الآراء مقام کئی دن بیان کر کے مکمل فرمایا، جب کہ ''اُمورِ عامہ'' میں وہی مقام حضرت مفتی صاحب نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ تقریباً ایک گھنٹے میں بیان فرما دیا، اور یہ کوئی اَن ہونی بات نہ تھی؛ کیونکہ ہر کتاب کو اس کے مقام کے تقاضوں کے مطابق پڑھانا بڑے اساتذہ کا شیوہ رہا ہے۔

طلبا کو مخاطب کرنے کا انداز:

حضرت مفتی صاحب اُستاذ الاساتذہ ہوتے ہوئے بھی بڑی کلاسوں میں پڑھنے

والے طلبہ کو "مولانا" کہہ کر بلاتے، جس کے ذریعے یہ سبق دیتے کہ اگر بڑوں کی طرف سے بچوں میں سے اُن سے بڑوں کا احترام نہ کیا جائے تو چھوٹے اپنے سے بڑوں کو آسان لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ایک یادگار مشاہدہ بھی پیش خدمت ہے۔

یادگار مشاہدہ:

ہمارے بڑے چھوٹوں کی کس طرح عزت افزائی کیا کرتے تھے؟ اس کا ایک یادگار واقعہ ذہن کی تختی پر آج بھی نقش فی الحجر کی طرح ہے۔

ہوا یہ کہ جب مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو اس تحریک میں حضرت قائدِ اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ اور مجاہد ملت مولانا عبد الستار خان نیازی علیہ الرحمہ کا اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر شاندار کردار تھا اور پاکستان کی بڑی اکثریت کے دینی پیشوا ہونے کے ناطے دنیا میں بھی مقبول القول تھے۔ اِن دونوں بزرگوں نے تقریباً چھ ماہ کا عالمی دورہ کیا اور ہر جگہ پاکستانی پارلیمنٹ کی جانب سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کے صحیح اسباب دنیا کے سامنے پیش کیے۔ یہ دونوں مجاہد جب واپس پاکستان آئے اور لاہور کے دورے پر تشریف لائے تو ہم طلبہ تو اِن کے استقبال کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے ہی تھے مگر اس موقع پر ہم نے یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا کہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بانی دار العلوم حزب الاحناف) اپنی تمام تر پیرانہ سالی کے باوجود ریلوے اسٹیشن پر موجود ہیں، لوگ آ آ کر دست بوسی اور قدم بوسی کر رہے ہیں، ہم نے دست بوسی کی تو کسی نے سوال کیا کہ حضرت والا یہ دونوں حضرات تو آپ کے بچوں کے برابر ہیں، تو آپ ان کے استقبال کے لیے خود کیوں تشریف لے آئے؟ آپ

نے آب زر سے لکھنے کے قابل جواب ارشاد فرمایا، جو آج بھی دل پر نقش ہے۔ فرمایا:

''مولانا اگر ہم اپنے سے چھوٹے قابل عزت لوگوں کو عزت نہیں دیں گے تو کوئی دوسرا اِنہیں کیوں عزت دے گا؟''

مفتی صاحب علیہ الرحمہ قبلہ سید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تربیت یافتہ بزرگوں میں سے تھے؛ اس لیے آپ میں بھی اصاغر نوازی کا وہی جذبہ کارفرما نظر آتا تھا، جو حضرت سید صاحب کے بیان کردہ اس واقعہ میں نظر آتا ہے۔

عظمت اور انکساری:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت اور عظمت سے نوازا تھا۔ باوجودیکہ آپ زیادہ تر گوشہ نشین رہتے تھے، بایں ہمہ آپ نہ صرف پورے ملک میں متعارف تھے بلکہ اپنے وقت کے اُن اکابر میں شمار ہوتے تھے جن کو قوم باہمی تنازعات میں حَکَم ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تھی۔ یہ قبولیت عامہ بارگاہ الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔ حضرت کی انکساری اور عاجزی کا اندازہ مجھے ایک عینی گواہ کے اِس بیان سے ہوا۔

بقول راوی ہوا یہ کہ ایک مرتبہ ایک مولانا، جن کا تعلق بلوچستان سے تھا (اُن کا نام مجھے یاد نہیں، لیکن ان کی جامعہ آمد اور قیام اچھی طرح یاد ہے) جامعہ میں تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحب نے بمطابق سنت تین دن اُن کی میزبانی فرمائی، پھر آمد کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، جس کے لیے میں نے استخارہ کیا تو میرے سامنے دو نام آئے: ایک ہندوستان کے کوئی عالم تھے، دوسرا حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ آپ کا نام آیا۔ میں نے سوچا کہ بجائے ہندوستان جانے کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

جائے تو بہتر ہے۔ سو میں اِس عرض کے لیے یہاں آیا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے کمال بے اعتنائی سے فرمایا:

''مولانا جس استخارہ میں میرا نام آیا تھا، اُس میں آپ کا وضو درست نہیں تھا، ورنہ میرا نام کیونکر سامنے آتا؟''

پھر آپ نے دردِ دل سے اِرشاد فرمایا:

''میں جو کام کر رہا ہوں مجھے وہی کرنے دو۔ پیری مریدی نے تو ہمارے بڑے بڑے قیمتی لوگ ضائع کر دیے ہیں۔ حضرت غزالیٔ زمان حضرت سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمہ کے مرید اگر آپ کو وقت نکالنے دیتے تو آپ سے ایسے ایسے علمی شاہکار وجود میں آتے کہ باید وشاید۔''

اصاغر نوازی:

قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ ہم جیسے مبتدیوں کا مستقبل روشن کرنے کے لیے ہر ممکن راہ نمائی فرمایا کرتے تھے۔

جب ہم بطور دورۂ حدیث کی پہلی کلاس کے ''جامعہ کے پہلے فضلا'' کہلانے کے قابل ہوئے تو حضرت مفتی صاحب نے آٹھ میں سے تین کو مضامین لکھنے کے لیے دیے، کیونکہ آپ اپنی فراست سے بھانپ چکے تھے کہ اِن تینوں میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ ان میں ایک راقم السطور تھا، دوسرے مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی اور تیسرے مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی۔ حضرت کا یہ انتخاب بعد میں صحیح ثابت ہوا کہ ہم تینوں کا تا حال قلم وقرطاس سے رشتہ استوار ہے اور یہ راستہ حضرت مفتی صاحب نے ہی ہمارے لیے ہموار کیا تھا، بلکہ ہمیں اپنی اس صلاحیت کا شعور آپ کے انتخاب سے ہوا۔

114

چنانچہ میں نے جو پہلا مقالہ لکھا اس کا عنوان تھا ''اعلیٰ حضرت کی سیاسی خدمات''، جو چھپ گیا تھا اور اس کی کاپی میرے پاس آج بھی محفوظ ہے۔

ایک اور واقعہ میری نظر میں حضرت کی طرف سے اصاغر نوازی کا شاہکار ہے، جو راقم السطور کے ہی متعلق ہے۔ ہوا یہ کہ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ، جب وہ وفاقی شرعی عدالت کے جج تھے، لاہور تشریف لائے۔ انہوں نے مفتی صاحب کو گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ہم تینوں کو ساتھ لیا، اب تک یہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کا سبب کیا تھا؟ البتہ یہ میرا حضرت مفتی صاحب کی معیت میں پہلا اور آخری کھانا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے جب مفتی شجاعت علی قادری صاحب سے ہمارا تعارف کرایا تو میرا تعارف تیسرے نمبر پر ان الفاظ میں کروایا: ''یہ ہمارے جامعہ کا ایسا ہیرا ہے جسے جہاں بھی رکھا جائے، چمک دیتا ہے''۔ حالانکہ من آنم کہ من دانم۔

حضرت مفتی صاحب اور نظم وضبط:

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ خود بھی نظم کے بہت پابند تھے اور تمام عملے کو بھی نظم وضبط کا پابند رکھتے تھے۔ مجال ہے کہ کوئی بے قاعدگی ہو اور برداشت ہو جائے۔ اس سلسلہ میں آپ اپنے ذاتی دوستوں اور انتہائی قریبی سمجھے جانے والے لوگوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ اس کا ذاتی طور پر مجھے تجربہ ہے۔

ایک یہ کہ مجھے کچھ وقت کے لیے جامعہ کا ناظمِ تعلیم بنایا گیا، جس کے دوران میں نے کئی نئے قدم اٹھائے۔ ان میں سے ایک جامعہ سے طلبہ کے مجلّہ کا اِجرا، دوسرا باقاعدہ پرنٹ شدہ بزم رضا کا ہفتہ وار پروگرام آویزاں کرنا، تیسرا بزم اور جامعہ کی تقریبات میں مقررین

کے لیے ایک ڈائس بنوانا، چوتھا عربی زبان میں بزم ادب میں تقریریں کروانا، مسلم ممالک کی تاریخ اور جغرافیہ عربی میں بتانا اور پھر عربی میں ڈرامہ کروانا اور عدالت لگوا کر با قاعدہ ایک تربیتی قضا کا ماحول پیدا کرنا، پانچواں یہ کہ با قاعدہ رائج الوقت سیاسی طریق کار کے مطابق بزم رضا کے سالانہ انتخابات کروانے کا آغاز کرنا (یہ الگ بات ہے کہ یہ سرگرمی بہت ہنگامہ خیز ثابت ہوئی)۔ بہر حال آپ علیہ الرحمہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سارے انتخابی عمل کو پابندی کے ذریعے یکسر اکھاڑ پھینکا جائے اور پھر نامزدگی کے ذریعے بزم کی نئی باڈی تشکیل دی جائے۔ بظاہر تو یہ ایک تکلیف دہ عمل تھا، لیکن ہمارے لوگوں کی تربیت چونکہ اس طریق پر نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کے اثرات یقیناً مضر ثابت ہوتے، جن کو محسوس فرما کر حضرت مفتی صاحب نے یہ ساری بساط ہی الٹ دی۔

نظام پر گرفت:

جامعہ میں ایک سال بزم رضا کی قیادت ایک سندھی سیاسی ذہن رکھنے والے طالب علم راہ نما کے پاس آ گئی۔ انہوں نے اس دوران ایسے حالات پیدا کر دیے کہ طلبہ تقریباً بغاوت پر اُتر آئے، چند ایک کے علاوہ عمومی صورت حال یہی تھی۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب نے ہم تلامذہ کو پوری طرح اعتماد میں رکھا اور ہمارے مشورے پر چند ایک کو چھوڑ کر تمام طلبہ کو جامعہ خالی کرنے کا نوٹس دے دیا اور جامعہ خالی بھی ہو گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دوبارہ ایسی صورت کبھی پیش نہیں آئی۔

حضرت مفتی صاحب کی حیران کن عادت:

جامعہ مشکلات سے نکل کر جب ترقی اور فراوانی کی طرف آیا تو حضرت مفتی صاحب

کے مزاج یا معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس میں حضرت مفتی صاحب کی ایک عادت کو حیرت انگیز ہی کہا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ جب کبھی باہر جانے لگتے تو مولانا غلام فرید صاحب سے پیسے مانگتے، مولانا جب کچھ پیش کرتے اور وہ ضرورت سے زیادہ ہوتے تو واپس کر دیتے یا پھر سرے سے منع کر دیتے کہ اس سے زیادہ پیسے نہ دینا۔ یعنی حضرت مفتی صاحب اپنے پاس پیسے نہیں رکھتے تھے اور یہ بات یقیناً حیرت انگیز تھی۔

مفتی صاحب کی کرامت سے جامعہ کی مالی مشکل کا حل:

یوں تو جامعہ حضرت مفتی صاحب کی بہت بڑی کرامت ہے، لیکن ایک فوری انجام پانے والا واقعہ، جو جس طرح انجام کو پہنچا وہ میرے لیے باعث حیرت تھا۔

ہوا یوں کہ پاکستان قومی اتحاد کی تحریک چل رہی تھی، تاجر ہڑتالوں پر تھے، ملکی معیشت کا پہیہ جام تھا۔ ایسے میں جامعہ ایسے فلاحی ادارے بھی مالی معاملات میں مشکلات کا شکار ہو گئے تھے۔ ماہانہ تنخواہ مقررہ وقت سے بہت لیٹ ہو جانے کے باوجود ادا نہ ہو سکی۔

اگرچہ یہ ایک حقیقت تھی کہ ہمارے سٹاف کا کوئی ممبر لالچی اور دنیاداری کی جانب مائل نہ تھا، ہر شخص خلوص سے اللہ کی رضا کے لیے کام کر رہا تھا، مگر منتظم کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کو احساس تھا کہ تھوڑے پر گزارہ کرنے والوں کو اگر یہ معمولی اِکرامیہ بھی بروقت نہ ملا تو نہ جانے اِن میں سے کتنے ہوں گے جن کے گھر میں فاقہ ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائے گا۔ بنابریں حضرت مفتی صاحب نے جامعہ کی مالی حالت اور اکرامیوں کی عدم ادائیگی پر عملے کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کیا اور صاف الفاظ میں بتایا کہ اس وقت اکرامیے ادا کرنا تو ممکن نہیں، میرا وعدہ ہے کہ اگر اللہ نے دیا تو جتنے مہینے کا اکرامیہ رکا ہو گا سب یک مشت ادا

کیا جائے گا۔ اگر نہ بن سکا تو آپ سب حضرات یہ نیت کرلیں کہ ہم نے اللہ کی رضا کے لیے اپنا کام جاری رکھنا ہے۔ ہم نے اقرار کرلیا کیونکہ اس خدمت کو ہم جلبِ زر کا ذریعہ نہ سمجھتے تھے، نہ قلیل ترین اکرامیہ کو جلب زر کی کوشش کہا جاسکتا تھا، بس یہ قوتِ لایموت کا ایک ذریعہ تھا۔

یہ معاملہ ہونے کے بعد ہم باہر آئے تو مولانا غلام فرید صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ مجھے چونکہ کسی کو لینے اسٹیشن جانا ہے، میرے آنے تک آپ جامعہ کے دفتر میں بیٹھ جائیں، شاید کوئی بندۂ خدا مدد کے لیے کہیں سے آجائے۔ جس طرح کے مایوس کن حالات پر آج گفتگو ہوئی تھی، ان میں یہ ناممکن نظر آرہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کا کام ہی ناممکن سمجھے جانے والے امور کو ممکن امور کی فہرست میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ بس موقع پر ڈیوٹی دینے والا ہونا چاہیے، سو میں بھی یہ سمجھ کر بیٹھ گیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ آنا وانا کس نے ہے؟ ابھی شاید آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک اَن ہونی ہوگئی۔ ایک شخص پگڑی اور سفید کپڑوں میں ملبوس دفتر آیا، اور حضرت مفتی صاحب کا پوچھا۔ میں نے کہا: ''کام کیا ہے؟ وہ یہاں نہیں ہیں۔ اس نے کہا: ''میں چنیوٹ سے آیا ہوں اور مدرسہ کی خدمت کرنی ہے۔'' میں نے کہا: میں اسی غرض سے بیٹھا ہوں۔ اس نے کہا: ''ایک لاکھ روپیہ دینا ہے۔'' میں حیران رہ گیا اور پیسے وصول کر کے اسے ایک ہی رسید کاٹ کردی، پیسے اور رسید لے کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں چلا گیا۔ پہلے تو حضرت مفتی صاحب خوش ہوئے، پھر فرمایا: ''اتنی بڑی رسید نہیں کاٹنی چاہیے تھی۔'' میں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہ تھا اور اس کی حکمت مجھے آج بھی معلوم نہیں ہے۔ بہرحال یہ معمولی سا واقعہ حضرت مفتی صاحب کی کرامت ہی ثابت ہوا کہ اگلے دن حضرت مفتی صاحب نے تمام عملے کو ادائیگی کردی۔

مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کبھی کوئی بحرانی کیفیت پیدا ہوئی ہو اور وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ

عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ کا مصداق ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں۔

قومی وملکی تحریکیں اور حضرت مفتی صاحب:

حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے قوم اور ملک کے لیے درد رکھنے والا دل دیا تھا اور آپ نے اس دردِ دل کا عملی مظاہرہ ایک نہیں، کئی مرتبہ کیا۔

مثلاً تحریک ختم نبوت میں حضرت مفتی صاحب مولانا نورانی اور مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کو کتابوں کے ذریعے مسلسل مدد فراہم کرتے رہے، جس کی وجہ سے مرزائیوں کے ساتھ مکالمہ علمی ٹھوس بنیادوں پر ہوا اور پاکستان کی اسمبلی کے دین دار تو دین دار، سیکولر قسم کے اراکین بھی علما کی قرارداد کے حامی بن گئے۔ خصوصاً ولی خان جیسے لوگوں کا حیرت انگیز طور پر اس قرارداد کے حامیوں میں شامل ہونا تاریخ کا ناقابلِ فراموش واقعہ ہے۔

حضرت مفتی صاحب سختی سے اس بات کے قائل تھے کہ طلبہ کو صرف اور صرف تعلیم پر توجہ مبذول رکھنی چاہیے۔ کچھ دوستوں نے انفرادی طور پر اس میں شمولیت کی، جیسے کہ راقم السطور، اور اس عمل کے دوران ہم پر مقدمات بنے اور میں گرفتار ہوکر دو ماہ تک جیل میں رہا۔ مَیں حضرت مفتی صاحب کی اجازت کے بغیر اس تحریک کا حصہ بن کر گرفتار ہوا تھا، جس کا مجھے آج بھی احساس ہے کہ مجھے حضرت مفتی صاحب سے اجازت لینا چاہیے تھی، لیکن چونکہ یہ ناموسِ رسالت کا مسئلہ تھا اور اس میں نسلی تقاضے کے تحت بھی ایمانی تقاضے سے ہٹ کر خاموش نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے اِس طرزِ عمل پر پشیمانی نہیں ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری بخشش کا کوئی ذریعہ بنا تو وہ میری دو ماہ کی قید بنے گی۔

لوگوں کا جذبہ کس سطح کا تھا؟ اس کا اندازہ اِس چھوٹے سے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ہماری ضمانت ہوئی اور ہماری رہائی کے کاغذات پر سپرنٹنڈنٹ جیل نے دستخط کیے تو اُس نے اپنے پی۔اے۔ کو بلا کر کہا: ''میرا یہ قلم محفوظ کر دو؛ کیونکہ قیامت کو یہ میرا گواہ ہوگا کہ میں نے اس کے ذریعے ختمِ نبوت کے قیدیوں کو رہا کیا تھا۔''

اس جیل کے بعد ایک سال تک مسلسل مقدمہ چلتا رہا اور میں عدالت میں خوار ہوتا رہا، مگر بحمد اللہ خیر گزری کہ بغاوت کی دفعات کے مقدمہ سے باعزت بری ہوگیا۔

جب میں واپس آیا تو خوفزدہ تھا کہ نہ جانے حضرت مفتی صاحب کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ لیکن میری حیرت آج بھی قائم ہے کہ آپ نے ذکر تک نہیں فرمایا کہ تم نے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا؟ اور میں آج بھی اس عفو و درگزر پر حضرت مفتی صاحب کا ممنونِ احسان ہوں۔

مولانا عبدالستار نیازی اور مولانا شاہ احمد نورانی عالمی دورے سے واپس آئے تو جامعہ نظامیہ میں جو استقبالیہ دیا گیا اس کا سپاس نامہ تیار کرنے کے لیے حضرت مفتی صاحب نے مجھے عزت بخشی، اس بارے میں میں آج بھی حضرت مفتی صاحب کا ممنون احسان ہوں۔ وہ ایک زوردار استقبالیہ خطبہ تھا، جس کی کاپی شاید محفوظ ہوگی۔

تنظیم المدارس کی تاسیس:

ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا دور کئی حوالوں سے پاکستان کی تاریخ کا، مسلک اہل سنت اور مدارس کے حوالے سے یادگار رہے: 1) مشرقی پاکستان کی علیحدگی۔ 2) اسلامی سربراہی کانفرنس کی آڑ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان۔ 3) اسلامی سربراہی کانفرنس کا لاہور میں انعقاد۔ 4) مدارس دینیہ کے طلبہ کے لیے رعایتی کرایہ کارڈ کا اِجرا۔ 5) مدارس دینیہ کی اسناد کو تسلیم کرنے کا عملی مظاہرہ۔

جب اسمبلی میں جے۔ یو۔ آئی۔ والوں نے ''وفاق المدارس'' کی سند کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے برابر تسلیم کرنے کا بل پیش کیا اور وزیرِ تعلیم: حفیظ پیرزادہ اور مولانا کوثر نیازی نے آمادگی کا اظہار کیا تو مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ نے اعتراض اُٹھایا کہ ملک میں اہل سنت کی اکثریت ہے، اہل دیوبند تھوڑے ہیں تو ان کی سند کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جانا چاہیے جب تک کہ مذہبی اکثریت کے مدارس کی سند کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ اگر اہل سنت بھی وفاق کی طرز کی سند پیش کریں تو ان کی سند کو بھی تسلیم کرلیا جائے گا۔ اِس پر سنی نمائندوں نے ایسی سند پیش کرنے کا دعویٰ کردیا، جبکہ اندرونی حالت یہ تھی کہ 1960ء میں حضرت غزالئ زمان علیہ الرحمہ نے تنظیم المدارس کے نام سے مدارس کا وفاق بنایا تھا، مگر ابھی تک کوئی سند نہیں بن سکی تھی۔

اس صورت حال کا علم جب اہل سنت کے نمائندوں کو ہوا تو غالباً علامہ ازہری نے حضرت مفتی صاحب سے رابطہ کیا کہ تنظیم کا اِحیا آپ کریں۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اس کی ہامی بھر لی اور یہ تاریخی اِعزاز مجھے حاصل ہوا کہ میں نے ناظم دفتر کی حیثیت سے تنظیم کے اِحیا کے تاسیسی خطوط اپنے ہاتھ سے لکھے۔ اس وقت فوٹو کاپی اور کمپیوٹر کا دور نہیں تھا، وہ خطوط آج بھی محفوظ ہوں گے۔ اب یہ ذمہ داری مجھے کیوں دی گئی؟ اس کا علم تو حضرت مفتی صاحب کو بہتر تھا، البتہ میری مالی حالت شاید حضرت مفتی صاحب کے اس فیصلہ کی بنیاد بنی۔ اُس وقت میرا مشاہرہ 30 روپے طے ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کے نتیجے میں نہ صرف تنظیم کا احیا ہوا، بلکہ الحمد للہ تنظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور وفاق کے مقابل تنظیم کی سند بھی تمام ضروری تقاضوں کے مطابق پیش کردی گئی اور یوں یہ بل اسناد کی تسلیم اور معادلہ کا منظور ہوگیا۔

اگر چہ بعد میں تعصب کی وجہ سے وفاق کی سند کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ متعدد بار توجہ دلانے کے باوجود اس پہلو پر غور نہیں کیا گیا، نہ اس امتیازی سلوک کے ازالہ کے لیے کچھ کیا گیا۔ مَیں چونکہ براہ راست گورنمنٹ میں ہوں، اس لیے مجھے اس کا شدت سے احساس ہے۔

مالی مشکلات کے حل کے لیے خصوصی شفقت:

حضرت مفتی صاحب کے سامنے میں نے کبھی اپنی کمزور مالی حالت کا تذکرہ نہیں کیا، لیکن یہ حقیقت تھی کہ مَیں مالی مشکلات کا شکار رہتا تھا۔ بنا بریں حضرت مفتی صاحب نے میرے اس سخت موقف کے باوجود کہ میں ٹیوشن پڑھانا اور امامت کرانا پسند نہیں کرتا تھا، کیونکہ اس میں کئی خرابیاں تھیں، جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ ایسا کرنے سے تعلیمی نقصان ہوتا تھا، بایں ہمہ حضرت مفتی صاحب نے شاید میری شدید مالی ضرورت کو از خود محسوس کیا، چنانچہ دو جگہ تو مجھے ٹیوشن پڑھانے کے لیے خود حضرت مفتی صاحب نے مامور کیا۔ ایک تو بٹ سویٹ ہاؤس والوں کے بیٹے کو اوپن یونیورسٹی کا عربی کا کورس کرانے کے لیے حکم دیا اور اس کا مالی فائدہ بھی ہوا، مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ سائیکل ملی جو کافی دیر تک میری ہمدم رہی اور کچھ ماہانہ نقدی بھی ملنے لگی جس سے کچھ نہ کچھ سہولت ملی۔ دوسرا ہمارے جامعہ کے ساتھ ایک گلی میں عربی پڑھانے کے لیے آپ نے حکماً بھیجا اور پھر آخری سال میں میرے لیے امامت وخطابت کا بندوبست بھی خود فرمایا۔ یوں میں جامعہ کے ہاسٹل سے مسجد بھاٹی گیٹ میں منتقل ہوا اور وہاں تین چار سال تک امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔

احسانِ بے امتنان:

میری تحریکِ ختمِ نبوت کے دور میں قید سے رہائی بذریعہ ضمانت ہوئی تھی، جس شخص نے میری ضمانت دی تھی مَیں آج تک اس کی شکل سے واقف نہیں ہوں، نہ کبھی میری اس اللہ کے بندے سے ملاقات ہوئی، نہ اس نے کبھی مجھ سے مل کر یہ جتانے کی کوشش کی کہ میں نے تمہاری ضمانت کروائی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے ہی اس بندے کو تیار کیا ہوگا اور میری ضمانت ممکن ہوئی، لیکن حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰ اور حضرت مفتی صاحب:

حضرت مفتی صاحب مزاجاً ہنگاموں، ہنگامہ آرائیوں اور شہرت سے دور رہتے تھے، جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ کو پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے قومی یا صوبائی اسمبلی کے انتخاب لڑنے کی پیشکش ہوئی، لیکن آپ نے یہ پیشکش قبول نہیں کی۔ شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمہ کو لوہاری کے حلقہ سے صوبائی اسمبلی کے لیے نہ صرف کھڑا کیا، بلکہ ان کی ہر طرح مدد بھی کی، لیکن قومی اسمبلی کے انتخابات میں شدید دھاندلی کی بنا پر جب صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا کامیاب اور تاریخی بائیکاٹ ہوا اور بعد میں تحریک نظام مصطفیٰ شروع ہوئی تو آپ نے جامعہ کو مکمل طور پر تحریک میں شمولیت کی آزادی دی، جس کے نتیجہ میں 9 اپریل، 1979ء کو پنجاب اسمبلی کے سامنے احتجاج کرنے کے نتیجے میں زخمی ہونے والوں میں رفیق محترم مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی بھی شامل تھے، مَیں بھی وہاں موجود تھا مگر خوش قسمتی سے میں کسی نقصان سے محفوظ رہا۔ جامعہ کے طلبہ نے بھر پور حصہ لیا اور لوہاری

کوتحریک کا مرکز بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی نقصان ہوتا تو حضرت مفتی صاحب اس کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

دورۂ حدیث کی پہلی کلاس اور مفتی صاحب کا اندازِ تربیت:

راقم السطور، مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی اور دیگر پانچ حضرات پر مشتمل دورۂ حدیث کی جامعہ کی پہلی کلاس تھی۔ آپ نے جہاں سارا سال بھر پور انداز میں خود بھی ہمیں تعلیم دی وہاں دیگر اساتذہ کی نگرانی بھی کی اور ہمیں لکھنے کا اسلوب بھی سکھایا۔ آپ نے کلاس کو فارغ کرنے سے قبل پورے پنجاب کے دورے پر ہمیں بھجوایا اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے اخراجات جامعہ نے برداشت کیے یا تنظیم المدارس نے۔ اس دورے کے دوران جہاں ہمیں بڑے نامور محدثین سے حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جو روایتِ حدیث میں ایک فخر سمجھا جاتا ہے، وہیں ہمیں کامیاب مدارس کے سربراہوں سے ملاقات کے ذریعے کامیاب زندگی گزارنے کے کئی گُر بھی معلوم ہوئے۔ نیز مدارس کے منتہی طلبہ کے ساتھ میل ملاقات اور گفتگو سے ہمیں بہت کچھ حاصل ہوا۔ یہ حضرت مفتی صاحب کی جانب سے مستقبل کے جامعہ کے فضلا کے لیے ایک ہاؤس جاب کی فراہمی کی کوشش تھی۔

اللہ حضرت مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، جامعہ سے تدریسی وابستگی سے جہاں علمی گہرائی حاصل ہوئی اور حضرت مفتی صاحب کے انتظامی انداز کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، وہاں ہم نوجوانوں کو شہرت بھی حاصل ہوئی، جس کی ابتدائی مدرسین کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اسی شہرت کا نتیجہ تھا کہ جب تن بہ تقدیر جامعہ سے ابھی میری وابستگی ختم بھی نہیں

ہوئی تھی، اس وقت بھی منہاج القرآن کی جانب سے تدریس کی پیش کش تھی، جو اس طرح پوری ہوئی کہ جامعہ سے جب میری وابستگی ختم ہوئی تو پہلے ہی ہفتہ میں مجھے حضرت مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمہ نے بُلوا بھیجا اور جامعہ نعیمیہ کی تدریس کے فرائض مجھے تفویض کیے اور میرا وہاں جانا ایک خوشگوار واقعہ تھا۔ جامعہ کے طلبہ نے میرے اندازِ تدریس پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور پھر کچھ عرصہ بعد جامعہ سے میری وابستگی کشمیر میں تحریکِ آزادی کے گوریلا جنگ میں تبدیل ہوجانے کے بعد ختم ہوگئی۔

کچھ عرصہ بعد جب میں واپس لاہور آیا تو جامعہ جماعتیہ حیات القرآن والوں نے مجھے منصب تدریس تفویض کیا، ازاں بعد جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن سے وابستہ ہوگیا۔ یہ سب حضرت مفتی صاحب کے علیہ الرحمہ کی قدموں کی دھول تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حوصلہ افزائی:

محکمہ اوقاف میں ڈسٹرکٹ خطیب بننے کے بعد جب میں جامعہ میں حاضر ہوتا تو مفتی صاحب بہت عزت افزائی فرماتے۔ ایک بار میں نے عرض کیا: یہ افسری آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی بدولت ملی ہے تو آپ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے، مگر اللہ نے تمہیں عزت دی ہے تو تمہاری عزت کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہیں تمہارے والد صاحب کی بددعا لگ گئی ہے کہ تم ڈسٹرکٹ خطیب بن گئے ہو“ اندازہ فرمائیں کہ کس حسین انداز میں حضرت نے میری بظاہر اس غلطی کی نشاندہی فرمائی کہ میں نے سرکاری افسری کا عہدہ قبول کر کے غلطی کی ہے۔ یہ غلطی تھی یا نہیں؟ اس کا اندازہ بعد میں ہوا۔

اس کے بعد میں نے جامعہ مدینۃ العلم کے نام سے راناٹاؤن، تحصیل فیروزوالا، ضلع شیخوپورہ میں اپنا جامعہ قائم کیا اور تاریٹائرمنٹ اپنے جامعہ کی خدمت کے ساتھ قوم کی خدمت بھی کرتا رہا۔ جب میں نے اپنا جامعہ قائم کرنے کا حضرت مفتی صاحب سے ذکر کیا تو آپ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اچھا ہے کہ تم نے کچھ کام کیا، ورنہ ہمارے لوگ کہاں کام کرتے ہیں۔

جب میں نے اپنے جامعہ کے بطور ''فوقانی جامعہ'' تنظیم المدارس کے ساتھ الحاق کے کاغذات آپ کی خدمت میں پیش کیے، کہ آپ ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس تھے، تو جس طرح آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی وہ میرے لیے ایک اعزاز ہے۔

ایک دفعہ ایک فتویٰ لکھتے ہوئے میری توجہ نہ رہی (میں نے فتویٰ نویسی کی تربیت مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے ہی لی تھی)، جس پر حضرت نے مجھے تنبیہ کی۔ میں نے وہ فتویٰ واپس لے لیا تو آپ نے اس پر میری بڑی تحسین فرمائی۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کی حیرت انگیز اٹھان:

جب میں لاہور آیا تو اس وقت جامعہ نعیمیہ ایک چمکتی دمکتی عمارت کا نام تھا، جسے دیکھ کر کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے برعکس جامعہ نظامیہ ایک کچی کلی تھی اور اس میں کسی کے لیے کشش کا کوئی پہلو نہ تھا، لیکن کیونکہ مجھے تفصیلات کا پورا علم نہیں کہ مصطفیٰ کھر کے دورِ حکومت میں اچانک کس وجہ سے اُٹھان ملی اور اس کا سبب بھی کچھ حیرت انگیز ہی بیان کیا جاتا ہے، جس کی تفصیلات مجھے ازبر نہیں کہ لکھ سکوں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پلک جھپکنے میں جامعہ نظامیہ رضویہ ایک غریب کی جھونپڑی جیسی کیفیت سے نکل کر

ایک عظیم الشان عمارت میں تبدیل ہو گیا اور یہ اللہ کا فضل مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے صبر و اِستغنا اور توکل علی اللہ کا میٹھا پھل تھا۔ جب ہم جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے تو جامعہ ایک عظیم الشان عمارت کا حامل تھا۔

جامعہ نظامیہ کی کشش کی اصل وجہ:

ان دنوں جب جامعہ کی عمارت میں کوئی کشش نہ تھی، پھر بھی صحیح تعلیم حاصل کرنے کے شوقین طلبہ جامعہ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ بے بضاعتی کے عالم میں بھی اچھے سے اچھا مدرس مہیا فرمایا کرتے تھے اور چونکہ وہ لوگ خود شہرت یافتہ اساتذہ ہوا کرتے تھے اس لیے بچے ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ جب جامعہ ایک اچھی عمارت کا حامل بھی ہو گیا پھر تو ہر طرف کے بچوں کا رخ اس تنگ بازار کی عمارت کی طرف ہی ہوتا تھا۔

حرفِ آخر:

چیدہ چیدہ چیزیں جو ذہن میں تھیں، بے ترتیب حوالۂ قرطاس کر دی گئی ہیں اور بہت کچھ اور بھی لکھا جا سکتا تھا، لیکن اس پر توجہ شاید قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث نہ ہو اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ ''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''۔

محسنِ اہلِ سنت......جلال آمیز مشفق ومربی

تحریر: مولانا مفتی ظہور احمد جلالی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیر غفر لہ اللّٰہُ القدیر کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عبد العزیز نقشبندی علیہ الرحمہ نے مکمل درسِ نظامی اُستاذ العلما محدثِ کبیر علامہ غلام رسول رضوی، شیخ الحدیث علیہ الرحمہ سے شرقپور شریف میں پڑھا تھا اور حضرت قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ بھی انہی کے مایہ ناز، بلکہ سب تلامذہ میں بلند پرواز تلمیذ رشید تھے۔ اس تعلق کی بنا پر فقیر کے والد گرامی علیہ الرحمہ درسِ نظامی کے لیے مجھے جامعہ نظامیہ رضویہ، قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت با برکت میں چھوڑ آئے۔ اسی سال حضرت استاذی المکرّم قبلہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی دامت برکاتہ نے تدریس کا آغاز فرمایا تھا، جو قرآن عزیز کے حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ مفتیٔ اعظم پاکستان کے افکار، کردار، فروغ علم، واشاعتِ دین، مواریثِ علمیہ، اقدارِ روحانیہ، جہادِ عملی اور جذبۂ ایمانی کے امین و حافظ ہونے کی بنا پر ''قبلہ حافظ صاحب'' کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

فقیر کو جامعہ میں دو سال (1976ء و 1977ء) رہ کر حصولِ علم کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس دور میں پاکستان کی عظیم ترین تحریک ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' چلی تو اس میں جامعہ کا کردار بڑا روشن تھا۔ حضرت استاذ العلما علامہ محمد رشید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات پر طلبا جلسوں اور جلوسوں میں پُر جوش انداز میں بھر پور شرکت کرتے۔ پولیس کے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کی پرواہ کیے بغیر اگلی صفوں میں نعرے لگاتے نظر آتے۔

مفتی صاحب کا اندازِ تدریس:

حضرت مفتی صاحب قبلہ مرقاۃ (منطق)، ہدایۃ الحکمۃ اور تلخیص المفتاح اکثر خود ہی پڑھاتے تھے، اور یہ تینوں کتابیں طلبا کو از بر یاد کرا دیتے تھے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہوتا کہ ''ہر فن کی ایک کتاب خوب سمجھ کر یاد کر لو، سارا فن آسان ہو جائے گا۔''

حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا طرزِ عمل اور نظم وضبط مثالی تھا اور آپ کے ارشادات میں مکمل رہنمائی ہوتی تھی۔

مفتی صاحب اور نظم وضبط کی پابندی:

فقیر کو 1989ء میں ایک سال جامعہ نظامیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ علامہ محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی اس سال شرح ملا جامی، اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھتے تھے۔ اس دوران قبلہ مفتی صاحب کو مزید قریب سے دیکھنے اور اُن سے مزید اکتسابِ فیض وحصولِ تربیت کا موقع میسر آیا۔ آپ نظم وضبط میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار تعلیمی نظم وضبط کے حوالہ سے بات ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا:

''جو طالب علم کلاس میں بد نظمی پھیلائے تو پہلے اُسے خود سزا دو کہ اس نے کلاس کے نظام میں گڑ بڑ کی ہے، پھر اُسے ناظمِ تعلیمات کے پاس بھیجو، وہ اس سے پوچھیں گے کہ اُس نے تعلیم کے نظام میں کیوں گڑ بڑ کی ہے؟ پھر اُسے ناظمِ اعلیٰ کے حوالے کر دو، وہ اسے ادب سکھائے گا کہ مدرسہ کے نظام میں بد نظمی پیدا کرنے کی اُسے جرأت کیسے ہوئی؟''

ظاہر ہے کہ جب کوئی باحیا طالب علم ان تینوں مرحلوں سے گزرے گا تو پھر کبھی بھی تعلیم وتعلم میں لاپرواہی کا مرتکب نہیں ہوگا۔

مفتی صاحب کی میر پور آمد اور پند ونصیحت:

فقیر کو اسلام گڑھ، نزد ڈھانگری شریف میر پور، اے۔ کے میں سات آٹھ سال تدریس وخطابت کی خدمات انجام دینے کا موقع میسر آیا۔ ایک سال ڈھانگری شریف عرس مبارک کے دن میں باہر سڑک کنارے کھڑا ہوگیا کہ آج علماء ومشائخ گزریں گے تو ان کو دارالعلوم میں لاکر دعا کروائیں گے اور خدمت کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ اور قبلہ حافظ صاحب زید مجدہٗ تشریف فرما ہوگئے۔ مجھے دیکھ کر گاڑی روک لی۔ سلام کے بعد حضرت مفتی صاحب قبلہ فرمانے لگے کہ ''میں حافظ صاحب سے کہہ ہی رہا تھا کہ وہ جلالی صاحب کدھر ہوتے ہیں؟ یہ بتا رہے تھے کہ اِدھر ہی ہوتے ہیں تو تم کھڑے نظر آگئے۔'' **والحمد للّٰہ علی ذلک.** آپ مدرسہ میں تشریف فرما ہوئے، کلاسیں دیکھیں اور ماحول کو ملاحظہ فرمایا۔ فرمانے لگے:

''تمہاری جگہ اچھی بن گئی ہے، ساری کلاسیں نظروں کے سامنے رہتی ہیں، اب پڑھائی میں سُستی نہ کرنا، اگر کوئی طالب علم سختی سے گھبرا کر چلا جائے تو پرواہ بھی نہ کرنا، اگر ایک جائے گا تو پانچ بھیجے گا اور کہے گا: "میں تو نہیں پڑھ سکا، اگر تم نے پڑھنا ہے تو وہاں چلے جاؤ"''۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ یہ فرما کر کھل کر ہنسے اور فرمایا:

''تمہیں میں نے گُر بتا دیا اسے پلے باندھ لو''

الحمدللہ فقیر حضرت کے ارشاد پر عمل پیرا ہے اور اس کی برکات بھی ظاہر ہیں۔

راقم کی مانگا منڈی آمد:

اسلام گڑھ، میر پور قیام کے دوران دینی اور تعلیمی حوالہ سے بحمدہٖ تعالیٰ بھرپور کام جاری تھا، مگر وہاں کے چند نام نہاد وڈیروں نے اپنی نحوست ماند پڑتی دیکھ کر شرانگیزی شروع کردی۔ میرے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ یہی پندرہ، بیس سال تک جسمانی صحت کام کی اجازت دے گی اس کے بعد بس۔ اگر اس طرح دو، تین سال اِدھر اور دو، تین سال اُدھر گزار لیے تو عمر بے کار گئی، اب کسی ایک جگہ بیٹھنا چاہیے کہ وہاں سے اُٹھنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور دین کا کام بھی ہوجائے۔ فقیر کو کئی شہروں میں جگہ ملی تھی، لیکن حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا ارشاد گرامی یاد آگیا، آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''(کافی حد تک کام ہونے کے باوجود) جس قدر محنت کی ہے اُس کے مطابق اثرات ظاہر نہیں ہوئے۔ اگر کسی گاؤں میں اتنی محنت کی ہوتی تو خدماتِ دینیہ کے ثمرات اِس سے کہیں زیادہ ظاہر ہوتے۔''

مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے باصلاحیت طلبا آتے ہیں، پڑھنے والے ہوتے ہیں، مگر دورانِ تعلیم کوئی امام مسجد بن جاتا ہے، کوئی مؤذن، کوئی ٹیوشن پڑھانا شروع ہوجاتا ہے، اس طرح ضائع ہوجاتے ہیں، جب کہ گاؤں میں یہ مسائل نہیں ہوتے، طلبا یکسو ہوکر پڑھائی میں متوجہ رہتے ہیں اور کامیاب ہوجاتے ہیں۔

حضرت کے اس ارشاد کے پیشِ نظر فقیر نے ''دار العلوم محمدیہ اہل سنت'' کے قیام کے لیے مانگا منڈی کا انتخاب کیا، کہ یہ نہ تو شہر ہے اور نہ ہی دور اُفتادہ گاؤں، قومی شاہراہ پر واقع ایک قصبہ ہے، یہاں آنے والے طالب علم دیگر مشاغل سے لاتعلق رہ کر اپنے مقصد میں مصروف رہیں گے۔

دار العلوم محمدیہ کا سنگِ بنیاد اور مفتی صاحب کی تشریف آوری و دعا:

''دارالعلوم محمدیہ اہلِ سنت'' کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے لبِ سڑک، حاجی پارک میں مدرسہ کے لیے جگہ نصیب ہوئی۔ سنگ بنیاد کے لیے حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سے گزارش کی جو آپ نے بڑی مسرت سے قبول فرمائی۔ دورانِ گفتگو فقیر نے عرض کرنا تھا کہ پروگرام مختصر وقت کے لیے ہوگا، ایک بیان، دعائیہ کلمات اور دعا۔ راقم یہ بات واضح نہ کرسکا۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے سمجھا کہ پروگرام مختصر ہوگا کہ سنگِ بنیاد دعائے خیر اور بس۔

پھر احباب نے مشورہ دیا کہ پروگرام کے ذریعے اہل سنت کی شوکت وقوت میں اضافہ ہونا چاہیے، علاقہ بھر کے مشائخ وعلما کو دعوت دی جائے۔ اس طرح دار العلوم کا تعارف بھی اچھی طرح ہوجائے گا۔

جب اشتہار حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ دیکھ کر سخت ناراض ہوئے کہ وہ تو کہتا تھا کہ پروگرام مختصر ہوگا، یہ تو اس نے پورے عرس کا اہتمام کر رکھا ہے۔ یہ اشتہار لے جاؤ، میں نہیں آؤں گا۔ اشتہار پیش کرنے والے نے مجھے فون پر یہ اطلاع دی تو مَیں نے قبلہ استاذیم حافظ صاحب دامت برکاتہٗ سے عرض کیا کہ پروگرام اتنے وقت کے لیے ہی ہوگا، البتہ اہل سنت کی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ حافظ صاحب قبلہ کی سفارش قبول ہوگئی۔ آپ نے آمد پر رضامندی ظاہر فرمادی۔ بعد میں بندہ نے فون کیا، تسلیم وآداب کے بعد عرض کیا کہ بندہ معافی کا خواستگار ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو کون ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ گناہ گار۔ فرمایا: ''کوئی نام بھی تو

ہوگا؟'' عرض کیا کہ نام بھی گناہ گار ہی ہے۔ فرمایا: ''پھر بھی نام کیا ہے؟'' عرض کیا: ظہور احمد جلالی۔ اس پر آپ مسکرانے لگے کہ ٹھیک ہے، میں پہنچ جاؤں گا۔

۱۸ رجب ۱۴۲۳ھ بمطابق 20 ستمبر 2002ء کو عصر کے بعد پروگرام تھا۔ آپ عصر سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے تشریف فرما ہوگئے۔ سٹیج اور پنڈال کی جگہ اس قسم کی تھی کہ سڑک پر اور پنڈال میں صرف دریاں بچھائی تھیں، جو ابھی بچھی نہ تھیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ فرمانے لگے: ''تمہارا جلسہ کدھر ہے؟'' عرض کیا: یہیں ہے۔ قریب ہی دیوار کا سایہ تھا، آپ وہاں گھاس پر بیٹھنے لگے۔ عرض کیا کہ کرسیاں آ رہی ہیں، ذرا ٹھہریں۔ آپ نے فرمایا: ''ہم درویش لوگ ہیں، زمین پر بیٹھیں گے۔'' اتنے میں کرسیاں پہنچ گئیں، مگر آپ زمین پر ہی تشریف فرما رہے۔ حضرت شہیدِ پاکستان علامہ ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، حضرت صوفی محمد غلام سرور نقشبندی اور دیگر علما و مشائخ تشریف لاتے گئے اور کسی دری وغیرہ کے بغیر ہی زمین پر جلوہ فرما ہوتے گئے۔ حاضرین اپنے وقت کے بلند ترین علما، اساتذۃ العلماء والمشائخ کی تواضع وانکساری پر رشک کرتے رہے۔ نمازِ عصر وہیں پنڈال میں ادا کی گئی۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے امامت فرمائی اور نماز کے بعد دیگر ادعیہ ماثورہ کے علاوہ اِس دعا کا بطورِ خاص تین مرتبہ تکرار فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ وَخِدْمَۃِ دِیْنِکَ.

اس میں "وَخِدْمَۃِ دِیْنِکَ" کا بطورِ خاص ذکر تھا۔ فقیر نے اِن الفاظ کا اضافہ پہلی بار حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زبان سے سنا تھا اور میرا وجدان یہ کہہ رہا تھا کہ اس عالم ربانی کی دعا فقیر کے اور دارالعلوم کے حق میں ضرور قبول ہوگئی ہے اور اصل کام تو ہوگیا ہے باقی سب کام نور علیٰ نور ہیں۔ عارفِ رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

نورِ حسّ را نورِ حق تزیین بود

معنیٔ نورٌ علیٰ نورٍ ایں بود

یہاں سنگِ بنیاد کے موقع پر بہت بڑا اجتماع ہوگیا، جس پر آپ بہت خوش تھے۔ واپسی پر فقیر نے کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا تو فرمایا: ''یہ تم رکھو۔ اب خدمت کرنا ہمارا حق ہے۔'' اور آپ نے اپنی جیب سے کافی ساری رقم نکال کر تعمیر کے لیے عطیہ کردی۔ **جزاہ اللّٰہ تعالیٰ فی الدارین خیرًا۔**

مفتی صاحب کی مومنانہ فراست وبصیرت:

مانگا منڈی میں 1970ء تک ایک بھی وہابی یا دیوبندی نہ تھا۔ اس کے بعد ایک پرائمری ٹیچر ماسٹر اللہ رکھا وہابی، گورنمنٹ پرائمری سکول مانگا گاؤں میں تعینات ہوا اور کچھ لوگ ''مخلوق الروٗس'' رائیونڈی مخلوق کے ہمراہ رائیونڈ جانا شروع ہوگئے۔ پھر ایک اور وہابی عبدالمجید پٹواری چھبرّ، ضلع قصور سے آکر آباد ہوگیا۔ اُنھوں نے اپنی جماعت سے مل کر مانگا منڈی جامع مسجد نور باغ والی کے بالمقابل تقریباً ساٹھ گز کے فاصلے پر مسجدِ ضرار کی بنیاد رکھی۔ وہاں کوئی گھر بھی نہ تھا، وہابی ہونا تو دور کی بات ہے۔ چوک دالگراں، لاہور سے ایک روپڑی وہابی مغرب کو آتا اور صبح لاہور کوچ کر جاتا۔

احادیث طیبہ کثیرہ صحیحہ کے مطابق ایمان نے سکڑنا اور منافقت نے پھیلنا ہے۔ اِدھر امریکہ کو اپنے ایجنٹوں کی ضرورت تھی تو انھوں نے نجدی وہابی سعودی حکومت کو حکم دیا کہ وہ فروغ وہابیت کے لیے ریالوں کی تجوریوں کے منہ کھول دے، جس کا اعتراف خود شہزادہ محمد بن سلیمان نجدی کر چکے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز

میں مانگا منڈی میں راتوں رات تین مسجدیں بنائی گئیں اور دہشت گرد مجاہدین کا روپ دھار کر وہاں لوگوں کو ہراساں کرتے رہے۔

ہمارا پروگرام ۱۸ رجب ۱۴۲۳ھ/20 ستمبر 2002ء کا تھا۔ فقیر نے تو کچھ بھی عرض نہیں کیا تھا، مگر حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے از خود ہی سنگِ بنیاد کے موقع پر مسجد قباء شریف، مسجدِ نبوی شریف اور مسجد ضرار کا تفصیل سے ذکر کیا اور فرمایا:

''مسلمانوں کی مسجدیں ٹھہر ٹھہر کر بنتی ہیں اور مسلمانوں کے چندے سے بنتی ہیں، جب کہ منافقوں کی مسجدیں راتوں رات بنتی ہیں اور چندے کا پتا بھی نہیں چلتا کہ کدھر سے آیا ہے۔''

جب حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ یہ بیان فرما رہے تھے تو واقفِ حال احباب محظوظ ہو رہے تھے اور اپنے سامنے کی راتوں رات بننے والی تینوں ''ضرار مسجدوں''، منافقینِ زمانہ و منافقین مدینہ کا تصور کر کے مسکرا رہے تھے اور فقیر حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی بصیرت پر آفرین کہہ رہا تھا۔

مفتی صاحب کے دستِ مبارک سے آخری سنگِ بنیاد:

جامع مسجد دار العلوم محمدیہ کا سنگِ بنیاد 2002ء کو رکھا گیا اور اگلے سال مفتی صاحب کا وصال ہوگیا۔ یہ آخری مدرسہ و مسجد تھی جس کا سنگِ بنیاد آپ نے رکھا ہے۔

استاذیم قبلہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب پر اعتماد:

یہ حقیقت ہے کہ مفتی صاحب کو حضرت قبلہ حافظ صاحب پر مکمل اعتماد تھا۔ حافظ صاحب قبلہ جو فرما دیتے حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اُسے برقرار رکھتے۔

جس سال بندہ وہاں خدمتِ تدریس پر مامور تھا، چھ ستمبر کو جامعہ حاضر ہوا تو پتا چلا کہ طلبا نے فورٹریس گراؤنڈ میں اسلحہ کی نمائش دیکھنے کے لیے چھٹی کی درخواست دی، جس پر حافظ صاحب قبلہ نے رخصت دے دی۔ اتنے میں مفتی صاحب قبلہ تشریف فرما ہوگئے، وہ بھی دیکھ کر متعجب ہوئے۔ ہم مفتی صاحب کے کمرہ میں حاضر تھے کہ ایک استاذ صاحب نے کہا: اگر آج چھٹی تھی تو دستور کے مطابق نوٹیفکیشن جاری کیوں نہیں ہوا؟ اساتذہ کے دستخط نہیں کرائے گئے؟ اور اگر چھٹی نہیں ہے تو پڑھائی کیوں نہیں ہو رہی؟ اُن کے اندازِ گفتگو سے رقابت جھلک رہی تھی۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا: ''آج باقاعدہ چھٹی نہیں ہے، اسلحہ کی نمائش دیکھنے کے لیے کلاسیں نہ لگانے کی رعایت دی گئی ہے۔'' آپ کے انداز میں جلال کی جھلک واضح تھی۔

دارالعلوم محمدیہ مانگا منڈی کے سنگِ بنیاد کے چند ہی روز بعد جامعہ نظامیہ رضویہ میں ختم بخاری شریف کی تقریب ہوئی۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے ارشادات میں فرمایا:

''حافظ صاحب کا یہ کمال ہے کہ میرا غصہ (جلال) تم تک پہنچتے پہنچتے آدھا رہ جاتا ہے۔''

یہ بھی فرمایا:

''مولانا ظہور احمد جلالی ہمارے عزیز ہیں...... پچھلے دنوں میں اِن سے کسی وجہ سے ناراض ہوا تو حافظ صاحب نے مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا اور بہت اچھا ہوا کہ میں وہاں شریک ہوگیا۔''

مشاہداتِ علامہ قاری جان محمد صاحب مدظلہٗ:

ان کلمات کی تحریر کے دوران استاذ العلما والقرا، علامہ قاری جان محمد صاحب (سابق

مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور، حال مقیم پاکپتن شریف) کا فون آیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی عنایات کو یاد کر کے حوالۂ قلم کر رہا ہوں، آپ بھی کچھ فرما دیں۔ تو انھوں نے فرمایا:

حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ کے مایہ ناز شاگرد اور ان کے علوم و فیضان کے حقیقی معنوں میں قاسم تھے۔ اساتذہ کے انتخاب میں بڑی دور اندیشی اور تدبر کامل سے کام لیتے تھے۔

مَیں نے درسِ نظامی حضرت ملک المدرسین علامہ عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ سے پڑھا تھا۔ چودہ سال تدریس کے بعد مجھے خیال آیا کہ علم تجوید باقاعدہ طور پر حاصل کرنا چاہیے، تو میں نے اڑھائی سال میں مکمل تجوید وقراءت (روایت حفص، سبعہ قراءات وثلثہ قراءات) کا فن سیکھا۔ ایک دن حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے: ''یہ علمِ تجوید وقراءت کے لیے تدریس چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟'' مَیں نے علم تجوید کی اہمیت اور مخارجِ حروف کا فرق بیان کیا تو بہت خوش ہوئے۔ مجھے فرمایا کہ تم جامعہ نظامیہ میں تجوید بھی پڑھایا کرو اور طلبا کو فرمایا کہ ''قاری صاحب نے تجوید سمجھ کر پڑھی ہے، تم ایک گھنٹہ اِن سے تجوید پڑھا کرو۔'' الگ کوئی تدریسی کمرہ خالی نہ تھا، آپ نے اپنا کمرہ مجھے دے دیا اور میرے تدریس کے وقت میں خود برآمدے میں تشریف فرما رہتے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے دین کا بہت بڑا کام کیا ہے۔ بندہ دل و جان سے تسلیم کرتا ہے کہ مدرسہ چلانے اور نظم وضبط قائم رکھنے میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ تعلیمی میدان میں جامعہ نظامیہ مدارسِ اہل سنت میں سب سے سرِ فہرست تھا۔

ایک دفعہ میں حاضر ہوا تو میرے ہاتھ میں تھیلا تھا، جو عموماً میں ساتھ ہی رکھتا تھا۔

مفتی صاحب نے فرمایا: ''تھیلا ساتھ کیوں رکھتے ہیں؟'' بندہ نے وجہ بیان کی تو وہاں پر موجود مقوی دماغ معجون کا ڈبہ پڑا تھا اس سے مجھے بھی حصہ دے دیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے باغات کو سدا بہار رکھے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

خلاصۂ کلام:

حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ تعلیم و تعلم کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ اپنے کسی شاگرد عالم، بلکہ کسی بھی عالم کو بے کار دیکھنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ حسبِ موقع، حسبِ ضرورت، حسبِ حال تادیب و فہمائش میں کسر نہ چھوڑتے تھے۔ نشر و اشاعت میں بھی اُن کی گراں قدر خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسناتِ باقیات کو شرفِ قبولیت سے نوازے رکھے اور آپ کو اِن کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ عارف رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چیست مُزدِ کارِ من دیدارِ یار
گرچہ خود بو بکر بخشد چہل ہزار
ہر کہ از دیدار بر خوردار شد
ایں جہاں در چشمِ اُو مُردار شد
رحمت و رضوانِ حق در ہر زمان
باد بر جان و روانِ پاک شان

126

مفتیٔ اعظم پاکستان......مردِ کامل، رجال ساز

تحریر: علامہ مفتی رسول بخش سعیدی مدظلہ، برمنگھم، برطانیہ

یہ غالباً 1979ء کی بات ہے جب یہ بندۂ ناچیز دارالعلوم عیدگاہ، کبیر والا سے موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور پہنچا، جہاں نابغۂ روزگار شخصیات: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا مفتی غلام سرور قادری اور مولانا محمد رشید نقشبندی علیہم الرحمہ و دیگر شخصیات تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں۔

اِن میں ایک ایسی صوفی منش شخصیت بھی تھی جس میں مہتممین والا دبدبہ اور اداروں کے سربراہوں جیسا تکبر تو نہ تھا، مگر جاہ و جلال اور جمال سے متصف پُرکشش یہ ذات، سراپا اخلاص تھی......جن کا بڑے بڑے علما و مشائخ احترام کرتے تھے......اس شخصیت کا نام نامی مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ تھا۔ اس مردِ کامل کا بہت سارے لوگوں کو رجالِ کاملین بنانے میں بڑا کردار تھا۔

ہمارے اسباق زیادہ تر شرفِ ملت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا محمد رشید نقشبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پاس تھے، قبلہ حافظ محمد عبدالستار صاحب دورۂ حدیث شریف پہلے کر چکے تھے، اُن کی تدریس کی شروعات تھیں، تدریس کے ساتھ اُن کی نظامتِ تعلیم کا پہلو بہت نمایاں تھا۔

دورۂ حدیث شریف (1981-82ء) میں قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے قربت بہت ہی زیادہ رہی، بخاری شریف اور ترمذی شریف آپ سے پڑھنے کا شرف ملا۔ قبلہ مفتی صاحب کی تدریس کا انداز لاجواب اور احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط کمال کا تھا، بحث و

مباحثہ کے لیے طلبہ کو جوش دلانا اُن کا نمایاں وصف تھا، اچھی بحث پر حوصلہ افزائی کرنے میں وہ یکتا تھے، سننِ ابوداوٗد شریف کے سبق کا موقع آیا تو مجھے فرمایا: اپنی کلاس کو تم پڑھاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی، جس سے آپ بھی بہت خوش ہوئے اور ساتھی بھی۔ قبلہ مفتی صاحب جیسا نظریاتی شخص زندگی میں مَیں نے کم ہی دیکھا ہے۔

دورۂ حدیث شریف کے بعد مجھے حکم دیا کہ تدریس کے سلسلہ میں جامعہ عنایتیہ، خانیوال جاؤ، چنانچہ تقریباً 2 سال میں وہاں طلبہ کا جمِ غفیر ہوگیا۔ وہاں تدریس کے ساتھ ساتھ ملتان شریف میں حضور غزالئ زماں، رازئ دوراں قبلہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بخاری شریف دوبارہ پڑھنے اور بیعت کا بھی شرف حاصل ہوا۔ پھر لاہور واپسی ہوئی جہاں جامعہ رضویہ، گلبرگ میں قبلہ مفتی غلام سرور قادری کی سربراہی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ دریں اثنا انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں مجھے ایم۔اے۔عربی میں داخلہ مل گیا، جس کی وجہ سے مجھے چار سال کے لیے اسلام آباد جانا پڑا، اس عرصہ میں قبلہ مفتی صاحب سے رابطہ قائم رہا۔ لاہور واپسی پر آپ کے حکم سے جامعہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں مفتی غلام سرور قادری علیہ الرحمہ کے ہاں تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگا، جہاں قبلہ مفتی صاحب نے اپنے صاحبزادے، مولانا محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی اطال اللہ عمرہٗ کو تعلیم و تربیت کے لیے میرے پاس بھیج دیا، یہ آپ کا کمالِ اعتماد تھا۔

تقریباً 5 سال بعد صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن قادری صاحب کی دعوت پر اُن کے ساتھ حضرت سلطان باہو ٹرسٹ برمنگھم، برطانیہ پہنچا۔ قبلہ مفتی صاحب کی تربیت کا اثر تھا کہ یہاں کے نوجوانوں کو درسِ نظامی، دروسِ قرآن، دروسِ حدیث بڑے انہماک اور تحقیق کے ساتھ پڑھانے پر نوجوان سکالرز اور علما کی ایک ٹیم تشکیل پا گئی، یہ یہاں کے مسلمانوں کے

لیے عظیم تحفہ ہے۔ یہ نوجوان اب اس ملک میں تعلیم و تدریس اور تبلیغ کے میدان میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔

قبلہ مفتی صاحب یہاں تشریف لائے تو میرے پاس قیام فرمایا، اکٹھے سفر کیا۔ آپ کی ہدایات اور محبتیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔

قبلہ مفتی صاحب نے مجھے بارہا فرمایا: ''بیٹا! اب واپس پاکستان چلو، مَیں آپ کو جامعہ نظامیہ میں مسندِ حدیث پر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کئی بار میری طبیعت نے بھی جوش دکھایا، مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

عطاء الحق قاسمی جب ناروے میں تھے، انہوں نے کہا:

عجب زمین پہ اُترا ہوں، اِس کے رنگ عجیب
پرے دھکیلتی ہے، پاؤں بھی پکڑتی ہے

حضرت سلطان باہو ٹرسٹ میں تقریباً دس سال تعلیم و تدریس و تبلیغ کے بعد یہاں سے اجازت چاہی اور برمنگھم ہی میں اپنا ادارہ ''فیضان رسول ایجوکیشن سنٹر'' قائم کیا۔ ابتدا ہی میں جگر گوشۂ غزالی زماں پیر سید مظہر سعید صاحب کاظمی زید مجدہٗ تشریف لائے اور دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے وسیلہ سے برکت دی۔ الحمد للہ اِس وقت سینکڑوں کی تعداد میں طلبا و طالبات اس ادارہ سے علمی فیض حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے مفتئ اعظم پاکستان کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی چند یادیں

تحریر: علامہ مولانا محمد بخش کرمی مدظلہ، لاہور

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قدس سرہٗ ظاہری و باطنی حُسن کا پیکر تھے......نورٌ علیٰ نور تھے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کا معیارِ تعلیم و تدریس اور اساتذہ کرام کا چناؤ بے مثال تھا۔ قبلہ شرفِ ملت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری قدس سرہٗ، قاضی شرعِ متین مولانا قاضی محمد رشید نقشبندی نور اللہ مرقدہٗ، بابائے علم و عرفان مولانا محمد عبداللطیف خان مجددی رحمۃ اللہ علیہ، پیکرِ علم و حکمت مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ جیسی نابغۂ عصر ہستیوں کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت کا ماحول تھا۔

ایک سال ہم نے مخدومِ ملت مفتی گل احمد عتیقی دامت برکاتھم العالیہ سے بھی استفادہ کیا، پھر آپ تشریف لے گئے، لیکن بقیدِ حیات اساتذۂ کرام سے استفادہ جاری و ساری ہے۔

مفتی صاحب کے معمولات:

طلبا کے لیے قیام و طعام کا انتظام بہت اعلی تھا۔ مفتی صاحب تمام معاملات میں سخت گیر تھے اور اچھی کارکردگی پر حوصلہ افزائی فرماتے۔ مختلف کاموں پر طلبا کی ڈیوٹیاں لگاتے، نگرانی فرماتے اور اصلاح فرماتے۔ تمام علوم پڑھاتے خصوصاً فقہ اور حدیث میں بہت مہارت تھی۔ اپنا تمام وقت جامعہ کو دیتے، کسی مسجد کی ڈیوٹی نہ رکھی تھی۔ اخلاص وللّٰہیت، علم و عمل، جرأت و استقلال اور انتظامی امور کی مہارت انتہائے کمال پر تھی۔ سادگی، صفائی، کفایت شعاری، انکساری آپ کی شخصیت کا جز تھا۔ دعوت ناموں کے بنڈل ہمیں دیتے کہ

تنور میں پھینک دو......اس وقت لکڑی جلتی تھی، فرماتے: بے مقصد دعوت...... نشستند و گفتند و بر خواستند کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا، ایسے اجلاس میں نہیں جانا چاہیے۔ جس اجلاس میں دینی قومی اُمور حل ہوتے وہاں تشریف لے جاتے۔ بعض دفعہ حکمرانوں کے بامقصد اجلاسوں میں بھی تشریف لے جاتے، ان کے ذمہ کام لگاتے، اگلے اجلاس میں پوچھتے اگر اُن کی غفلت ہوتی تو سرزنش فرماتے، ان کو بھی خوف رہتا۔ اگر اساتذۂ کرام میں سے کوئی تاخیر یا غفلت کا شکار ہوتے تو بہت سخت سرزنش فرماتے، پھر معافی تلافی کے بعد اساتذہ کرام کی کارکردگی بہت اچھی ہوجاتی۔ طلبا کی عبارت کمزور ہوتی تو اُنھیں نحو میر حفظ کرواتے، خوب سختی فرماتے، پھر عبارت میں اِجرا کرواتے تو اُن کی عبارت بہترین ہوجاتی۔ آپ کے دفتر میں اساتذۂ کرام کا اجلاس ہوتا تو قبلہ حافظ صاحب مدظلہٗ کی خدمات کو سراہتے، باقی اساتذہ محسوس کرجاتے، آپ فرماتے: آپ لوگ وقت پورا کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، میں بھی رات کو چلا جاتا ہوں مگر حافظ صاحب دن رات حاضر ہیں، دین کے کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا پڑتا ہے، وہ صرف حافظ صاحب کا خاصہ ہے۔

ایک دفعہ ناچیز راقم کو قبلہ حافظ صاحب نے خود بتایا کہ مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے خلوص کا اجر مجھے حافظ صاحب کی شکل میں دیا ہے اور حافظ صاحب کے خلوص کے اجر میں اللہ تعالیٰ انہیں بھی کوئی ضرور دے گا۔

تنظیم المدارس کی سند منظور کروانے میں کردار:

محققِ عصر حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نور اللہ مرقدہٗ تشریف لائے تو مفتی صاحب نے ان سے سند کی منظوری کا ذکر فرمایا۔ ہم چند ساتھی پاس بیٹھے سن

رہے تھے۔فرمایا: صدرضیاءالحق کے دور میں یونیورسٹیوں کے عہدیداروں سے میری بیٹھک
تھی۔ وہ کہنے لگے: یہ لوگ مدارس میں آٹھ نو سال پڑھتے ہیں اور سند ایم۔اے کی مانگتے
ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا، انھیں زیادہ سے زیادہ میٹرک کے برابر سند ملنی چاہیے۔اپنی باری آنے
پر میں نے کہا: آپ ایک ٹیبل پر اپنے سولہ سالہ نصاب کا مواد رکھ دیں اور دوسرے ٹیبل پر ہم
اپنے نو سالہ نصاب کا مواد رکھتے ہیں، پھر آپ موازنہ کریں کہ آپ نے سولہ سال میں جو
پڑھایا ہے وہ زیادہ ہے یا ہم نے نو سال میں جو پڑھایا ہے وہ زیادہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا طالب علم پہلے پانچ سال اسکول میں اور ناظرہ میں لگاتا
ہے، پھر تین سال حفظ اور دو سال تجوید وقراءت میں، یہ دس سال ہوگئے، پھر نو سال درسِ
نظامی میں، یوں وہ انیس سال پڑھائی کرتا ہے، آپ سولہ سال پڑھاتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ کا طالبِ علم سند لے کر نوکری تلاش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
مجھے یہ تنخواہ اور گریڈ ملے گا تو میں کام کروں گا ورنہ بیٹھا ہوں۔ ہمارا طالبِ علم سند لے کر ایک
غیر آباد مسجد کو آباد کرتا ہے اور ایک عظیم ادارہ قائم کردیتا ہے۔

اس پر وہ کہنے لگے: ایسا جذبہ اور اتنی خوبیاں ہم نہیں دے سکتے، لہٰذا ان کو ڈبل
ایم۔اے کی سند دینی چاہیے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں داخلہ کے لیے کاوش:

ایک دفعہ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان قدس سرہ نے فرمایا: میں صدرضیاءالحق کے
ساتھ میٹنگ میں تھا، میں نے انہیں آگاہ کیا کہ اسلامک یونی ورسٹی میں ہمارے سنی بچوں کو
داخلہ نہیں ملتا، اس کا ازالہ کریں۔صدرضیاءالحق نے اپنے سیکرٹری سے کہہ کر ان سے رابطہ کیا

تو انہوں نے کہا: اِن لوگوں کا معیارِ تعلیم اچھا نہیں۔ میں نے صدرضیاءالحق سے کہا: یہ ان کا
پراپیگنڈا ہے۔صدرضیاءالحق نے انھیں موقع دینے کا کہا، جس پر اُنھوں نے اجازت دے
دی۔ چنانچہ مفتی صاحب نے کراچی تا پشاور تمام مدارسِ اہلِ سنت میں اس کی اطلاع
فرمادی۔سنی فارغ التحصیل علما تخصص کے لیے اسلام آباد پہنچ گئے۔ داخلہ ٹیسٹ ہوا تو پہلی
دونوں پوزیشنیں سنی طلبا کی تھیں اور دونوں جامعہ نظامیہ رضویہ کے: ایک مولانا رسول بخش
صاحب دوسرے مولانا شیخ فرید صاحب تھے۔

مسلم مسجد کو اہلِ سنت کے پاس رکھنے کے لیے کاوش:

1984ء کی بات ہے، ہم دورۂ حدیث میں دس، بارہ ساتھی تھے۔قبلہ مفتی صاحب
نے ہماری ڈیوٹی لگائی کہ روزانہ نمازِ مغرب کے بعد مسلم مسجد میں ایک حدیث پاک بیان
کرنی ہے اور مجھے اس کام کا نگران بنایا۔قبلہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ کی ڈیوٹی
لگائی کہ نمازِ عصر کے بعد سپیکر میں دس منٹ درس دینا ہے، آپ نے خوب فرض نبھایا۔

مسلم مسجد کے بانی اور خطیب حضرت مولانا محمد بخش مسلم (بی۔اے) نور اللہ مرقدہٗ
قائداعظم کے ساتھی اور مشیر تھے۔تحریکِ پاکستان اور تحریکِ ختمِ نبوت میں آپ کا بہت کام
ہے۔اپنی تقریروں میں انگلش، عربی، فارسی، اردو، ہندی اور پنجابی زبانوں میں حوالہ جات
دیتے، آواز بلند، گرج دار اور سریلی تھی۔ بدن نحیف اور قد درمیانہ تھا۔ آپ کا وصال
فروری، 1987ء کو ہوا، ایک صدی قبل اسی ماہ آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔

اکثر بزرگ سادہ منش اور مخلص تھے۔ بانی مسلم مسجد یہاں جمعۃ المبارک پڑھاتے
باقی تمام اُمور میں اوقاف کے ذریعے بدمذہبوں کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔قبلہ مفتی صاحب
حالات کو بھانپ گئے۔آپ نے مولانا مسلم صاحب کو محکمہ اوقاف کے دفتر میں لے جا کر

لکھوادیا کہ ہم اہل سنت حنفی بریلوی ہیں،لہٰذا مسلم مسجد میں کسی دوسرے عقیدے کا بندہ مقرر نہ کیا جائے۔چنانچہ مولانا مسلم کے وصال کے بعد قبلہ حافظ صاحب یہاں خطیب مقرر ہوئے۔

ناچیز کی حوصلہ افزائی:

قبلہ مفتی صاحب،قبلہ شرف صاحب اکثر اسباق کے دوران ہماری رہنمائی فرماتے کہ دینی ادارہ کیسے چلانا ہے۔حضرت مفتی صاحب فرماتے: مجھے تقریر کرنا نہیں آتی، چندہ مانگنا نہیں آتا، میں بیٹھ کر کام کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سب کچھ دے رہا ہے۔آپ بھی بیٹھ کر کام کریں، یوں اساتذہ اور طلبا بھی پابند رہیں گے۔اگر آپ دورے کرنے لگ گئے تو اساتذہ وطلبا کا نظام بھی خراب ہوگا۔

الحمدللہ آپ کے اس حکم پر عمل کیا۔والدِ محترم حضرت مولانا حافظ خدا بخش نعیمی گولڑوی قدس سرہٗ میری فراغت کے چند دن بعد وصال فرما گئے اور دو کنال سے بڑی جامع مسجد حنفیہ ایک مینار والی،عثمان گنج، بیرون شیرانوالہ گیٹ، لاہور چھوڑ گئے۔ناچیز کو قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کا حکم یاد تھا۔نمازِ فجر کے بعد درسِ حدیث اور نمازِ عصر کے بعد درسِ فقہ، نمازِ عشا کے بعد درسِ قرآن اور دن بھر بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔عشا کے درسِ قرآن کے بعد بالغوں کی کلاس ہوتی،مسجد کے اندر باہر نمازوں کے بعد کلاسیں لگ جاتیں۔ایک کنال جگہ خالی پڑی تھی، وہاں مدرسہ کی عمارت بن گئی۔حفظ و ناظرہ، تجوید وقراءت، ابتدائی درسِ نظامی، ترجمہ وتفسیر، طالبات کے لیے مکمل درسِ نظامی کا کام ہو رہا ہے۔

قبلہ مفتی صاحب کو ممتحن حضرات، خصوصاً قاری نذیر احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس مسلم مسجد) نے اطلاعات دیں تو حضرت بہت خوش ہوئے۔حاضری پر ناچیز کو فرمایا:

’’آپ نے واقعی مدرسہ چلا کر دکھا دیا ہے۔میں چاہتا ہوں لاہور اور شیخوپورہ والا تمام جامعہ نظامیہ لکھ کر آپ کے حوالے کر دوں۔‘‘

وقت کی قدر:

☆ جب مفتی صاحب کے والدِ گرامی کا وصال ہوا تو جنازہ میں شرکت کے لیے جامعہ کے اساتذہ اور سینئر طلبا حاضر ہوئے۔نمازِ جنازہ کے بعد آپ نے فرمایا: ’’آپ لوگ واپس جا کر مطالعہ کریں، صبح اسباق جاری رکھیں، مَیں بھی قل خوانی سے فارغ ہو کر گیارہ بجے تک آجاؤں گا۔پھر جامعہ میں تعزیتی اجلاس اور دعا ہوگی۔‘‘ یعنی آپ نے اس موقع پر مدرسہ کا نظام متأثر نہیں ہونے دیا۔

☆ لوہاری گیٹ میں داخل ہوتے ہی جراحوں کی دکانیں ہیں، بائیں جانب مسجد کی دکان میں بیٹھے صاحب نے ایک دن ناچیز کے سامنے اعتراض کیا کہ مفتی صاحب چہرہ رومال سے چھپائے تیزی سے گزر جاتے ہیں، جیسے یہاں کوئی بدبو ہو۔میں نے عرض کی:

’’وہ بیرون لوہاری گیٹ سے سواری سے اتر کر پیدل اس لیے جاتے ہیں کہ رش میں تاخیر نہ ہو، اگر وہ لوگوں سے سلام دعا شروع کر دیں تو بھی لیٹ ہو جائیں گے، اُنھوں نے سب سے پہلے پہنچ کر اساتذہ اور طلبا کو دیکھنا ہوتا ہے، تاخیر کرنے والے کی سرزنش ہوتی ہے، جبھی تو جامعہ نظامیہ رضویہ کا معیارِ تعلیم دنیا بھر میں تسلیم کیا جاتا ہے۔‘‘

میرے اس جواب پر وہ کہنے لگے: مَیں معافی چاہتا ہوں۔

حکمت بھری باتیں:

☆ ایک مرتبہ اساتذہ وطلبا کا اجلاس تھا۔آپ نے طلبا سے فرمایا: ایک بچہ مٹی میں کھیلتا

ہے، اپنے کھیل میں مگن ہوتا ہے، کپڑے اور جسم اَٹ جاتے ہیں، اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ گھر والے فکرمند ہوتے ہیں، اسے نہلاتے ہیں، کپڑے بدلتے ہیں، کھانا پینا دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو ہونا چاہیے......آپ اپنے کام میں، پڑھائی میں، اس طرح مگن ہوں کہ سب کچھ بھولا ہو، ہم آپ کی فکر کریں، آپ کے کھانے، آرام اور ہر ضرورت کا بندوبست کریں۔

☆ ایک موقع پر ناچیز آپ کے پاس حاضر تھا۔ فرمانے لگے: ہمارے اکثر ساتھیوں کی مثال یاجوج ماجوج والی ہے، محنت کرتے رہتے ہیں، جب کامیابی کے قریب پہنچتے ہیں تو حوصلہ ہار جاتے ہیں، تھوڑی سی محنت جاری رکھیں تو کامیاب ہوجائیں گے۔ جس طرح یاجوج ماجوج سارا دن دیوار چاٹتے ہیں، شام کو تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، دوسرے دن پھر اتنا کام کرنا پڑتا ہے۔ جس دن تھوڑی سی ہمت جاری رکھیں گے تو کامیاب ہوجائیں گے۔

☆ ایک دن راقم کی موجودگی میں فرمانے لگے: اگر بچہ دودھ پیتا ہو تو والدین کو پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر وہ وقفہ بڑھائیں گے نہیں تو وجود میں گرمی پیدا ہوگی اور ماں کے دودھ کے اثر سے بچے کا پیٹ خراب ہوجائے گا۔

☆ محقق دوراں مجاہدِ کبیر حضرت علامہ پروفیسر قاضی عبدالنبی کوکب قدس سرہٗ کتبِ کثیرہ کے مصنف ہیں۔ جامع مسجد داتا دربار میں درس دیتے اور پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ ایک نور کا ٹکڑا تھے۔ نحیف جسم، عزم و ہمت کے پہاڑ تھے۔ دُور دراز سفر کر کے علماء کو بیدار کیا اور میدانِ سیاست میں اُتارا۔ قائدِ ملت اسلامیہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نوراللہ مرقدہٗ بھی آپ کی دریافت تھے۔

قبلہ مفتی صاحب، مجاہدِ اسلام مولانا احمد علی قصوری اور قاضی عبدالنبی کوکب علیہم الرحمہ کی گہری دوستی تھی۔ قاضی صاحب کا ٹریفک حادثہ میں وصال ہوگیا، جس سے راقم

نہایت پریشانی کے عالم میں تھا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تعزیتی اجلاس ہوا تو مفتی صاحب نے خطبہ کے بعد پہلا جملہ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر انسان کو دنیا میں کسی مقصد اور کام کے لیے بھیجتا ہے، جب وہ مقصد اور کام پورا ہوجاتا ہے تو اسے واپس بلالیتا ہے۔'' سبحان اللہ اس ایک جملہ نے تن من روشن کردیا۔

☆ آپ فرمایا کرتے: کام زیادہ ہے اور زندگیاں کم ہیں، لمبے چوڑے منصوبے بنانے میں وقت ضائع نہ کریں۔ جو کام ہوسکتا ہے شروع کردیں۔

☆ فرمایا: میں ایک مسجد میں امامت و خطابت کرتا تھا، وہاں سے چھوڑ دیا تو وہ لوگ میرا سامان نہ دیتے تھے۔ کہتے: واپس آؤ۔ ناچیز راقم نے عرض کیا: آپ تو فرماتے ہیں مجھے تقریر کرنا نہیں آتی، پھر وہ آپ کی تقریر پر عاشق کیسے ہوگئے؟ آپ انہیں کیا سناتے تھے؟ فرمایا: میں تقریر میں فقہی مسائل بتاتا تھا۔

☆ علما اور خطبا سے فرماتے: جمعۃ المبارک کی لمبی تقریریں نہ تو لوگ سنتے ہیں اور نہ ہی اُنھیں یاد رہتی ہیں۔ خطبہ کے وقت......جب اکثر لوگ مسجد میں پہنچ جاتے ہیں......اس وقت ایک مسئلہ بیان کردیا کرو، سب کو یاد رہے گا۔ یہ گھنٹے کی تقریر سے زیادہ مفید ہے۔

☆ فرمایا: پرائمری کے بعد والدِ ماجد نے ہم بھائیوں سے مستقبل کا ارادہ پوچھا۔ بڑے بھائی نے اسکول کی خواہش ظاہر کی تو اُسے ڈانٹا۔ مَیں نے کہا: میں دینی تعلیم حاصل کروں گا، تو بہت خوش ہوئے اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ آج اُن کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے دین کا کام لے رہا ہے۔

داستانِ محبت کیا کہیے......کچھ یاد رہی......کچھ بھول گئی

تحریر: مولانا ابوثوبان سید محمد اسد اللہ شاہ
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ وناظمِ اعلیٰ جامعہ مدینۃ العلم، خانپور

حضرت قبلہ استاذیم مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کا تصور علم، علما اور خدمتِ علومِ دینیہ کے بغیر ناممکن ومحال ہے۔ آپ علم وفضل، تقوی وطہارت، درس وتدریس، شکل وشباہت اور تصوف وروحانیت کے اعتبار سے اپنی مثل آپ تھے۔

ہر دور میں کوئی نہ کوئی ایسا رجلِ عظیم اور بطلِ جلیل پیدا ہوا، جس نے مسلم قوم کے زوال وانحطاط اور زبوں حالی کے علاج کے لیے فکر وسوچ کی وہ راہیں اختیار کیں جن کا مدار آقائے نامدار ﷺ کی ذات کے ساتھ والہانہ الفت ومحبت، وارفتگی وعقیدت اور رشتہ غلامی ہے۔

ع بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

گزشتہ صدی کے دوران برصغیر پاک وہند میں بڑی قد آور شخصیات نے جنم لیا۔ علما، محققین، خطبا، اُدبا، شعرا، صوفیا اور انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے، جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبہ جات میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ اِن شخصیات میں سرِ فہرست عالمِ اسلام کے عظیم سپوت حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، جنھوں نے علما کا ایک جہان پیدا کر کے ملّتِ اسلامیہ پر اس قدر احسان کیا کہ رہتی دنیا تک زمانہ تشکر وامتنان کے لیے دست بستہ کھڑا نظر آئے گا۔ نہ صرف گوادر سے پشاور اور کراچی سے چاغی تک، بلکہ ایشیا سے یورپ تک قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر، جہاں کوئی مفکر ودانشور یا فقیہ وشیخ الحدیث اپنا علمی طرۂ امتیاز لہراتا نظر آئے گا، اُس کی علمی تار جس ہستی سے جڑی ہوگی وہ ہستی مفتیٔ اعظم

132

پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ ہیں۔

آپ نے درس وتدریس، تعلیم وتعلم، تحریر وتقریر اور اشاعت وتبلیغ کی فکر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ علیہ الرحمہ فکر وعمل کا ایسا حسین وجمیل پیکر تھے کہ جس کی تار تار مکینِ گنبدِ خضری ﷺ کی مسندِ تدریس ''صفہ'' سے ملی ہوئی تھی۔

آپ جامعہ نظامیہ رضویہ کے فارغ التحصیل فضلا میں سے کسی کو درس وتدریس سے عاری دیکھتے تو یوں تڑپ اٹھتے جیسے ہتھیلی پر بے خبری میں انگارا رکھ دیا گیا ہو۔

راقم الحروف 1993ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد آئندہ سال خدمت میں حاضر ہوا۔ تعلیمی سال کے ابتدائی ایام تھے۔ استاذیم قبلہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب اسباق کی تقسیم کا شیڈول لے کر حاضر ہوئے تو آپ برہم ہوگئے، روئے سخن میری طرف موڑا، فرمانے لگے: ''داخلے کے ایام میں آپ لاہور کی سیر کر رہے ہو، ابھی واپس جاؤ اور اپنے جامعہ کو جا کر سنبھالو۔''

آپ کی دعوتِ فکر میں آپ کا خونِ جگر شامل تھا، اِسی لیے غافل روحیں اور خفتہ دل بھی آپ کے دلکش ورعنا اور منفرد اندازِ فکر سے خدمتِ علومِ دینیہ کی فکر وتڑپ لے کر عملی طور پر مجاہدانہ کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

مسندِ تدریس ہوتی یا مسندِ تبلیغ، بزمِ رضا کی ہفتہ وار مجلس ہوتی یا سالانہ ختم بخاری شریف، جامعہ نظامیہ رضویہ کی کوئی تقریب ہوتی یا مہمان علما کی نشست، مسکراتے مسکراتے علومِ دینیہ کے فکری نغمات چھیڑ دیتے۔ بڑے کریمانہ اور دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے چلے جاتے۔ گفتگو میں ایسی چاشنی اور تاثیر ہوتی کہ انسان تو انسان وہاں کے در ودیوار بھی موم کی طرح پگھلے وجدانی کیفیت میں ''از دل خیزد وبر دل ریزد'' کا مصداق نظر آتے۔

روایتی انداز کے برعکس آپ کی گفتگو کا موضوع علم، علما اور مدرسہ ہوتا۔ کوئی عرض کرتا کہ تدریس کے لیے جگہ نہیں ہے تو ارشاد فرماتے: ''کسی درخت کے نیچے یا کسی چبوترے پر بیٹھ جاؤ، جہاں شمعِ علم فروزاں ہوگی طلبا پروانوں کی طرح بے تاب دوڑتے چلے آئیں گے۔''

آپ کی گفتگو میں بلا کی تاثیر تھی۔ خطاب سادہ الفاظ پر مشتمل ہوتا، لیکن آپ کے الفاظ مردہ تنوں کے لیے صورِ اسرافیل اور فرش نشینوں کے لیے بالِ جبرائیل ہوتے۔ مفتی صاحب قبلہ کے تکلم کی بہتی آبشار سے سامعتوں کی زمین پر پھوار سی پڑنے لگتی۔ آپ کے عزم اور آپ کے لہجے میں چٹانوں جیسی صلابت تھی۔

جن تلامذہ کو براہِ راست آپ سے مستفیض ہونے کا موقع ملا ہے، ان فیض یافتگان کی ہمت کو ''پلٹنے جھپٹنے اور جھپٹ کر پلٹنے'' کے ڈھنگ آ گئے ہیں۔ اسباق پڑھاتے پڑھاتے تلامذہ پر علومِ دینیہ کی تدریسی خدمات کا ایسا افسوں پھونکتے کہ ہر طالب علم کے سینے میں دھڑکنے والے دل سے یہ آواز اٹھتی کہ ان شاء اللہ میں عملی زندگی میں اس میدانِ تدریس میں ماہِ کامل بن کر علم کی روشنی سے دنیا کو تابناک کروں گا۔

ایوانِ سلطنت ہوتا تو آپ کا ایک ایک جملہ عصائے موسوی بن کر برستا۔ جنرل پرویز مشرف صاحب کے دورِ آمریت میں مدارس کو قومی تحویل میں لینے کا پراپیگنڈا شروع ہوا۔ آپ بھی جنرل پرویز مشرف صاحب کی صدارت میں ہونے والی ایک میٹنگ میں شریک تھے۔ بات کچھ بڑھی تو جنرل صاحب نے کہا: ''ہم مدارس پر قبضہ کرلیں گے۔'' مفتی صاحب قبلہ نے شیر کی طرح گرجتے اور آمریت کے تابوت میں کیل ٹھونکتے ہوئے کہا:

''جنرل صاحب جاؤ، جامعہ نظامیہ پر قبضہ کرلو۔ "جامعہ نظامیہ" کسی بلڈنگ کا نام نہیں، بلکہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی کا نام ہے۔ یہ جہاں بیٹھے گا وہیں جامعہ

نظامیہ بن جائے گا۔''

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

تنظیم المدارس کے سالانہ اجلاس ہوتے تو آپ کا ایک ایک فقرہ ذوالفقارِ حیدری بن کر حق کی ترجمانی کررہا ہوتا۔ کوئی کسی کی سفارش لے کر تنظیم المدارس کا کام کروانے آجاتا تو آپ کے الفاظ گُرزِ غزنوی کا روپ دھار لیتے۔ جامعہ کے انتظامی یا تعلیمی معاملات میں کوئی کوتاہی کرتا تو آپ کے الفاظ درّۂ فاروقی بن کر لہرانے لگتے۔

آپ کے سامنے دینی علوم سے بے بہرہ اور دینی خدمات سرانجام نہ دینے والے جبّہ ودستار کے حامل اور علمی طرے کے دعوے داروں کو دم بخود اور جامد وساکت دیکھ کر یہ گمان گزرتا کہ کوئی متنفس شخصیات نہیں، بلکہ کسی کتاب کے اوراق پر جمی ہوئی سطریں ہیں۔ آپ کی موجودگی میں ہر صاحبِ علم وفکر، لب بستہ شگوفے کی طرح سراپا گوش، آپ کی تنبیہات کے نغمے سن رہا ہوتا۔ جہاں حق کی خاطر آپ شمشیرِ بے نیام تھے، وہیں ابنائے جامعہ کے لیے آپ کی رقّتِ قلبی بھی بے مثال وباکمال تھی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

ایک مرتبہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے صابر کلیر، مولانا غلام فرید صاحب کے کسی لڑکے کو سزا دینے پر ابنائے جامعہ نے احتجاجاً اسمبلی کے بعد کلاسز میں جانے سے انکار کردیا۔ ہمارے مشفق ومحسن استاذ قبلہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب بھی خاموشی سے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ اسی دوران مفتی صاحب قبلہ کی تشریف آوری ہوگئی، جونہی مفتی صاحب قبلہ نے جامعہ کی دھرتی کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا، طلبہ کا بپھرا ہوا ہجوم

یوں کھڑا ہوگیا جیسے تختِ سلیمان کے سامنے ایستادہ پریاں ہوں ۔ آپ کے الفاظ میں اس وقت پہاڑوں کا جلال اور شعلوں کی حرارت تھی ۔فرمانے لگے:

''اپنی اپنی کلاسز میں چلے جاؤ اور اپنا مسئلہ تحریری طور پر لے کر آؤ۔''

راقم الحروف بزمِ رضا کا جنرل سیکرٹری تھا۔ لرزیدہ قدموں سے تحریر لے کر حاضر خدمت ہوا تو عجب سماں تھا۔ مفتی صاحب قبلہ، جن کی گفتار کچھ دیر قبل زرتاب کا شعلہ جوّالہ بنی ہوئی تھی، متاثر طالب علم کی ناک کی ہڈی پر زخم دیکھ کر اب آپ کی شفقتوں میں کائنات کی تمام رعنائیاں سمٹ آئیں۔ آپ کی آنکھیں بھر آئیں ۔ چند لمحوں میں ہی مسئلہ ایسا حل کر دیا کہ سارا ماحول گل و گلزار کا منظر پیش کرنے لگا۔

ہم نے دور دراز کا سفر طے کر کے جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخلہ لیا تو پہلے سے موجود طلبا نے ذہن میں یہ خوف ڈال دیا کہ مفتی صاحب سخت گیر ہیں، آپ کے ہاں ذرا سی کوتاہی پر کسی رو رعایت کی گنجائش نہیں۔ لیکن جب سالِ اوّل میں منطق کے ابتدائی اسباق پڑھنے کا موقع ملا تو عیاں ہوا کہ مفتی صاحب قبلہ جیسا مشفق انسان کہاں ہوگا؟ دورہ حدیث شریف تک ہر سال کوئی نہ کوئی سبق آپ کے پاس رہا، لیکن ایک دفعہ بھی ڈانٹ ڈپٹ نہ ہوئی۔

آپ کا اندازِ تدریس اتنا شاندار اور جاذب تھا کہ کسی ادنیٰ نکتے سے بھی اغماض نہ برتتے۔ تفصیلات اور جزئیات کا پورا پورا خیال رکھتے۔ طلبہ کے اذہان کو چند لمحوں میں ہی نتیجے تک پہنچا دیتے۔ دورانِ اسباق تحریر، تقریر، تبلیغ اور تدریس کی فکر دیتے ہوئے منزلِ یقین کے آخری زینے پر پہنچا دیتے اور باور کراتے کہ مستقبل کے نقیب اور رسولِ کائنات ﷺ کی میراث کے وارث اور محافظ تم ہی ہو۔ دورانِ اسباق زندہ دلی، خوش مزاجی اور خوش گفتاری کے پھول بکھرتے رہتے۔ بسا اوقات تفریحِ طبع کے لیے کوئی واقعہ یا لطیفہ سناتے تو کلام میں

شگفتگی کی تتلیاں اڑتی دکھائی دیتیں۔ خود بھی خوب مسکراتے تلامذہ بھی محظوظ ہوتے۔ شیریں گفتاری اور ملائم لہجہ دل سے جگر تک اترتا چلا جاتا۔ آپ کی شخصیت کا سحر اور آپ کی فکری گفتگو کے متنوع لہجے آپ کی صحبت ملنے کے بعد ہمارے ضمیر وخمیر میں ایسے جذب ہو گئے ہیں کہ آپ کا تفکّر و اندازِ تعلیم ہمارے ذہن وزبان کے دریچوں سے ہمیشہ جھانکتا رہے گا۔

میانہ قد، متناسب اعضا، دودھ کی مانند سفید رنگت، پُرکشش غلافی آنکھیں، نرم وملائم ریش، چاندی کی طرح چمکتا اجلا سفید لباس، ہاتھ میں رومال، سادہ منش، علم دوست، فقر و درویشی کی آبرو، علم وفقاہت کا پیکر، تقوی وطہارت کا مجسمہ، اخلاقِ محمدی کا چلتا پھرتا نمونہ، لہجے میں مٹھاس، طبیعت میں انکسار، قلیل الجسم کثیر العلم، سراپائے شفقت، ہمارے استاذ قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کی فکر دینے والے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

ایک شب فون کی گھنٹی بجی برادرِ مکرم انوار الرسول مرتضائی صاحب (موجودہ صدر مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان) لڑکھڑاتی آواز میں گویا تھے کہ: ''مفتی صاحب قبلہ......'' بس آگے نہ اُن میں کہنے کی سکت تھی اور نہ مجھ میں سننے کی ہمّت ۔ بڑی مشکل سے کہہ پائے کہ ''مفتی صاحب کی روح اعلیٰ علّیین کو روانہ ہوگئی ہے۔'' بے اختیار زبان سے نکلا۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً.

ٹھہر گئے قافلے کہاں محبت کے ہر ایک راہ گزر سوگوار ہے ساقی

فوراً رختِ سفر باندھا۔ لاہور پہنچے۔ آپ کے کاشانۂ مقدسہ پر علما وصلحا اور مشائخ عظام کا جمِّ غفیر تھا۔ آپ کندھوں پر سوار آج بھی علما کی قیادت فرما رہے تھے۔ جونہی جنازہ

عتیق سٹیڈیم کی طرف لے کر چلے، آپ کی عظمتوں کو سلام پیش کرنے کے لیے بادل بھی اُمڈ آئے، ہلکی ہلکی ابرِ رحمت کی پھوار شروع ہوگئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا نے ماحول معطّر و معنبر کر دیا۔ برسات کی رم جھم میں ہر شخص کا رواں رواں کہہ رہا تھا:

ع ابر می بارد و مَنُ شوم از یار جدا

بادل برس رہے ہیں اور مَیں دوست سے جدا ہو رہا ہوں۔

زِ رفتنِ تُو مَن از عمر بے نصیب شدم

سفر تُو کردی و مَن در وطن غریب شدم

علمی اُفق کا جگمگاتا سورج

تحریر: مولانا محمد عارف سعید، گوجرانوالہ

آج جب میں اپنے نہایت شفیق مربی اور اُستاذِ گرامی اُستاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف پہلوؤں اور آپ کی جُہدِ مسلسل کے کچھ واقعات کو احاطۂ تحریر میں لانے کی عاجزانہ کوشش کر رہا ہوں تو دِل میں یہ احساس بھی شدت کے ساتھ بے چین و مضطرب کر رہا ہے کہ کاش میں طالب علم ہی رہتا اور اپنے والیٔ نعمت، ممدوحِ عالم کی قربتوں، شفقتوں اور نصیحتوں سے مزید فیض یاب ہوتا، لیکن یہی نظامِ قدرت ہے کہ ہر کام ایک خاص وقت تک پہنچ کر اپنا انداز بدل لیتا ہے اور وقت اپنے ربّ کے حکم سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

بندہ ناچیز 1988ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں درس نظامی (سال سوم) میں داخل ہوا۔ اس سال اگرچہ کوئی سبق مفتی صاحب قبلہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی، لیکن آپ کے رُعب و دبدبہ اور عُقابی نگاہوں کی ہر طرف دُھوم مچی ہوئی تھی۔ فراستِ مؤمنانہ، زُہد عارفانہ اور غنائے کریمانہ سے روشن و منوّر آپ کے حسین و جمیل چہرے کی روزانہ زیارت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا۔

پھر وہ دن بھی آیا جب آپ کی بارُعب شخصیت کے سامنے ڈرتے ڈرتے **"ھدایة الحکمة"** کا سبق پڑھنے حاضر ہوئے۔ دلی طور پر مرعوب تھے، مگر کچھ دیر بعد ہی آپ کے انتہائی سادہ، شفیق اور مدبرانہ انداز نے تمام ڈر ختم کر دیا اور پھر پورا سال آپ سے مستفیض ہوتے رہے۔ آپ سے مختصر المعانی پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بندہ ناچیز پر اپنی خاص نظرِ شفقت فرمائی، میرا نام محمد عارف سعید ہے، مگر مفتی صاحب قبلہ نے مجھے ''سعیدی'' بنا دیا، جامعہ نظامیہ سے سندِ فراغت حاصل ہونے تک آپ مجھے سعیدی ہی کہہ کر بلاتے اور بلواتے رہے۔

میں آپ علیہ الرحمہ کے حوالے سے ایک بات کی وضاحت ضرور کروں گا، عام طور پر یہ کہا اور سُنا جاتا تھا کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ عصری و دنیاوی تعلیم کے شدید مخالف تھے، لیکن میں اور مولانا محبوب احمد چشتی (موجودہ مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور) نے 1989ء میں لاہور بورڈ سے میٹرک، 1991ء میں فاضل عربی اور 1992ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا اوران کی تیاری بھی جامعہ میں رہ کر ہی کرتا رہا، حالانکہ جب جامعہ میں سالانہ چھٹیاں ہوتیں تو مفتی صاحب علیہ الرحمہ طالب علموں کو جلدی سے گھر بھجوا دیتے تھے، لیکن جب میں انہیں بتاتا کہ اس سال میں میٹرک/ایف اے کا امتحان دے رہا ہوں تو آپ خوش ہو کر دُعائیں بھی دیتے اور جب میری امتحانی ڈیٹ شیٹ آتی تو فرماتے: سعیدی کو بلاؤ، میں حاضر ہوتا تو مجھے ڈیٹ شیٹ بھی پکڑاتے اور ساتھ ساتھ کامیابی کی دُعائیں بھی فرماتے۔

میرے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اپنے دنیاوی تعلیمی شیڈول کو سالانہ چھٹیوں کے ساتھ ترتیب دیتا؛ تاکہ درس نظامی کا سلسلۂ تعلیم متأثر نہ ہو اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی پہلی ترجیح بھی درس نظامی کی تعلیم وتدریس تھی جس پر آپ کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جو طالب علم درسِ نظامی پر عصری تعلیم کو ترجیح دیتے تھے اُن کو آپ کبھی بھی اپنی نظرِ خاص میں نہ رکھتے تھے اور جو اپنے دُنیاوی و دینی دونوں تعلیمی معاملات میں توازن رکھتے تھے اُن سے آپ خوش رہتے تھے۔ اسی لیے بندہ ناچیز پر بھی آپ کی خصوصی نظر کرم تھی۔

قارئین محترم! جامعہ نظامیہ رضویہ میں یونہی روز و شب گزرتے رہے۔ جب دورۂ

حدیث شریف کا سال آیا تو ہماری کلاس کو مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ کی دو معتبر کتابوں ''صحیح مسلم'' اور ''جامع ترمذی'' کا درس لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سے قبل مفتی صاحب علیہ الرحمہ صرف جامع ترمذی شریف ہی پڑھایا کرتے تھے، اس سال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد رشید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو مسلم شریف پڑھایا کرتے تھے، حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، جس کی وجہ سے مسلم شریف پڑھانے کا ذمہ بھی مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے لے لیا اور میری خوش قسمتی تھی کہ صحاح ستہ کی تین معتبر ترین کُتُب، بخاری شریف، مسلم شریف، اور ترمذی شریف کی تقریباً 70 فیصد عبارت بندۂ ناچیز نے پڑھی، **الحمد للہ علی ذٰلک**۔ دورۂ حدیث شریف کے سال مفتی صاحب قبلہ کا اندازِ تدریس اپنے پورے جوبن پر ہوتا، اختلافی مسائل جس نفیس، سلیس اور عمدہ طریقے سے سمجھاتے تھے وہ آپ کا ہی خاصہ تھا۔

اخلاص وللّٰہیت، صبر واستقامت، تقویٰ و پرہیزگاری، توکل، علم پر عمل، علم و عرفان، تعمیرِ انسانیت، بلند ہمتی، تعلیم وتربیت، کتابوں سے محبت، اعلیٰ حضرت اور مرشد کریم سے محبت، مسلک اہل سنت کی ترویج وتحفظ اور رَدِّ بدمذہباں آپ کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔

ان نمایاں خصوصیات میں جو وصف آپ کی شخصیت میں سب سے غالب تھا وہ آپ کا بلند ہمت مُعلم ہونا اور مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ وترویج پر ہمہ جہت کوشاں رہنا ہے، اسی لیے آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ کی لائبریری کو بے شمار نایاب کتب اور قلمی نسخوں سے مزین کیا، جس سے ہر طبقۂ فکر و علم کے حضرات اِستفادہ کر رہے ہیں۔

اللہ کریم آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور جامعہ کے تمام اساتذہ اور متعلقین کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور جامعہ کو مزید عروج اور سربلندی عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ

...... چند یادیں، چند باتیں

نوٹ: درج ذیل مضمون ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز شخصیت کا تحریر کردہ ہے۔ اِس سے قبل یہ مضمون النظامیہ، ستمبر/اکتوبر 2004ء میں شائع ہوا تھا۔

روادارانہ فلاحی معاشرے کی تشکیل اگر چہ ہر حکومت کی خواہش اور ضرورت رہی ہے، لیکن گزشتہ چند سالوں میں قومی اور بین الاقوامی اُفق پر جو تبدیلیاں رونما ہوئیں اور جن نت نئے مسائل سے واسطہ پڑا اُن میں بہت سے ایسے ہیں جن کا براہِ راست تعلق محراب و منبر یا دینی تدریس و تبلیغ سے ہے۔ اِن میں اتحاد بین المسلمین کا فروغ، مدارس و مساجد کی رجسٹریشن و ضابطہ بندی جیسے امور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن مسائل کا شعور اور اِدراک اگر چہ ہر ذی فہم رکھتا ہے، تاہم اِن کا حل اور مستقل سدّ باب مذہبی شخصیات اور دینی طبقات کی معاونت اور سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں۔ صوبائی سطح پر محکمہ مذہبی اُمور و اوقاف کی ذمہ داری ہے کہ وہ اِن امور کے حوالے سے حکومتی شخصیات اور دینی طبقات کے درمیان بہترین، اشتراکِ عمل کو فروغ دے اور مذہبی حلقوں میں رسوخ حاصل کرے۔ ماضی قریب میں محکمہ اوقاف پنجاب کے ڈائریکٹوریٹ مذہبی امور کے ذمہ یہ اہم فریضہ رہا، جس کو اس وقت کے ڈائریکٹر مذہبی امور محترم ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے کمال حسن وخوبی سے نبھایا۔ نیز یہ کہ محکمہ کے سربراہ محترم جناب سید شفیق حسین بخاری، جو کہ سیکرٹری مذہبی اُمور و اوقاف رہے، کی بصیرت افروز اور جرأت مندانہ قیادت کو بھی بڑا دخل ہے۔

لاہور زون سے منسلک ہونے کے ناطے سرکاری طور پر مقتدر علمی، مذہبی اور دینی شخصیات سے مؤثر رابطہ ہماری ذمہ داری میں شامل تھا۔ پنجاب کی سطح پر ہمارے ڈائریکٹوریٹ مذہبی اُمور کو مقتدر دینی شخصیات کا تعاون و سرپرستی اور متعلقہ اداروں کی طرف سے پذیرائی حاصل رہی۔ ان میں اہم ترین استاذی حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات تھی جن کی راہنمائی اور محبتیں ہمیں حاصل رہیں۔ اسی سبب یہ محکمہ اور بالخصوص ڈائریکٹوریٹ اپنی کارکردگی، جامع حکمت عملی اور مؤثر رسوخ کے سبب نمایاں ہوتا گیا۔

دینی مدارس کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر مختلف خدشات وخطرات کے پیش نظر تنظیم المدارس پاکستان، وفاق المدارس العربیہ، وفاق المدارس الشیعہ، وفاق المدارس السّلفیہ اور رابطۃ المدارس نے ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' کے نام سے خود کو مجتمع کرتے ہوئے مشترکہ پلیٹ فارم بنایا اور حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروری رحمۃ اللہ علیہ اس کے متفقہ سربراہ نامزد ہوئے۔ مفتی صاحب دینی مدارس کی بقا اور استحکام کے حوالے سے ہمیشہ مستعد رہے اور انہوں نے اس کے وقار کے منافی نہ خود کبھی کوئی قدم اٹھایا اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ وہ ایک طرف اپنا موقف جرأت مندی سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے تو دوسروں کی بات حوصلہ مندی سے سننے کا داعیہ بھی ان میں تھا۔ سال 2001ء کے آخری مہینوں میں دینی مدارس اور حکومت کے درمیان جب غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور اس سلسلے میں دینی مدارس کے ذمہ داران ایک باقاعدہ احتجاجی تحریک کا اعلان بھی کر چکے تھے تو اس وقت حکومت پنجاب کے سیکرٹری مذہبی اُمور و اوقاف جناب سید شفیق حسین بخاری اور ڈائریکٹر ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے دینی مدارس کے تمام عمائدین کو اس

بات پر رضا مند کیا کہ وہ محض غلط فہمی کی بنا پر کسی تحریک یا احتجاجی راستے کو نہ اپنائیں بلکہ اس سلسلے میں ذمہ دار حکومتی شخصیات کے ساتھ ملاقات اور مذاکرات کے ذریعے اپنے خدشات اور تحفظات پر کھل کر بات کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ چنانچہ یہ مقتدر شخصیات اس بات پر متفق ہوئیں اور مؤرخہ 30.12.2001 کو گورنر ہاؤس لاہور میں جناب خالد مقبول گورنر پنجاب کے ساتھ ایک طویل مگر انتہائی نتیجہ خیز میٹنگ ہوئی۔ حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں اس وفد کے اندر دیگر بورڈز کے ممبران بھی شامل تھے۔ اس ملاقات میں تمام شکوک وشبہات دور ہوئے، غلط فہمیوں کا اِزالہ ہوگیا اور اس اجلاس کے فوراً بعد تمام دینی مدارس بورڈز کے سربراہان نے متفقہ طور پر پریس کانفرنس سے خطاب کر کے اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور ایسے مثبت اقدامات عمل میں آئے جن کی بازگشت وفاقی سطح تک سنی گئی۔ حکومت پنجاب کی طرف سے یہ ایک ایسا مؤثر اور بروقت قدم تھا جس سے مفاسد کا قلع قمع ہوا اور بالخصوص صوبے کی سطح پر دینی حلقوں اور مقتدر حکومتی شخصیتوں کے درمیان بہترین تعلقات کا قیام ممکن ہوا۔

اس اجلاس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ تمام دینی مدارس بورڈز کے قائدین نے بالاتفاق سید شفیق حسین بخاری جو اِس وقت کے سیکرٹری امور مذہبیہ واوقاف تھے، کو حکومتی سطح پر رابطہ شخصیت کے طور پر نامزد کرنے کی استدعا کی تھی جو کہ ان کی ذات پر دینی طبقات کے اعتماد کا غماز تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محکمہ اوقاف ومذہبی امور کی سیکرٹری شپ کے منصب دار میں ایسی وضع داری کا ہونا ضروری ہے جس کے سبب یہ دینی حلقے اس پر اعتماد کر سکیں۔ اعتماد کا یہ ماحول حکومت کے لیے بہت سی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کرتا ہے۔ سرکاری ذمہ داران کو تواضع اور خوش اخلاقی کا مظہر ہونا چاہیے نہ کہ ایسی بے جا ہٹ دھرمی اور ضد اپنائے جس سے

یہ دینی طبقے حکومت سے بدظن ہوں۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ کی عزت اور وقار کے زبردست علمبردار تھے۔ وہ دینی مدارس کے طلبہ کو بے جا احتجاجی تحریکوں اور ریلیوں کا حصہ بنانے کے کبھی بھی حامی نہ تھے اور نہ ہی دینی مدارس کو احتجاجی جلسوں کی آماجگاہ بنانے کے حق میں تھے۔ تاہم جب ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کا معاملہ ہو یا ملّی استحکام اور ملکی بقا کا کوئی چیلنج درپیش ہوتا تو حضرت مفتی صاحب از خود میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہوتے۔ وہ ساری عمر خود بھی عملِ مسلسل اور سعیِ پیہم پر کاربند رہے اور دینی مدارس کے طلبہ کو بھی اسی عمل پیہم کی تلقین کرتے رہے۔

وہ یقین محکم کے قائل تھے اسی لیے انہوں نے اپنی زندگی کے اوائل ہی میں سرکاری ملازمت سے استعفادے دیا۔ شاید وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ بڑے سے بڑا اسکالر اور عالمِ دین بھی سرکاری ملازمت میں آکر اپنا بڑا پن برقرار نہیں رکھ سکتا۔ بالخصوص کسی بڑے دینی و تدریسی ادارے کا سربراہ بن کر معمولی سرکاری ملازمت میں اُلجھنا اپنے متوسلین اور متعلقین کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہے۔ دینی حلقوں کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ان میں بعض کوتاہ قامت اپنے معمولی ملازمانہ فوائد کے لیے مسندِ ارشاد کی عزت وحرمت کی سربازار فروختگی سے بھی باز نہیں آتے۔ حضرت مفتی صاحب غیرت منداور وفا شعارانہ انداز ومزاج کے حامل تھے۔ انہیں پتا تھا کہ ان کی حریت فکری، اولوالعزمی اور مقاصد کی بلندی کے راستے میں یہ اوقاف کی معمولی ملازمت سدّ راہ ثابت ہوگی، تاہم وہ اپنی ساری بے نیازیوں کے باوجود اپنے متعلقین کے حقوق کے لیے تڑپتے اور جان بھی دیتے تھے۔ تنظیم المدارس کے ایک مرکزی عہدیدار جب ملازمانہ قواعد کی خلاف ورزی کے سبب اپنی ملازمت سے ہاتھ

دھو بیٹھے تو حضرت مفتی صاحب نے ان کی بحالی کے لیے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کیے، وہ حکومتی شخصیات جو مفتی صاحب کی جلالت شخصی و علمی کے سامنے ہمیشہ دب کر بیٹھتی تھیں، ان لوگوں کے آگے بھی اگر مفتی صاحب کو لجاجت آمیز رویہ اپنانا پڑا تو اپنے اِن احباب کے مسائل اوران کی ملازمت پر بحالی کے سبب تھا۔

اظہار کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے رفقا اور ساتھیوں کے معاملے میں انتہائی مخلص تھے۔ وہ دورُخ رکھنے والے آدمی نہ تھے اور نہ منافق شعاری ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ رزم اور بزم میں ایک ہی لہجہ اور خلوت اور جلوت میں ایک ہی اسلوب کے قائل تھے۔ وہ دین اور مسلک کی عزت آبرو کو مقدم رکھتے اور ساری عمر اسی روش پر کاربند رہے۔ حضرت مفتی صاحب کشادہ ائیر کنڈیشنڈ کانفرنس روم میں نرم و گداز کرسیوں پر بیٹھ کر، سلگتی ہوئی چکن پیٹز اور یخ بستہ مشروبات سے دل بہلا کر دین اور مسلک کا سودا کرنے والوں میں نہ تھے اور نہ ہی ایسا کرنے والوں کو وہ پسند کرتے تھے۔

جنوری 2000ء تا جنوری 2003ء کا دورانیہ اوقاف کی تاریخ میں علمی، دینی اور تدریسی اداروں کے احیا اور مساجد، مزارات کی تعمیر و تزئین کے حوالے سے انقلاب آفرین دور جانا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں محکمہ داخلی سطح پر باہمی اتفاق و یگانگت کا مظہر بنا تو دوسری طرف اتحاد بین المسلمین کے فروغ اور صوبہ کی سطح پر موثر روادارانہ فضا کا قیام بھی محکمہ کے لیے نیک نامی اور خیر و برکت کا باعث بنا۔ محکمانہ سطح پر داخلی انتشار اور عدم اعتماد کی موجودگی تحقیق، ترقی و تمدن اور ارتقا کے راستے روک دیتی ہیں۔ ایک اچھے منتظم کی اوّلین ترجیح ہی انصاف پر مبنی پُر امن اور خوشگوار ماحول کی فراہمی ہوتا ہے، جس میں اس کے ماتحت اور ساتھی مکمل ذمہ داری اور احساس تحفظ کے ساتھ محکمانہ فلاح و بہبود اور ترقی کو یقینی بنا سکیں۔

اعلیٰ انتظامی استعداد و صلاحیت اور بزرگوں کے آستانوں سے حقیقی وابستگی کے حامل محترم جناب سید شفیق حسین بخاری، اس بھرپور اور یادگار دورانیہ میں محکمہ کے سربراہ اور سیکرٹری مذہبی امور و اوقاف تھے۔ اُن کے اعلیٰ اقدامات کو حضرت مفتی صاحب کی ہمیشہ تائید حاصل رہی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام میں ایک معتبر مقام کا حامل ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ یہ بابرکت جگہ علمی و تدریسی سرگرمیوں سے محروم ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی دعاؤں سے اس عظیم آستانہ پر مرکز معارفِ اولیاء، کا قیام عمل میں آیا، جس کی تشکیل و ترتیب اور تعمیر میں محترم سید شفیق حسین بخاری اور محترم جناب ڈاکٹر طاہر رضا بخاری کی مساعی جمیلہ کو بڑا دخل ہے۔ 18 اکتوبر 2002ء کو اس شاندار علمی و تحقیقی مرکز کا افتتاح محترم حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دعا سے ہوا۔ اس ادارے کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق انتہائی اخلاص اور محبت پر مبنی تھا۔ گاہے بگاہے اس کی تدریسی سرگرمیوں کے حوالے سے معلومات حاصل کرتے رہتے۔ ان کے اس اخلاص اور حضرت داتا گنج بخش کے آستانہ سے وابستگی کا یہ بھی ایک کرشمہ دیکھیے کہ حضرت مفتی اعظم کا اگست 2003ء میں جب وصال ہوا تو آپ کی یاد میں اسی مرکز معارفِ اولیاء کے شاندار سیمینار ہال میں سب سے پہلا تعزیتی ریفرنس ہوا جس میں مقتدر علمی و دینی اور روحانی شخصیات نے شرکت کی۔

یہ بات اس امر کی غماز ہے کہ اخلاقی اقدار اگرچہ مائل بہ زوال ہیں، ناقدری کا گلہ بھی بجا، لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی اگر کوئی شخص اخلاص، عقیدت اور محبت کے ساتھ کسی ادارے کے قیام کے لیے مخلصانہ سعی و جدوجہد کرے تو اس کے وصال کے بعد بھی اس کی کوششوں اور محبتوں کو ایسے سرکاری ایوانوں میں بھی یاد کیا جاتا ہے، جہاں ایسی تقریبات

کی عموماً گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن درحقیقت یہ تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی نگاہِ التفات اور نظر کرم کے اظہار کا ایک پہلو تھا اور یہ وہ سعادت تھی جو شاید ماضی قریب میں کسی اور دینی اور علمی شخصیت کے حصے میں نہ آئی۔

داتا دربار کے وسیع وعریض اور خوبصورت کشادہ سماع ہال کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحب نے محترم سید شفیق حسین بخاری سے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے جامعات کے سالانہ امتحانات ہوتے ہیں، طلبہ کی کثیر تعداد کے سامنے ہمارے مدارس کی کشادگی ماند پڑ جاتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مدارس کے سالانہ امتحانات کے موقع پر یہ ہال ہمیں فراہم کر دیا کریں! سیکرٹری صاحب فرمانے لگے: حضرت مفتی صاحب یہ سب کچھ آپ لوگوں کا ہے، آپ دین مصطفیٰ کریم ﷺ کے نگہبان اور مبلغ ہیں، اس متاع کے رکھوالے تو آپ ہی ہیں، جب بھی آپ کو اس کی ضرورت پیش آئے ہم حاضر ہیں۔

قضاوقدر کے اپنے انداز ہوتے ہیں، عجب اتفاق کہ شعبان المعظم 1424ھ میں جب تنظیم المدارس کے سالانہ امتحانات کا مرحلہ آیا تو حضرت مفتی صاحب اس سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ جب کہ محترم شفیق حسین بخاری محکمہ مذہبی امور واوقاف میں اپنا تین سال کا دورانیہ کامیابی کے ساتھ مکمل کر کے محکمہ زکوۃ وعشر کی سیکرٹری شپ سنبھال چکے تھے، یوں اس طرح منظر بدل جانے سے بہت کچھ بدل جایا کرتا ہے، بالخصوص سرکاری محکموں میں تو لوگوں کو آنکھیں پھیرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے، لیکن صد آفرین ہے کہ اس موقع پر محکمہ اوقاف کے ڈائریکٹر طاہر رضا بخاری صاحب نے کمال جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس جگہ کو امتحانات کے لیے فراہم کر کے اس وعدہ کو ایفا کیا۔ یقیناً جب اس خوبصورت ہال کے اندر نبی اکرم ﷺ کے دین کے مبلغ امتحان میں مصروف ہوں گے تو

مفتی صاحب کی روح کو آسودگی میسر آ رہی ہوگی۔

سرکاری محکموں اور دینی حلقوں کے اس نوعیت کے مثبت روابط جہاں ہم آہنگی کے فروغ کا باعث بنتے ہے، وہاں اس اشتراک سے چند کوتاہ قامت حسد و پریشانی میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات اور اپنی روایتی سازشانہ چالبازیوں میں پہلے سے کہیں زیادہ مصروف ہوتے ہیں؛ کیونکہ ان کی کج فہمی ان کو اپنی ذات اور اپنے دائرہ کار ہی کی فکر میں ہر وقت غلطاں و پیچاں رکھتی ہے۔ بہر حال عزت وتوقیر کے پیمانے تو قدرت نے خالصتاً اپنے دست قدرت میں رکھے ہوئے ہیں۔ کوئی بدخواہ اور حاسد اپنے حسد اور سازشی پن کی وجہ سے ممکن ہے، وقتی طور پر کہیں کامیاب ہو جاتا ہو مگر آخر چاروں شانے چت گرتا ہے، حاسد اور سازشی کو سکون نہیں ملتا۔

حضرت مفتی صاحب "نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز" کا مرقع اور مجسمہ تھے۔ حکیم الامت حضرت اقبال کے مطابق ''قوی انسان ماحول کو تخلیق کرتا ہے، کمزوروں کو ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا پڑتا ہے۔'' جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے لے کر جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ تک آپ کے مرتب شدہ خطوط آپ کی مضبوط شخصیت کی آئینہ داری کر رہے ہیں۔ وہ طلبہ کی تدریس کو ہمیشہ فوقیت دیتے اور ان تدریسی اوقات میں کبھی بھی کسی سرکاری میٹنگ میں شرکت پر مائل نہ ہوتے۔ یہ دعوت خواہ کتنے ہی بڑے صاحب منصب کی طرف سے کیوں نہ ہوتی انہوں نے ہمیشہ اپنے مقصد کے حصول اور نصب العین پر نظر رکھی۔ مفتی صاحب کا یہ طرز عمل ہم سب کے لیے مشعل رہا ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ سے وابستہ کچھ یادیں

تحریر: مفتی آفتاب احمد رضوی، میانوالی

عمرہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تا زِ بزمِ عشق یك دانائے راز آید بروں

اس صفحۂ ارضی پر انسانوں کا جم غفیر اور انبوہِ عظیم موجود ہے، اس خاکی پتلے کی آمدورفت مدتِ مدید سے جاری ہے، کتنے آئے اور کتنے رخصت ہوئے، لیکن آبادی کے اس ناپیدا کنار سمندر میں کچھ ہیرے، جواہرات اور اُجلے چمکدار موتی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا ظاہری اور معنوی حسن دلوں کو گرویدہ اور نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔

طرحِ نَو می افگند اندر ضمیرِ کائنات
نالہ ہا کز سینہ اھلِ نیاز آید برون

یہ پاک طینت ہستیاں ضمیر کائنات کو نئی اُٹھان، عروج اور بلندی سے رُوشناس کرا کے اہل نیاز کے سینوں سے آہ وفغاں اور گریہ وبکا کا طوفان اٹھاتے ہیں۔

حضور مفتیٔ اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالی انہی چیدہ اور چنیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں، جنھوں نے حالات کے دھارے میں بہہ جانا، ہاں میں ہاں ملانا اور موسم کے مطابق ڈھل جانے کی پالیسی کو ٹھکرا کر...... آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، کوہِ استقامت بن کر، پس وپیش اور گرد وپیش سے نبرد آزما ہو کر، اس دورِ فتن میں ڈٹ کر، خدمت دین کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے اور ثابت کر دیا:

حدیث بے خبراں ھے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تُو نسازد ، تو با زمانہ ستیز

حضور قبلہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالی کی زندگی میں وقت کی پابندی، نظم وضبط، اپنے کام سے لگاؤ، اخلاص اور للّٰہیت وہ عناصر ہیں جو آپ کی شخصیت کو چار چاند لگاتے ہیں۔

1995ء میں جب راقم دورۂ حدیث کے لیے شرفِ تلمذ سے مشرف ہوا تو پورے سال میں یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے چھٹی کی ہو۔

ایک دن فرمانے لگے: ایک پیر صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے، جب جانے لگے تو خلافت کی آفر کی۔ میں نے جواب دیا کہ اپنے فرائض سے فرصت نہیں ملتی، پیری مریدی کے لیے وقت کہاں سے لاؤں گا۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی وملا کے غلام اے ساقی

قبلہ مفتیٔ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت کا انداز بڑا نرالا تھا۔ ایک دن خدمتِ دین کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: آج کے دور میں خدمتِ دین کا طریقہ کار یہ ہے کہ فراغت اور تحصیل علم کے بعد گھر، دیہات اور اپنے علاقے میں جا کر کام شروع کریں، گھر کا کمرہ ہی کیوں نہ ہو، ناظرہ قرآن سے آغاز کریں، پھر ان بچوں کو حفظ کے لیے تیار کریں اور حفاظ میں سے درسِ نظامی کے لیے طلبہ تیار کریں۔

یہ غالباً 1995ء کی بات ہے لاہور میں ایک ادارے کے سنگ بنیاد کے حوالے سے تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ حضور قبلہ مفتیٔ اعظم رحمہ اللہ تعالی بھی مدعو تھے۔ جلسے سے واپسی کے بعد دوسرے دن ترمذی شریف کے درس میں فرمانے لگے: کل جلسے میں علماءِ کرام کو یک چشم اور دینی و دنیاوی علوم کے حامل افراد کو دونوں آنکھوں سے دیکھنے والا کہا گیا۔ قبلہ مفتی صاحب نے اس پر برملا شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

ایک دفعہ دورانِ درس کمرے سے باہر گزرنے والے آدمی سے، درس روک کر، بلند

آواز سے پوچھا: ''کون ہے؟ یہاں کیا کر رہا ہے؟'' اس نے بتایا۔ پھر فرمانے لگے: میں استاذ بھی ہوں اور ادارے کا ناظم بھی۔ اس وقت اگر چہ میں استاذ کی حیثیت سے پڑھا رہا تھا، لیکن عین اسی وقت نظامت کے فرائض متوجہ ہوئے، لامحالہ وہ ڈیوٹی بھی دینی پڑی۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا — روشن شررِ تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

اگر چہ اس وقت حضور مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالی ہمارے اندر ظاہراً موجود نہیں، لیکن ان کی باطنی اور روحانی توجہات آج بھی گرہ کشا ہیں۔

غالباً 2010ء میں پہلی مرتبہ اُن کے مزارِ پُر انوار پر حاضری اس حال میں دی کہ عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی میں ایک دینی ادارے ''جامعہ اسلامیہ'' کی تعمیر، آغاز اور افتتاح کے حوالے سے پریشان کن صورتحال سے دوچار تھا۔ ذہنی طور پر اسباب اور وسائل کی کمیابی اور حالات کی بے رحمی کا نشانہ تھا۔ خدا گواہ ہے جیسے ہی استاذِ محترم کی قبر مبارک کے سامنے حاضر ہوا، یک لخت باطنی طور پر بڑے پُر زور طریقے سے حضور قبلہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالی متوجہ ہوئے اور حوصلہ افزائی فرمائی تسلی دی آگے بڑھنے اور استقامت کا ولولہ دیا اور محسوس یہ ہو رہا تھا کہ اس وقت آپ محوِ گفتگو ہیں، جیسے کلاس میں جستہ جستہ صاف صاف کلام فرماتے۔

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر — دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند
گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے — دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقش بند
جس خاک کے ضمیر میں ہے آتش چنار — ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات مزید بلند فرمائے، ان کے بسائے ہوئے علمی گلستانوں کو سدا پُر بہار رکھے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چل کر فیضیاب ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کی قابلِ تقلید باتیں

مولانا حافظ و قاری تاج محمد نقشبندی، لاہور

یہ 1991ء کی بات ہے، غالباً پہلا ہی مہینہ تھا، میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں درجۂ ثانیہ کا طالب علم تھا، جامعہ کے صحن میں دھوپ میں بیٹھ کر استاذِ گرامی علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب زید مجدہٗ ہمیں منطق کا سبق پڑھا رہے تھے، اسی دوران فرمانے لگے: گلشن راوی کی ایک مسجد میں خطیب کی ضرورت ہے۔ میں بالکل استاذ صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور مولانا خلیل مرتضائی بالکل میرے سامنے تھے، خلیل صاحب کو میں نے اشارہ کیا کہ استاذ صاحب سے میرا کہو، اُن کی عرض پر استاذ گرامی قبلہ حافظ صاحب میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''تیرے کول تے مسجد ہے ناں؟''

میں ان دنوں قینچی امر سدھو میں ایک مسجد کا امام تھا، میں نے عرض کی: ہے تو سہی، لیکن دور بہت ہے۔ مدرسہ میں چھوڑ نہیں سکتا اور چاہتا ہوں کہ مسجد قریب مل جائے۔ استاذ حافظ صاحب فرمانے لگے: ظہر کے بعد آج وہاں سے بندے نے لینے کے لیے آنا ہے؛ تم نے چھٹی کے بعد جامعہ سے جانا نہیں۔ اسباق کے بعد استاذ حافظ صاحب مجھے ناظمِ جامعہ نظامیہ رضویہ حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب علیہ الرحمہ کے پاس لے گئے، کہ گلشن راوی کے لیے یہ تیار ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کے مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرمانے لگے:

''ہاں! ایہ ہی کم کرے گا او تھے؛ ایہ مجاہد آدمی اے!!''

میں عصر تک جامعہ میں رہا، مگر گلشن راوی سے اس دن کوئی بندہ لینے نہیں آیا؛ میں نے استاذ حافظ صاحب سے اجازت لی؛ کہ میرے پاس چھوٹی سی مسجد ہے، میں وہ تو نہ گنواؤں

اوراجازت لے کرقینچی امرسدھوآ گیا۔

431/ایف بلاک، گلشن راوی میں شیخ عبدالمجید صاحب مرحوم رہائش پذیر تھے جو ان دنوں مسجد انتظامیہ کے وائس چیئرمین تھے، انھوں نے مفتی صاحب سے امام وخطیب کا انتظام کرنے کی گزارش کی تھی، لیکن وقتِ مقرر پر کوئی لینے نہ پہنچ سکا؛ انتظامیہ نے گلشن راوی کی ایک مرکزی مسجد کے امام صاحب سے عرض کی کہ ہمیں امام وخطیب چاہیے تھا تو ہم نے مفتی صاحب سے عرض کی تھی، لیکن ہم جانہیں سکے، آپ لے آیئے گا۔ یہ امام صاحب بھی جامعہ کی ایک بڑی کلاس میں متعلم تھے، انھوں نے مجھے ڈرایا کہ وہاں پڑھے لکھے لوگ ہیں، حدیث شریف کا بھی درس دینا ہوگا، بڑی ذمہ داری کا کام ہے، تم چھوٹی کلاس کے ہو؛ کہیں جامعہ کی بدنامی کا سبب نہ بن جاؤ؛ بہتر یہی ہے کہ تم وہاں نہ جاؤ، بڑی کلاس کے کسی لڑکے کو جانے دو۔ میں رضامند ہوگیا کہ میں نہیں جاتا، انھوں نے کہا کہ تم پھر استاذ صاحب کو جواب دے دو۔ میں نے استاذ محترم علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی زید مجدہٗ سے عرض کی کہ میں نہیں جانا چاہتا وہاں؛ سوسائٹی کی مسجد ہے، بڑی ذمہ داری ہے، شاید میں نہ نبھا سکوں۔

مجھ سے اِنکار کرانے کے بعد انھوں نے اپنے ہم درس کو تیار کیا مگر انتظامیہ نے اُنھیں جواب دے دیا۔ اُن کے بعد ایک اور مولانا نے تین چار جمعے پڑھائے، مگر ان پر بھی عدمِ اعتماد ہوا، اور انھیں رخصت کر دیا گیا، اس کے بعد پھر شیخ عبدالمجید صاحب نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو فون کیا کہ حضرت جی! کوئی معقول بندہ دیں جو یہاں کام کرے۔ چونکہ میرے اِنکار اور اس کے بعد دو تین ساتھیوں کی گلشن راوی میں آمد اور انتظامیہ کے ساتھ ناموافقت کی مفتی صاحب کو خبر نہیں دی گئی تھی، تو مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے استاذ محترم علامہ حافظ صاحب کو بلا کر فرمایا: ''حافظ جی! کی گل اے؟ گلشن راوی کیڑھا بندہ گیا اے؟''

استاذ صاحب فرمانے لگے: ''جس کو تیار کِیا تھا وہ تو گیا ہی نہیں۔'' مفتی صاحب علیہ الرحمہ معترض ہوئے: ''اوہ کیوں نئیں گیا؟'' جب استاذ صاحب نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ جگہ بڑی ہے اور ذمہ داری شاید میں نبھا نہ سکوں۔۔تو مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرمانے لگے:

''اوسے نوں بھیجو، اوہنے ای کم کرنا اے اوتھے۔''

اتفاق سے میں ان دنوں چھٹیاں لے کر گاؤں گیا ہوا تھا؛ استاذ حافظ صاحب نے عرض کی کہ وہ تو چھٹیوں پر گیا ہے، فرمانے لگے:

''آلین دیو، اوسے نوں بھیجو۔''

میری بدھ کی حاضری تھی جامعہ میں، لیکن میں جمعرات کو دس گیارہ بجے لاہور پہنچا۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ چھٹیوں پر جانے کے بعد تاخیر سے آنے والے طالب علم کی انتہائی شدید سرزنش اور تادیب فرمایا کرتے تھے۔ میں نے جمعرات والے دن چھٹی کے وقت کا انتظار کیا۔ ایک بجے جامعہ کے ٹیلی فون پر کال کی؛ تاکہ مولانا خلیل مرتضائی زید مجدہ کو بلا کر اُن سے اَسباق کا پوچھ لوں اور اگلا سبق تیار کرلوں؛ میں نے فون کیا تو استاذ گرامی علامہ حافظ صاحب خود دفتر میں تشریف فرما تھے، انھوں نے ہی فون سنا، سلام دعا کے بعد خفگی کا اظہار فرمانے لگے ''او......! توں آیا کیوں نئیں؟'' میں نے عرض کی: استاذ جی! ابھی کچھ دیر پہلے ہی لاہور پہنچا ہوں، اب آ جاؤں؟ فرمانے لگے: ''اب کیا کرے گا آ کے؟ چھٹی ہوگئی ہے۔'' ساتھ ہی فرمانے لگے: ''تینوں مفتی صاحب یاد فرما رہے سَن۔'' یہ سن کر تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، میرا خون خشک ہوگیا، لیکن ساتھ ہی فرمانے لگے کہ: ''گلشن راوی دی کسے مسجد دے بارے تینوں یاد فرما رہے سن۔ اب میری جان میں جان آئی۔''

دوستو! خوف کا سبب یہ تھا کہ جب تک ہم نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے کوئی سبق نہیں پڑھا تھا تب تک ان کا رعب ہمارا خون خشک کرتا رہا، لیکن جب ان کے پاس سبق پڑھا تو (لگی لپٹی کے بغیر اور کسی خوشامد اور جھوٹی تعریف کے بغیر) اُن جیسا دوست اور مشفق استاذ کسی اَور کو نہیں پایا، خود بھی ہنستے، ہمیں بھی ہنساتے، حتیٰ کہ بعض اوقات لوٹ پوٹ ہو جاتے۔

بہر حال اگلے روز میں کلاس میں ہی تھا کہ مفتی صاحب نے مولانا فاروق کشمیری کو میرے بارے میں فرمایا: ''وہ جہاں بھی ہے اس کو لے کے آ۔'' وہ مجھے کلاس سے دورانِ سبق مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے پاس لے کر گئے، میرے چھٹیاں گزار کر واپس آنے تک مفتی صاحب مکمل تحقیق فرما چکے اور معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے کہ اس کو بڑی کلاس کے لڑکوں نے سازش کر کے اور ڈرا دھمکا کے جانے نہیں دیا۔

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے صرف اِس ایک جملے نے مجھے ان کے سارے کھیل سے واقف کر دیا، میرے سامنے فاروق کشمیری کو فرمایا: ''پتر! جو مرضی کرلوو، ہونا اوہ ای اے جو میں کہنا اے۔'' فرمانے لگے ''چھٹی ٹائم اینوں لے کے جائیں، قاری اکبر خان (گلشن راوی کی ایک مسجد کے امام) دے ذمے لائیں، تے اوہنوں آکھیں کہ جد تک اینوں رہائش نئیں ملدی اپنے کول نال رکھے۔''

خیر، میں نے اس دن یہاں پر آ کے عصر کی نماز پڑھائی، میرا کسی نے کوئی انٹرویو نہیں لیا، میری جیسی بھی تقریر تھی کسی نے مجھ پر نہ تو اعتراض کیا، نہ سوال نہ کچھ اور۔ آج (2020ء میں) 29رسال ہو گئے ہیں۔ وہ دن اور آج کا دن۔ ابتدا میں مجھے کچھ عرصہ قاری اکبر خان صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے پاس رہائش دی، پھر رمضان المبارک کے مہینے میں مجھے مسجد کے سامنے ایک مقتدی نے اپنا ڈرائنگ روم کھول دیا اور پھر بالآخر یہاں رہائش کا بھی انتظام

ہو گیا۔ یہاں کنوارا آیا تھا، اب نانا بھی بن چکا ہوں اور دادا بھی۔۔

قارئین گرامی قدر! میں آج جو کچھ بھی ہوں، اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف اور صرف مفتی اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے اِن دو جملوں کی برکت ہے:

''اوہ کیوں نئیں گیا؟ اوسے نوں بھیجو، اوہنے ای کم کرنا اے او تھے۔۔''

''اُو پتر! جو مرضی کرلوو، ہونا اوہ ای اے جو میں کہنا اے۔۔''

ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے میں بالکل قابل نہیں۔ اللہ کریم ہی سے دعا ہے کہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے خلوص سے کیے گئے دینی اعمال و مشاغل کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

شعبہ تحفیظ القرآن کا قیام اور مفتیٔ اعظم کی کمال حوصلہ افزائی:

جب ہم نے یہاں (گلشن راوی کی مسجد میں) شعبۂ حفظ کا آغاز کیا، تو افتتاحی تقریب کے لیے مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے عرض کی اور اُنھیں دعوت دی جو اُنھوں نے قبول فرمالی۔ میں نے مفتی صاحب کو لانے کے لیے انتظامیہ کے ایک عہدیدار (حاجی امین الدین صاحب شفاہ اللہ تعالیٰ) کو جامعہ نظامیہ بھیجا، حاجی صاحب اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر استاذ گرامی قبلہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی صاحب کو لینے کے لیے نظامیہ جاتے رہے تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ اب بھی اُنھیں کو لینے جانا ہے، مفتی صاحب مدرسے میں تیار تھے اور انھیں گلشن راوی سے لینے کے لیے آنے والے کا انتظار بھی تھا؛ حاجی صاحب نے مفتی صاحب قبلہ ہی سے جا کے پوچھا کہ حافظ صاحب کہاں ہیں؟ مفتی صاحب فرمانے لگے کہ حافظ صاحب کو کیا کہنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ گلشن راوی، مسجد میں پروگرام ہے، وہاں لے جانا ہے، اُنھوں

نے پوچھا کس مسجد میں؟ اِنھوں نے بتایا کہ جامع مسجد محمدیہ رضویہ میں، مفتی صاحب فرمانے لگے کہ کون سے مولوی صاحب ہیں وہاں پہ؟ اِنھوں نے بتایا کہ قاری تاج۔ مفتی صاحب فرمانے لگے: وہاں تو میں نے جانا ہے! اِنھوں نے انکار کیا کہ آپ نے نہیں، استاذ حافظ صاحب نے جانا ہے۔ بہرحال، اب مفتی صاحب نے حافظ صاحب کو بلایا، خود بھی کرم نوازی فرمائی اور استاذ حافظ صاحب کو بھی ہمراہ لے کر حاجی امین صاحب کے ساتھ یہاں تشریف لے آئے۔ اب جب میں نے یہاں پروگرام میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی گفتگو کے لیے اعلان کیا تو گفتگو سے پہلے فرمانے لگے:

’’ایہ مینوں لیانا تے نئیں سَن چاہ رہے، تے اینہاں دا کجھ اس طرحاں دا پروگرام سی کہ ایس بابے توں کیہ تقریر ہونی اے؟ اینوں لیجا کے کیہ کرنا اے اساں؟ میں زبردستی ای آ گیا ہاں، میری ضرورت نئیں سی؛ نہ میری آواز ٹلی ورگی اے، نہ میں کوئی خطیب آں۔‘‘

بہرحال، مفتی صاحب نے آدھے گھنٹے کے لگ بھگ گفتگو کی اور لوگوں سے فرمانے لگے کہ آپ شعبۂ حفظ کھول رہے ہیں تو اس شعبہ کو چلانے کے لیے ذمہ دار بندے کا حافظ ہونا ضروری ہے، غیر حافظ نہیں جانتا کہ شعبۂ حفظ کیسے چلانا ہے۔ بندہ جو ہم نے آپ کو دیا ہے یہ حافظ ہے اور بخوبی اس شعبے کو چلا سکتا ہے۔ آپ اگر تجوید کا شعبہ کھولیں تو اس شعبہ کو چلانے کے لیے ذمہ دار بندے کا قاری ہونا ضروری ہے، غیر قاری نہ یہ شعبہ چلا سکتا ہے نہ نبھا سکتا ہے۔ بندہ جو ہم نے آپ کو دیا ہے وہ قاری بھی ہے۔ (حالاں کہ میں تنظیمی امور میں بالکل صفر ہوں، لیکن مفتی صاحب نے اس قدر اٹھایا کہ بس۔) پھر فرمانے لگے کہ آپ درسِ نظامی کا شعبہ کھول لیں، یہ جو بندہ ہم نے آپ کو دیا ہے اس نے درسِ نظامی بھی کیا ہوا ہے۔۔

قارئین کرام! (عالم ہوتا یا غیر عالم) جو بندہ بھی دین کا کام کرتا تو مفتی صاحب اس

کو حوصلہ افزائی کر کے آسمان پر لے جاتے۔۔ یہ نہایت زبردست خوبی تھی ان میں۔

بہرحال پروگرام سے فراغت پر گھر میں دعوت کا اہتمام تھا، یہاں استاذ حافظ صاحب مجھے سرگوشی فرماتے ہوئے فرمانے لگے کہ تیری مسجد میں آج اجتماع کم تھا، اگر مسجد بھری ہوتی تو مفتی صاحب نے تجھے پہنچا دیا تھا جہاں پہنچانا تھا۔

تبلیغ کے نتیجے میں مخالفت پر 13 ؍سال ثابت قدمی کا مشورہ:

ایک مولانا نے مفتی صاحب کی خدمت میں مسجد انتظامیہ کی شکایت کی تو فرمایا: ’’نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت فرمانے سے پہلے لوگ بہت عزت کرتے تھے، جونہی آپ نے تبلیغ شروع فرمائی تو وہی عزت کرنے والے جان کے دشمن بن گئے، نبی کریم ﷺ کو تیرہ سال انھوں نے تنگ کیا، پھر مدنی زندگی میں جا کر کچھ سکون ہوا۔ تم سنت سمجھ کر تیرہ سال لوگوں کی تکالیف برداشت کرو اس کے بعد کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتانا۔

علما کو تنگ کرنے والے کے لیے ہدایت کی دعا سے انکار:

ایک مولانا نے مفتی صاحب کو عرض کی کہ استاذ جی! ایک محلے دار اینٹی کرپشن کا بندہ ہے، بہت تنگ کرتا ہے؛ دعا فرمائیں اللہ اسے ہدایت دے، فرمانے لگے: ’’میں ایسی دعا نہیں کرتا، بلکہ میری خواہش ہے کہ تمھارے پیچھے اِس طرح کا ایک آدھ ڈنڈے والا ہو، اِس کے بغیر تمھاری بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔‘‘

طلبا پر رعب:

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ فارغ التحصیل طلبہ جامعہ

میں اساتذہ کو ملنے آتے تو دروازے سے جھانکتے تھے، مفتی صاحب دکھائی دیتے تو الٹے پاؤں لوٹ جاتے تھے ”شیر دی مُچھ نوں ہتھ کون لاوے؟“ اور اگر مفتی صاحب جامعہ میں نہ ہوتے تو اندر آ کر اساتذہ کو مِل لیتے تھے۔

قارئینِ گرامی قدر! اس کی وجہ یہ ہرگز نہ تھی کہ مفتی صاحب طلبہ و اساتذہ کی ملاقات کو معاذ اللہ ناپسند جانتے تھے، بلکہ آپ دعوتِ فکر دیتے تھے، مصروفیات پوچھتے تھے اور اگر معقول نہ ہوتیں تو سرزنش فرماتے تو طلبہ آپ سے کتراتے کہ ناصحین سے یہی سلوک کیا جاتا رہا ہے بقولِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ:

پند کڑوی لگے، ناصح سے ترش ہو، اے نفس!
زہرِ عصیاں میں ستم گر! تجھے میٹھا کیا ہے؟

حکامِ وقت پر رعب:

مفتی صاحب احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں بے نیاز آدمی تھے۔ میں نے خود سید طاہر رضا بخاری شاہ صاحب (ڈائریکٹر جنرل محکمہ اوقاف، پنجاب) کی زبانی سنا ہے کہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوا، سوائے مفتی صاحب کے۔

یونہی ایک بار بتایا کہ ایک دن شہباز شریف نے کسی اجلاس سے باہر نکلتے ہوئے مجھے کہا: ”یار! مفتی صاحب نے آج ڈانٹا نہیں۔“ یعنی یہ اُس کے لیے خوشی کی بات تھی۔

مزاج شناسی:

ہمارے ایک کلاس فیلو نے مفتی صاحب سے عرض کی کہ مجھے کوئی تعویذ تو عنایت فرمائیں۔ مفتی صاحب جلال میں آ گئے اور سخت نالاں ہوئے، فرمانے لگے ”تینوں ایسے

واسطے پڑھایا اے؟۔“

اس کے برعکس ایک دن مجھ سے خود ہی فرمانے لگے کہ کوئی تعویذ وغیرہ بھی دیتے ہو؟ میں دیتا بھی نہیں تھا اور سُن بھی چکا تھا کہ میرے کلاس فیلو کو اس پر زجر و توبیخ فرما چکے ہیں، میں نے کہا: ”نہیں، استاذ جی! میرا یہ مزاج بھی نہیں ہے۔“ محبت سے فرمانے لگے: ”ہیہ!! پاگل نہ ہو تو۔ مولوی کا بہترین ذریعۂ آمدن اور رزقِ حلال یہی تعویذ ہی تو ہے؛ تعویذ دیا کر، میں تجھے ایک تعویذ بتاتا ہوں، بلکہ اس کی اجازت بھی دیتا ہوں۔“ پھر پندرھیہ تعویذ مجھے مع اجازت عطا فرمایا۔ اور فرمایا: ”جو بھی آئے، جس بھی کام کے لیے آئے، اس کو یہ تعویذ دے دینا۔“ میں بہت حیران ہوا کہ کسی کو فرمایا ”تینوں ایس واسطے پڑھایا اے؟“۔۔۔ اور کسی کو خود ہی دے دیا!! پھر میں نے اس کلاس فیلو کو بھی یہ بات بتائی۔

فتویٰ نویسی کی تربیت:

ایک بار میں ملنے کے لیے گیا، حاضر خدمت تھا، وہیں ایک بندے نے استفتا پیش کیا، مفتی صاحب نے مجھے پکڑا دیا کہ اس کا جواب لکھ کر لاؤ۔ میں گھبرا گیا؛ کہ میں مفتی تو ہوں نہیں، نہ ہی لکھنے کا تجربہ ہے، لیکن میں نے اس موقع کو سعادت اور غنیمت سمجھتے ہوئے انکار بھی نہیں کیا۔ دیکھا تو وہ مزامیر کے ساتھ سماع سے متعلق اِستفتا تھا۔ ملاقات سے فراغت پر میں مفتی صاحب کے کمرے سے نکل کر استاذ حافظ صاحب کے کمرے میں آ گیا اور سارا ماجرا گوش گزار کیا کہ میں نے استفتا قبول کر تو لیا ہے، مگر اب آپ راہنمائی فرمائیں تو ہی کام بنے؛ استاذ حافظ صاحب نے فرمایا: ”فتاوی رضویہ دیکھو اور اس میں سے جو مناسب سمجھو جواب لکھو، پھر مجھے بھی ایک بار دِکھا لینا۔“ میں نے جواب لکھا اور پھر استاذ

صاحب کو چیک کرا کے مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مفتی صاحب نے اس پر مہر لگائی اور قبول فرما لیا۔ جب یہ بات میں نے استاذ گرامی علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب زید مجدہ سے عرض کی تو وہ فرمانے لگے ''فیر تے توں مفتی ہو گیوں کہ، جد مفتی صاحب نے تینوں مفتی بنا دتا اے۔۔''

اساتذہ کا ادب:

مفتی صاحب اساتذہ کا ادب کرنے کے حوالے سے نہایت سخت تھے، طلبہ کو آپ نے حکم دیا ہوا تھا کہ ''اگر کسی استاذ میں پڑھا سکنے کی قوت ولیاقت نہیں ہے تو مجھے بتاؤ، میں اسے تبدیل کر دوں گا، لیکن کسی استاذ کی توہین میں قطعاً برداشت نہیں کروں گا۔''

موروثیت سے نفرت:

اپنے بیٹے اور جامعہ کے موجودہ ناظمِ اعلیٰ: صاحبزادہ محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی صاحب، جو ہمارے کلاس فیلو ہیں، کے بارے میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اساتذہ کو تلقین فرما رکھی تھی کہ اِسے کسی قسم کی رعایت حاصل نہیں ہو گی، بلکہ اس کے ساتھ دوسرے طالب علموں کے مقابلے میں زیادہ سختی برتی جائے، خصوصاً تادیب میں؛ تاکہ صاحبزادگی کا بخار نہ ہونے پائے، یعنی آپ موروثیت کے دشمن تھے۔

عبارت پڑھنے کے لیے طلبہ کو تیار کرنا:

دورہ حدیث میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے ہم نے جامع ترمذی پڑھی ہے۔ اب تو قراءتِ حدیث شریف کے لیے طلبہ کی باریاں مقرر ہوتی ہیں، لیکن آپ علیہ الرحمہ نے کبھی

عبارت پڑھنے کے لیے باری نہیں لگانے دی تھی، فرمایا کرتے تھے: ''جس سے چاہوں گا عبارت سنوں گا۔'' نتیجتاً سب عبارت تیار کرتے تھے اور کم ہی ہوتے تھے جن کی عبارت تیار نہیں ہوتی تھی۔

جامع ترمذی کی تدریس میں بدمذہبوں کا ردّ:

درسِ ترمذی میں آپ بدمذہبوں کا خوب رد فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا تکیہ کلام تھا ''لٰكِن الوَهَابِيَةَ قَوْمٌ لَّايَعْقِلُوْن'' یہ جملہ اس انداز اور موقع پر بولا جاتا کہ علومِ غیبیہ یا دیگر خصائل وشمائلِ مصطفوی ذکر کر کے مفتی صاحب فرماتے ''لٰكِن الوَهَابِيَةَ قَوْمٌ'' تو پوری کلاس کہتی ''لَايَعْقِلُوْنَ''۔

جن کا اسمِ گرامی تعویذ تھا:

ایک بار میرے ہم جماعت مولانا قاری غلام فرید صاحب مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے پاس گئے اور عرض کی کہ جامع مسجد بطحا، علامہ اقبال ٹاؤن میں پیش امام کی ضرورت ہے، وہاں علما کی تنظیم بنی ہوئی ہے جس کے سربراہ فلاں صاحب ہیں؛ آپ سفارش کر دیجیے کہ وہاں میری تقرری ہو جائے۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے دو بندے قاری صاحب موصوف کے ہمراہ روانہ کیے اور فرمایا: وہاں جا کر میرا نام لے لینا، میرا نام تعویذ ثابت ہوگا۔ عشا کی نماز کے بعد وہاں اجلاس ہوا، تو میرے ہمراہی دو بندوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ قاری غلام فرید صاحب ہیں انھیں یہاں امامت کے لیے مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب (علیہ الرحمہ) نے بھیجا ہے۔ علما کی تنظیم کے سربراہ نے اس وقت تاریخی جملہ کہا: ''مچھلیوں نے اگر سمندر میں رہنا ہے تو مگر مچھ سے بگاڑ کر نہیں رہ سکتیں۔''

قارئینِ گرامی قدر! یہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی علمی جلالت اور مرتبہ تھا جسے ایک جہان تسلیم کرتا تھا۔ اللہ کریم کی علمائے امت کے ساتھ یہ عادت رہی ہے کہ وہ محنتی علما کو اُن کا زبردست جانشین بھی عطا فرماتا ہے جسے دنیا تسلیم کرتی ہے اور جس کے اعمال بالخصوص ان محنتی علما کے لیے صدقۂ جاریہ ہوتے ہیں، تو جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کو اللہ کریم نے قاضی یعقوب یعنی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ جیسا جانشین عطا فرمایا، مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو بھی علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی جیسا زبردست جانشین عطا فرمایا ہے، جو حقیقی معنی میں ان کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے صاحبزادگان بھی ان کے جانشین استاذ محترم حضرت علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی زید مجدہ کے دست و بازو ہیں۔ وہ خواہ برادرم علامہ محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی (ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ) ہوں، علامہ محمد غلام مرتضی ہزاروی (ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ) ہوں یا علامہ محمد نصیر ہزاروی (ناظمِ اعلی جامعہ نظامیہ رضویہ، فرخ آباد، وسرپرست ومنتظمِ رضا فاؤنڈیشن) ہوں، سبھی علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی زید مجدہٗ کے دست و بازو ہیں۔

اللہ کریم جامعہ نظامیہ رضویہ اور اس کی جملہ برانچز کے تمام طلبہ اور اساتذہ، ارکان اور معاونین سبھی کو تاحیات جامعہ سے خالص وابستگی نصیب فرمائے، اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے لیے یہ سب صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

کردار ساز، مردم شناس

تحریر: مولانا محمد طاہر تبسم قادری، چیئرمین نیشنل علماء کونسل وسربراہ ادارہ تعلیمات نبویہ

میں نے اپنی زندگی میں مفتیٔ اعظم پاکستان، مخدومِ ملت، محسن اہل سنت، شیخ العلما، حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم قادری رضوی ہزاروی قدس سرہ العزیز، جیسا مخلص، متوکل، متقی، معلم، منتظم، معمار، کردار ساز، اصاغر نواز، حق گو، بے باک، بے نیاز، دین کا درد رکھنے والا، تعصّبات سے بالا، محنتی اور انتھک شخص نہیں دیکھا۔

میں اپنے لیے سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں اُن ایام کو جو بطورِ طالب علم، مدرس اور ناظم، مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں آپ کے سایۂ عاطفت میں گذرے ہیں۔ وہ میری زندگی کے قیمتی ترین لمحات اور میری پہچان ہیں۔ اگر میں اپنے مربین، محسنین اور متأثر کرنے والی شخصیات کی فہرست مرتب کروں تو سرِ فہرست آپ ہی کا اسم گرامی آئے گا۔

یہ صرف میرے خیالات نہیں بلکہ میرے جیسے سینکڑوں، ہزاروں لوگوں کا یہی نظریہ ہے؛ کیونکہ نہ جانے کتنے ذرے تھے جنہیں مفتیٔ اعظم کی نظرِ کیمیا گر نے آفتاب بنادیا۔

آپ کی کیمیا گری کا ثبوت تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ (برانچز سمیت)، رضا فاؤنڈیشن، مجلس علماءِ نظامیہ اور بزم رضا جیسے ادارے، شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ، مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن مدظلہ، شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ، ادیبِ اہل سنت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی زید مجدہٗ اور امیر المجاہدین علامہ حافظ خادم حسین رضوی قدس سرہ العزیز جیسے ”رجال“ ہیں۔

اچھے مدرس، مبلغ، مصنف اور منتظم تو بہت سارے لوگ ہوتے ہیں، مگر دوسروں میں

یہ اوصاف منتقل کرنے والی شخصیات خال خال ہوتی ہیں۔آپ نہ صرف مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک تھے بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے بے شمار افراد کو ان اوصاف کے ساتھ متصف کردیا۔آپ نے مدرسین، مبلغین، مصنفین ،اور منتظمین کی ایک کھیپ تیار کر کے امت کو دی، جو آج صرف پاکستان کے طول وعرض ہی نہیں بلکہ اطراف واکنافِ عالم میں اشاعتِ اسلام اور خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنی ذات میں ایک انجمن ،ایک تحریک،ایک ادارہ تھے۔اپنے مشن کے ساتھ کمٹمنٹ،ڈیوٹی کے ساتھ انصاف اور منصب کے ساتھ اخلاص ایسا جس کی نظیر شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کے ابتدائی دور کی مشکلات دیکھیں تو اسلام کے مکی دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،ان مشکلات میں آپ کی استقامت وعزیمت دیکھیں تو ''**ان ذلک من عزم الامور**'' کی تفسیر سامنے آتی ہے۔

تدریس اور مدارس کا قیام تو گویا آپ کا پہلا اور آخری عشق تھا......زندگی کی آخری سانس تک تدریس فرماتے رہے۔ناغہ کرنے کے نہ خود روادار تھے نہ اپنے ماتحتوں کو کرنے دیتے تھے حتی کہ آپ کے سینئرز بلکہ اساتذہ میں سے کوئی تدریسی وتعلیمی اوقات میں ملنے آجاتا تو فرماتے کہ تدریس کے اوقات میں آپ فارغ کیوں پھر رہے ہیں؟ گورنر پنجاب نے ملاقات کے لیے آنا چاہا تو اسباق کے بعد کا ٹائم دیا۔گورنمنٹ کے نمائندے آپ کے تدریسی اوقات کو مدنظر رکھتے ہوئے اجلاس کا وقت طے کیا کرتے تھے۔

ہمارے دورۂ حدیث شریف کے سال آپ لیبیا کے دورے سے واپس تشریف لائے تو صحت کافی ناساز تھی۔درسِ حدیث کے دوران شدید کھانسی اور فلو شروع ہو جاتا......

حتی کہ دیکھنے والے کو ترس آتا۔طلبا نے عرض کی:حضور! کچھ دن آرام فرمالیں،طبیعت سنبھل جائے گی تو نصاب کو کور کرلیں گے۔آپ نے فرمایا:''کیا گارنٹی ہے آرام کرنے سے میری زندگی بڑھ جائے گی؟''

اپنے جامعہ کی ایک ایک چیز کی دیکھ بھال یوں فرماتے جیسے مالی اپنے باغیچے کو یا ماں اپنے بچوں کو سنبھالتی ہے۔صبح جب جامعہ تشریف لاتے تو اپنے منصب پر تشریف فرما ہونے سے پہلے پورے جامعہ کے طول وعرض اور فوق وتحت کا بنظرِ عمیق جائزہ لیتے، جہاں کوئی خرابی یا پرابلم نظر آتی تو متعلقہ لوگوں کو بلا کر خبر گیری بھی کرتے اور خرابی دور کرنے کے لیے آرڈر فرماتے۔ لاہور سے شیخوپورہ نیو کیمپس کے وزٹ کے لیے تشریف لاتے تو جامعہ کے سٹاپ پر اُترنے کے بجائے ،پیش آمدہ پھاٹک پر اترتے ،دائیں بائیں سے ہر چیز کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اندر تشریف لاتے پھر وہاں کی انتظامیہ کو آگاہ فرماتے کہ کہاں کہاں اور کیا کیا خرابیاں ہیں۔

اپنے تلامذہ کو مدارس کے قیام کی بہت تلقین فرماتے۔بظاہر نکمے ترین شخص میں ایسا جذبہ اُجاگر فرمادیتے تھے کہ وہ بڑے بڑے کام کر گذرتا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مردم شناسی کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔افراد میں چھپے ہوئے جوہر اور صلاحیت کو بھانپ لیا کرتے تھے۔عموماً جس شخص کو منصب عطا فرماتے وہ اہلیت ثابت کیا کرتا تھا۔خاص بات یہ تھی کہ جس کو ڈیوٹی سونپتے اسے بھرپور اعتماد اور پشت پناہی سے بھی نوازا کرتے تھے۔

الغرض قرونِ اُخری میں آپ جیسا کردار کا دھنی ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔آپ اپنی مثال خود تھے۔آپ کی خدمات اور احسانات اہل سنت قیامت تک یاد رکھیں گے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان......

اہل سنت کے گوہر صد انوار

تحریر: مولانا محمد انوار الرسول مرتضائی، مرکزی صدر مجلس علماء نظامیہ پاکستان

رمضان المبارک اپنی تمام تر عظمتوں اور رعنائیوں کے ساتھ سایہ فگن ہے۔ اس نور بار ماہِ مبارک میں پہلی مرتبہ نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کا اِعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ عصری تعلیم میں میٹرک دو سال قبل 1987ء میں ہی فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا ہے۔ رمضان المبارک جوں جوں اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے وہ مبارک ساعت قریب آ رہی ہے جس کا مدت سے انتظار تھا۔ کئی سال پہلے ہی والد گرامی، اُستاذ العلما علامہ محمد انور مجددی مرتضائی رحمہ اللہ تعالیٰ (12 اکتوبر 1936 تا 21 اکتوبر 1999)، نے اپنے فیصلے اور شدید خواہش سے آگاہ کر دیا تھا کہ تمہیں حفظِ قرآن اور میٹرک کے بعد درس نظامی کے لیے حضور مفتیٔ اعظم پاکستان کے پاس جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخل کروائیں گے۔ عید الفطر گزری، لمحہ لمحہ انتظار کے بعد بالآخر 11 شوال المکرّم (1409ھ/15 جون، 1989ء) داخلہ کی تاریخ آ گئی۔ صبح سویرے ہی تیار ہو کر قبلہ والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی آپ کے ہم مشرب، ہم مکتب ساتھی علامہ محمد شریف نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ موجود تھے (دونوں بزرگوں نے 1956ء میں جامعہ حنفیہ کوٹ رادھا کشن سے درس نظامی کی تکمیل کی تھی)۔

ہم دس بجے صبح جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے پُر شکوہ گیٹ پر تھے۔ اندر داخل ہوئے

تو حصولِ داخلہ کے لیے آنے والے طلبا کی چہل پہل تھی۔ دونوں علما کے لیے اپنائیت کا ماحول تھا۔ یکے بعد دیگرے احباب سے ملتے ہوئے سامنے ایک دفتر نما کمرے میں داخل ہوئے تو مرکزی نشست گاہ پر ایک نہایت پُر وقار شخصیت جلوہ افروز تھی۔ سرخ و سفید تابناک چہرہ، سفید ریش، سفید دستار، سفید لباس، عجب سج دھج تھی۔ جس تپاک سے یہ تینوں شخصیات آپس میں ملیں صاف ظاہر تھا کہ برسوں سے شناسائی ہے۔ کچھ ہی دیر بعد اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ جس شخصیت کا تذکرہ گھر میں قبلہ مفتی صاحب کے نام سے ہوتا ہے، یہی وہ یہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ہیں۔

مفتی صاحب قبلہ نے اس دوران والد گرامی سے اپنے ایک ساتھی علامہ محمد نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (میانوالی) کے بارے تفصیل سے پوچھا۔ آپ جامعہ حنفیہ کوٹ رادھا کشن میں 1950 تا 1955، صدر المدرسین تھے۔ قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ عملی شخصیت تھے اور دونوں مہمان علما مشرباً نقشبندی مجددی تھے، تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ (26 جون 1564 تا 10 دسمبر 1624) کا تذکرہ آتے ہی فرمایا:

''اِس دور میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے کام کو اجاگر کرنے کی بہت ضرورت ہے،" مکتوباتِ امام ربانی" کی مبسوط شرح کی ضرورت ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے "فلسفۂ وحدۃ الوجود" کی آڑ میں خام اور جاہل صوفیا کے الحاد کے ردّ اور اور آپ کے "فلسفۂ وحدۃ الشھود" کی ترجمانی میں عمدۃ المحققین، مناظر اسلام حضرت خواجہ نور محمد فنا فی الرسول نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ (1896 تا 21 مئی 1958) کی ایک لاجواب کتاب **"ظھور الصفات فی جمیع الموجودات"** (جو بعد میں آپ کو پیش کی گئی) زیر بحث تھی، کہ اچانک آپ نے روئے سخن راقم کی جانب کرتے

ہوئے فرمایا کہ بیٹا جامعہ نظامیہ رضویہ اب آپ کا گھر ہے۔تم وہ سامنے حافظ صاحب، جنہوں نے سر پر رومال باندھا ہوا ہے، کے پاس چلے جاؤ اور داخلے کے لیے میرا بتاؤ۔مَیں قبلہ حافظ صاحب (استاذنا الکریم شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی متعنا اللہ تعالی بطول حیاتہ) کے پاس حاضر ہوگیا۔آپ نے مختصر انٹرویو کے بعد جامعہ کے شعبہ فارسی میں داخلے کی نوید سنا دی۔بس اس دن سے مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ، استاذی المکرّم شیخ الحدیث حافظ محمد عبدالستار سعیدی حفظہ اللہ اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے دامنِ کرم سے وابستگی ہوگئی۔

کرم بالائے کرم یہ کہ اپنے ہر دو عظیم اساتذہ کی نظر کرم کا مستحق ٹھہرا۔قبلہ مفتی صاحب کے خانوادے سے ایک گونہ فیملی تعلق اور استاذ قبلہ حافظ صاحب کے تو خادم خاص متعین ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا اور یہ اعزاز آج بھی برقرار ہے۔اپنے ان مشفق اساتذہ سے قرب کی ایک وجہ بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی نظامت (1993 تا 1995) بھی بنی، جس سے تربیت کے مزید مواقع بھی میسر آئے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست کے مصداق حضور مفتیٔ اعظم کی نابغہ روزگار شخصیت کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے پندرہ سال ارزانی ہوئے۔اس دوران آپ کی عبقری صفات کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔مُشتے از خروارے کے مصداق حصولِ برکت کے لیے چند باصرہ نواز ہیں۔

تکبیر اولیٰ:

استاذی المکرّم شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد رشید نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ (31 دسمبر، 1949 تا یکم ستمبر، 1997ء) نہ جلد کسی سے متأثر ہوتے اور نہ یکا یک کسی کی تحسین فرماتے تھے۔آپ بے عمل پیروں، صاحبزادگان اور ناظمین کے سخت ناقد تھے، لیکن مفتیٔ اعظم پاکستان قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قدس سرہ العزیز کے تقوی، دیانتداری، مسلکی تصلّب اور احساسِ ذمہ داری سے حقیقی طور پر متأثر اور دل سے معترف تھے، گاہے بگاہے اظہار بھی فرماتے تھے۔ایک دفعہ ارشاد فرمایا

"قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے میری طویل رفاقت ہے لیکن اس دوران میں نے کبھی آپ کی باجماعت نماز میں تکبیر اولیٰ ترک ہوتے نہیں دیکھی۔"

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس:

حضور مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی شخصیت جلال و جمال کا حسین امتزاج تھی۔کسی کام میں بے ترتیبی یا غفلت آپ کو طبعاً ناگوار گزرتی، اس صورت میں آپ کے چہرے پر جلال کے آثار نمودار ہو جاتے۔

1993ء میں جامعہ کی ایک تقریب میں مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یکم اکتوبر 1915ء تا 2 مئی 2001ء) کو مدعو کیا گیا۔قبلہ مفتی صاحب، شیخ الحدیث علامہ محمد رشید نقشبندی (م:1997ء)، شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، شیخ الحدیث حافظ محمد عبدالستار سعیدی اور دیگر اساتذۂ کرام نے اُن کی تشریف آوری پر استقبال کیا۔آپ کا جبہ و دستار اور کروفر دیدنی تھا۔سیدھے "رضا ہال" میں تشریف لائے، جہاں تقریب جاری تھی۔بزمِ رضا کے ساتھیوں کے ساتھ خاکسار بھی انتظامات میں شامل تھا۔موقع پا کر تقریب میں مجاہد ملت سے آٹوگراف بھی لیا۔آپ نے آٹوگراف میں یہ

مصرع: ''شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کے رفیق''، جلی خط میں لکھ کر دستخط کر دیے۔
برادرم مکرم علامہ سید محمد اسد اللہ اسد شاہ صاحب (سیکرٹری بزم رضا) نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ آپ کے ولولہ انگیز خطاب کے بعد تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ کمرہ نمبر 18 میں ضیافت کا اہتمام تھا۔ حضور مجاہدِ ملت، قبلہ مفتی صاحب اور دیگر اساتذۂ کرام کمرے کے دروازے پر تشریف لائے۔ اس دوران راقم سالن کا برتن اُٹھائے دروازے پر کھڑا تھا۔ اچانک قبلہ مجاہد ملت نے ''کھونڈے'' والا ہاتھ اُوپر اٹھایا جو سالن والے ڈونگے کے نیچے لگا، شوربا اُچھل کر آپ کی شیروانی پر پڑا جو گھی اور شوربے سے تر بتر ہوگئی۔ اس ناگہانی صورت حال میں مجاہد ملت اور قبلہ مفتی صاحب کے چہرے جلال سے سرخ ہو گئے۔ ہیبت تھی کہ مجھ پر ''پائے ماندن نہ جائے رفتن'' والی کیفیت طاری ہوگئی۔ مجاہد ملت کھانا تناول کیے بغیر تشریف لے گئے۔ ایک دو دن مفتی صاحب قبلہ کے سامنے آنے، جانے سے بچنے کی کوشش کرتا رہا، تیسرے دن آپ نے ظہر کی نماز کے بعد طلب فرمایا تو پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی، اسی حالت میں حاضر ہوا تو آپ جمالی کیفیت میں تھے۔ اس واقعے کا تذکرہ کر کے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ صرف اتنا فرمایا: ''بیٹا! تمہیں احتیاط کرنی چاہیے تھی'' اور بس بات ختم۔

مسجد شہید گنج اور غیرت ایمانی:

6 دسمبر 1992ء کو تاریخی بابری مسجد کے ہندوؤں کے ہاتھوں انہدام پر پورے ملک میں اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ دیگر قومی، دینی و ملی تحریکوں کی طرح اس مرتبہ بھی جامعہ نظامیہ رضویہ پیش پیش تھا۔ جامعہ سے ایک بہت بڑے احتجاجی جلوس کا اہتمام کیا گیا۔ بزمِ

رضا کے ساتھیوں کے ساتھ راقم بھی سرگرم تھا۔ دورانِ تیاری مفتی صاحب نے خاص ہدایات ارشاد فرمائیں۔

جلوس جامعہ سے نکل کر مسلم مسجد کے باہر منظّم ہوا تو عامۃ الناس کی کثیر تعداد بھی شامل ہوگئی۔ مسلم مسجد سے شاہ عالمی چوک تک لوگ ہی لوگ تھے۔ فضا نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے گونج رہی تھی۔ جلوس روانہ ہوا تو مظاہرین نے شاہ عالمی چوک میں واقع موتی لعل مندر کو گھیر لیا، یہاں پر مولانا محمد جمشید سعیدی صاحب زید شرفہٗ (حال مقیم برطانیہ) کی ولولہ انگیز تقریر ہوئی، جس کے بعد مظاہرین نے مندر پر ہلہ بول دیا اور کافی حصہ گرا دیا۔

جلوس دوبارہ روانہ ہوا تو رُخ مسجد شہید گنج لنڈا بازار کی طرف تھا، جہاں پر 1935ء میں بہت سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد سکھوں نے مسجد کو گردوارے میں تبدیل کر دیا تھا۔ مظاہرین اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے گردوارے پر پل پڑے۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ ایک طرف سے گردوارے کو منہدم کرنا شروع کر دیا۔ کچھ مظاہرین طلبا گردوارے کے وسطی حصے کی طرف گئے جہاں پر ایک مرصع کمرے میں ایک پالکی پر گرنتھ اور سکھ دھرم کی دیگر مقدس چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اساتذہ نے ان کو نقصان پہنچانے سے منع کر دیا۔ اسی مرکزی عمارت کے سامنے وسیع جگہ پر ایک بلند پول پر سکھوں کا پرچم لہرا رہا تھا، جس کو دیکھ کر مظاہرین نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنا شروع کر دیے۔ شرکا کا جذبہ عروج پر تھا، لیکن پرچم اتارنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی کہ اچانک ایک پُھرتیلے اور مضبوط قد و قامت کے طالب علم دوڑ کر آگے آئے اور فقط ہاتھوں اور پاؤں کی پکڑ سے گول ملائم پول پر چڑھنا شروع کر دیا، اِرد گرد مظاہرین نعرہائے تکبیر و رسالت بلند کر رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے یہ پھرتیلا طالب علم پول کی چوٹی پر پہنچ گیا اور پرچم اُتار کر پلک جھپکنے میں نیچے آ گیا اور

انتہائی پرسوز آواز میں اذان دینا شروع کر دی۔ پھر اس جگہ نماز ظہر کی امامت کروائی۔ یہ طالب علم ہمارے سینئر ساتھی مولانا محمد تنویر القادری ہزاروی (موجودہ مفتی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) تھے نماز سے فارغ ہوئے تو ایک طرف سے دھماکے کی آواز آئی وہاں پہنچ کر دیکھا تو مظاہرین نے ایک عمارت کی چھت گرا دی تھی۔ چھت کے نیچے آ کر دو مظاہرین شہید ہو گئے۔ اس پر حالات انتہائی کشیدہ صورت اختیار کر گئے۔ پولیس کی بھاری نفری بھی پہنچ گئی۔ مزید جانی نقصان سے بچنے کے لیے استاذ گرامی شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی صاحب نے طلبا کو منتشر ہو کر فوراً جامعہ پہنچنے کی ہدایت کی اور میڈیا سے بات کرنے سے بھی منع فرمایا۔

جامعہ پہنچے تو قبلہ مفتی صاحب دفتر میں موجود تھے۔ ہمیں فوری طور پر طلب فرمایا۔ راقم، مولانا افتخار احمد جٹ اور مولانا انصر محمود گجراتی، ہم تینوں دوست مفتی صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔ مظاہرے کے بارے میں دریافت فرمایا تو ہم نے مسجد شہید گنج میں پیش آنے والے واقعات بشمول سکھ دھرم کا پرچم اتارنے، اذان اور نماز باجماعت کی روداد بیان کر دی۔ آپ کا چہرہ غیرتِ ایمانی سے کھل اٹھا اور فرمایا: ''میرے مجاہدین نے آج مسجد شہید گنج کے شہدا کی یاد پھر تازہ کر دی۔ مجھے اپنے مجاہدین پر فخر ہے۔'' پھر مسجد کی شہادت، عدالتی کیس اور گردوارہ بننے کی روداد تفصیل سے سنائی اور فرمایا: ''یہ مسئلہ احتجاج سے نہیں، ڈنڈے سے حل ہونے والا ہے''۔

مستقبل کی پیش بندی:

حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ ایسی دانا و بینا شخصیت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طالب

علم کے مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی اور اس کے مطابق اس کو لائحہ عمل بھی عطا فرماتے تھے۔

دورہ حدیث کے سال (1997ء) میں ایک دن ترمذی شریف کے سبق کے دوران دیوبندی مکتبِ فکر کے ''اقراء نظام تعلیم'' کی بات چلی۔ راقم نے عرض کی کہ جس ہائی سکول میں زیرِ تعلیم تھا وہاں قریب ہی 1986ء میں ان کا پہلا کیمپس بنا تھا۔ پھر لاہور اور پورے ملک میں تب تک اقراء کی برانچز اور نظام تعلیم کے متعلق جو کچھ معلومات تھیں سرسری طور پر عرض کیں۔ سبق کے بعد قبلہ مفتی صاحب نے خاکسار کو دفتر میں طلب فرمایا اور اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''اہل سنت کی ساری پنیری دین کے نام پر دیوبندیوں کے ان جدید مدارس میں جا رہی ہے۔ ہمیں اس طرف توجہ کرنا ہوگی۔''

پھر فرمایا کہ ''تم لاہور کے رہائشی ہو اور سکول و کالج سے بھی آشنا ہو، تمہیں فراغت کے بعد یہ کام کرنا ہے۔'' مَیں نے عرض کیا: حضور! اس کے لیے بہت وسائل کی ضرورت ہے۔ اچانک چہرے پر کچھ جلال کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا:

''تمہیں علم دین کے وسائل سے لیس کر دیا ہے۔ باقی وسائل کا پروردگار خود بندوبست فرمائے گا۔''

دستار بندی کے موقع پر شیخ الحدیث قبلہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ طلبا کے نام اناؤنس کرتے ہوئے ہر طالب علم کے حسبِ حال کوئی تبصرہ فرما رہے تھے۔ جب خاکسار کا نام اناؤنس فرمایا تو ساتھ یہ دلچسپ تبصرہ بھی فرمایا: ''اس میں تنظیمی اور سیاسی جراثیم ہیں، یہ کسی نہ کسی سطح پر کسی تنظیم کا صدر یا ناظم ضرور بن جائے گا''۔ یہ گوشمالی یا

آپ کی فراست تھی۔حضور مفتیٔ اعظم پاکستان اور شیخ الحدیث والتفسیر علامہ محمد شریف بھکروی علیہ الرحمہ کے برابر میں کھڑے قبلہ والد گرامی (علامہ ابوالفیض محمد انور مرتضائی علیہ الرحمہ) بھی دستار بندی فرما رہے تھے۔ والد گرامی نے استاذی المکرّم قبلہ حافظ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے اس اچانک تبصرے پر حیرت سے قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی طرف دیکھا۔مفتی صاحب قبلہ مسکرا دیے۔ اِدھر راقم دستار کے حصول کے لیے پہنچ گیا، آپ نے فرمایا’’ کاکا جی! یہ حافظ جی آپ کے بارے کیا کہہ رہے ہیں؟‘‘ پھر والد گرامی سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے: ’’فکر کی ضرورت نہیں، مَیں نے اس کی ڈیوٹی لگادی ہے‘‘۔

ازاں بعد آپ کے حسب الارشاد 14 اگست 2000ء کو قبلہ والد گرامی کے قائم کردہ ادارے ’’جامعہ مرتضائیہ فیض العلوم‘‘ کوٹ لکھپت لاہور میں ’’اقراء مدینۃ الاطفال‘‘ کے نام سے پہلے ادارے کی بنیاد رکھی اور اب (2020ء) تک خاکسار کی کاوش اور حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے فیضان سے لاہور اور بیرون لاہور بیس ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ **فللّٰہ الحمد**. اُستاذنا المکرّم قبلہ حافظ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا تبصرہ بھی کسی نہ کسی حد تک درست ثابت ہوا۔

ماحضر پر قناعت:

حضور مفتیٔ اعظم پاکستان کی نظر کرم ہر وقت تربیت اور اصلاح پر مرکوز رہتی۔15 اپریل 1998ء کو ناچیز کی شادی کی تقریب تھی۔قبلہ والد گرامی کی دعوت پر قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (13 اگست 1944 تا یکم ستمبر 2007ء)، شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث مفتی محمد

صدیق ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ، جانشینِ سعدی علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب، شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی صاحب اور دیگر اساتذۂ کرام کے قدومِ میمنت لزوم نے غریب خانے کو رونق بخشی۔تمام مہمانوں سے علیحدہ ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔راقم اور صاحب زادہ مفتی میاں خلیل احمد مرتضائی صاحب اساتذہ کی خدمت پر مامور تھے۔کھانا شروع ہوا تو قبلہ استاذی المکرّم شیخ الحدیث علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب علیہ الرحمہ نے ناچیز کو اشارے سے بلایا اور آپ نے کان میں اچار یا سبزی کا کہا (آپ برائلر مرغ کو طبعاً یا کسی اور وجہ سے ناپسند فرماتے تھے)۔قبلہ مفتی صاحب دسترخوان پر دوسری لائن میں بیٹھے ملاحظہ فرما رہے تھے۔مَیں جلدی سے مطلوبہ اشیا کے لیے جانے لگا تو قبلہ مفتی صاحب نے مجھے اشارے سے روک کر روئے سخن قبلہ شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: ’’مولانا! **مَاحَضَر، ماحضر** (جو موجود ہے اِسی پر اکتفا کیجیے)‘‘۔جس پر قبلہ شیخ الحدیث علیہ الرحمہ مسکرا دیئے۔

تربیتِ اولاد:

مشاہدے کی بات ہے کہ عموماً علما و مشائخ کے صاحبزادگان اُن کے بڑے مشاغل یا عدم توجہ کی بنا پر تعلیم میں ادھورے رہ جاتے ہیں یا بے حد کمزور۔ بہت پرانے علمی قد کاٹھ کی شخصیات کے صاحبزادگان اُن کے قائم فرمودہ اداروں اور تنظیمات کو بعد از وصال بطریقِ احسن نہ چلا سکے، جس کی وجہ سے یا تو وہ ادارے بند ہو گئے یا برائے نام رہ گئے۔

حضور مفتیٔ اعظم پاکستان نے اپنے صاحب زادگان کی تعلیم و تربیت پر کڑی نظر رکھی۔نتیجتاً آج آپ کے بعد از وصال آپ کے قائم فرمودہ مدارس، ادارے اور تنظیمات

پہلے کی طرح فعال اور اہل سنت کے مرکزی علمی مراکز ہیں۔

''مشتے از خروارے'' کے مصداق راقم 1994ء سے ''جامع مسجد اتفاق ہسپتال'' میں خطیب ہے۔ 1998ء سے حضور مفتیٔ اعظم پاکستان نے صاحب زادہ غلام مرتضیٰ ہزاروی صاحب کی تعیناتی نمازِ تراویح کے لیے خاکسار کے ساتھ کر دی اور مفتی صاحب قبلہ کے وصال (2003ء) تک برابر چھ مصلے صاحب زادہ صاحب نے اتفاق مسجد میں سنائے۔ اس دوران مفتی صاحب ان کی کڑی نگرانی رکھتے اور ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ فون کر کے مجھ سے ان کی مکمل رپورٹ لیتے، حتیٰ کہ دریافت کرتے کس دن کتنی بار متشابہ ہوا۔ آپ نے صاحبزادگان پر صاحبزادگی غالب نہ آنے دی۔ روزانہ راوی روڈ سے لوکل مزدا گاڑی پر آتے۔ فیروز پور روڈ سے پیدل اتفاق ہسپتال مسجد تک آتے۔ تراویح کے بعد راقم موٹر سائیکل پر فیروز پور روڈ پر چھوڑ دیتا اور جیب میں پیسے بھی بقدر کرایہ ہی ہوتے۔ مزید یہ کہ رمضان المبارک میں مفتی صاحب قبلہ صاحب زادہ صاحب کو درس نظامی کے ایک دو اسباق شروع کروا دیتے۔ فنون میں سے کوئی متن بھی زبانی یاد کر کے سنانا ہوتا تھا۔ الحمد للہ آج نتائج اظہر من الشّمس ہیں۔

بے مثال ناظم اعلیٰ:

اللہ تعالیٰ نے حضور مفتیٔ اعظم پاکستان میں اُمور کو منظّم، عمدہ اسلوب اور خاص ترتیب سے سرانجام دینے کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی۔ بے ہنگم اور غیر مرتب امور آپ کی طبع پر گراں گزرتے تھے۔

21 اکتوبر 1999ء جمعرات کے دن قبلہ والد گرامی کا وصال ہوا۔ 22 اکتوبر بروز

جمعۃ المبارک صبح نو بجے جنازے کا وقت مقرر تھا۔ مخلوق کا ازدحام تھا کہ بروقت جنازے کی ادائیگی ممکن نظر نہیں آتی تھی۔ اِردگرد کے بازار لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ پورا علاقہ سوگ میں ڈوبا ہوا تھا اور راقم سمیت احباب کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ اچانک حضور مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ اور دیگر اساتذۂ کرام جنازے میں شرکت کے لیے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے تشریف لے آئے۔ آپ ہجوم میں ایسے چلے آ رہے تھے کہ خود بخود راستہ بنا جا رہا تھا۔ آپ سیدھے والد گرامی کے جسد خاکی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''ایک عالم دین کے وصال سے صرف اہل خانہ یتیم نہیں ہوتے بلکہ پورا علاقہ یتیم ہو جاتا ہے''۔

پھر جنازے کی تفصیلات دریافت کرنے کے بعد احباب کو ہدایات جاری فرمانے لگے، گویا کہ آپ نے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ہر چیز ایک ترتیب میں نظر آنے لگی۔ طے کردہ وقت کے مطابق جنازہ، جنازہ گاہ میں پہنچ گیا، جو چند لمحات پہلے ناممکن نظر آتا تھا۔ علما کے مختصر تعزیتی خطبات کے بعد آپ مصلائے امامت پر از خود تشریف لے آئے اور یہ فریضہ بروقت انجام پذیر ہوا۔

آج بھی مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی یہ غم خواری اور غمگساری یاد آتی ہے تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔

القابات اور ستائش سے بیزاری:

☆ 1995ء کی بات ہے، دارالحدیث کی موجودہ عمارت ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ بزم رضا کے زیر انتظام جامعہ کے صحن میں عید میلا النبی ﷺ کے سلسلے میں ایک شاندار تقریب کا

اہتمام کیا گیا۔حضور قبلہ مفتی اعظم صاحب علیہ الرحمہ،قبلہ شیخ الحدیث شرف ملت علیہ الرحمہ سمیت تمام اساتذہ اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔تقریب کا آغاز ہوا۔راقم اُن دنوں بزم رضا کا جنرل سیکرٹری تھا۔تلاوت،نعت اور استاذی المکرّم علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی کے خطاب کے بعد حضور شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کو دعوت خطاب دی۔ اس دوران خاصے القابات ذکر کرنے کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے آپ کو مائیک پر بلایا:

''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے''

قبلہ شیخ الحدیث مسکراتے ہوئے اٹھے اور مائیک پر آتے ہی فرمایا:

''اِس شیر کی آمد سے کوئی رن نہیں کانپ رہا، یہ مولوی انوار کی شرارت ہے''۔

اس پر ساری محفل کشت زعفران بن گئی۔حضور قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ یہ ساری کارروائی ملاحظہ فرما رہے تھے۔مسکراتے ہوئے آپ کا چہرہ سرخ گلاب کی طرح ہو چکا تھا۔

قبلہ شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے خطاب شروع کیا تو قبلہ مفتی صاحب نے اشارہ کر کے راقم کو بلایا اور ہاتھ سے ڈائری پکڑ کر ملاحظہ فرمانے لگے۔ڈائری پر تمام پروگرام اور کس استاذ گرامی کو کن القابات سے دعوت دینی ہے، سب لکھا ہوا تھا۔اپنے اسم گرامی پر اُنگلی رکھتے ہوئے فرمایا:

''خبردار! جو مجھے ان القابات سے دعوتِ خطاب دی، بلکہ دعوت دینے کی ضرورت ہی نہیں، مَیں خود ہی اپنی باری پر جو کچھ کہنا ہوا کہہ لوں گا۔ویسے بھی مَیں خطاب نہیں کرتا اپنے طالب علم ساتھیوں سے باتیں کرتا ہوں۔''

ادھر جونہی قبلہ شیخ الحدیث صاحب نے خطاب مکمل کیا، آپ ازخود ہی مائیک پر تشریف لے آئے اور گفتگو شروع فرمادی۔

☆ ایک دوسرے موقع پر جب 1997ء میں راقم کی کلاس نے دورہ حدیث سے فراغت پر اساتذہ سے پندونصیحت کے حصول کے لیے الوداعی دعوت کا اہتمام کیا تو کلاس کی طرف سے اساتذہ کرام کی خدمت میں اظہار تشکر و امتنان کے لیے خاکسار کو مامور کیا گیا۔ ناچیز نے اساتذہ کو اظہار خیال کی دعوت دینے کے لیے اساتذہ کے حسبِ حال کچھ اشعار نظم کر رکھے تھے۔استاذ گرامی قبلہ علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب اور قبلہ شیخ الحدیث شرف ملت علیہ الرحمہ کو اشعار میں گفتگو کی دعوت دے چکا تو قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے مجھے بلا کر ہاتھ سے ڈائری پکڑ کر ملاحظہ فرمانا شروع کر دی اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

''تُو نے میرے لیے جو شعر لکھے ہیں مَیں نے پڑھ لیے ہیں، اب سب کے سامنے دوہرانے کی ضرورت نہیں اور نہ دعوت دینے کی ضرورت ہے، مَیں ازخود ہی گفتگو کر لوں گا۔''

تکلف برطرف:

حضور مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے ساتھ کئی دفعہ سفر کا موقع ملا۔آپ دورانِ سفر ہر بار ہشاش بشاش نظر آئے۔اپنی قد آور شخصیت کو ہمراہیوں پر طاری نہ ہونے دیتے، بلکہ ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے حسب موقع گفتگو فرماتے۔کوئی تاریخی مقام،ادارہ،مسجد اور شہر آتا تو تعارف کرواتے۔اس شہر کی خاص مشہور چیز،فصل یا پھلوں کے بارے میں بتاتے۔نماز کا وقت ہوتا تو ہمیشہ باوضو ہوتے اور فوری باجماعت نماز کا اہتمام کرتے اور مصلائے امامت پر اکثر شرفِ ملت علیہ الرحمہ یا استاذ قبلہ حافظ صاحب کو آگے کرتے۔ دورانِ سفر ہمراہیوں کے ساتھ بے تکلف کھانا، پھل یا ماحضر تناول فرماتے۔

راقم کے کلاس فیلو اور پرانے دوست حافظ افتخار احمد جٹ نے فیروز پور روڈ، قینچی امرسدھو بس سٹاپ پر پودوں کی نرسری بنا رکھی تھی، جہاں مالیوں اور گاہکوں کے بیٹھنے کے لیے لوہے کا ایک بڑا منجا دھب کے موٹے بان سے بنا ہوا پڑا رہتا تھا۔ اس پر بیٹھ کر مالی حقے کے کش لگاتے رہتے تھے۔ ستمبر 2000ء کی ایک دوپہر اڑھائی بجے راقم، حافظ جٹ صاحب اور کئی مالی وغیرہ نرسری میں اسی منجے پر بیٹھے تھے کہ اچانک ایک گاڑی آ کر رُکی اور قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ، بقیۃ السلف مولانا غلام فرید ہزاروی صاحب، استاذ گرامی قبلہ حافظ صاحب اور بھائی محمد سعید صاحب دامت برکاتہم اجمعین گاڑی سے اُتر کر نرسری میں تشریف لے آئے۔ اس آناً فاناً آمد پر ہم نے جلدی سے اٹھ کر استقبال کیا۔ جس ماحول میں بیٹھے تھے کچھ سوجھ بوجھ نہیں رہا تھا کہ آپ کو کہاں بٹھائیں۔ جلدی سے کرسیاں لینے کے لیے دو تین آدمی دوڑائے تو قبلہ مفتی صاحب نے اُن کو واپس بلا لیا اور فرمایا: ''اتنا شاندار منجا جو ہے، کرسیوں کی کیا ضرورت؟'' اس کے ساتھ ہی آپ چار زانوں ہو کر منجے پر بیٹھ گئے۔ باقی اساتذۂ کرام بھی بیٹھ گئے۔ ہماری حالت دیدنی تھی۔ مسکراتے ہوئے فرمایا: ''دیکھ کیا رہے ہو؟ آؤ بیٹھو''۔ ہم جلدی سے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرنا چاہتے تھے۔ برتنوں وغیرہ کے لیے بندہ گھر روانہ کرنے لگے تو فرمایا: ''برتنوں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سامنے فروٹ کی جو سب سے قریب دوکان ہے، اس کے پاس جو فروٹ ہے لے آؤ''۔ مسمی کا موسم تھا۔ دو، تین درجن مسمی فوراً لے آئے۔ اب چھری اور پلیٹیں نہیں تھیں۔ قریب ہی برتنوں اور کیٹرنگ وغیرہ کی دوکان تھی، خود جا کر جلدی سے یہ چیزیں لانا چاہتا تھا کہ بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا اور فرمایا: ''اب مسمیاں کھانے کے لیے چاقو، چھری اور پلیٹوں کی کیا ضرورت ہے؟'' مسکراتے ہوئے فرمایا: ''جو بندہ مسمی بھی بغیر چھری کے نہ کھا سکے اس کا کوئی حال نہیں''۔ آپ ایک مسمی

157

پکڑتے، اُلٹی طرف سے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں سے کھینچ کر دو حصے اور پھر چار حصے کر دیتے اور دیکھتے ہی دیکھتے درجن بھر مسمیاں کھول کر رکھ دیں اور فرمایا: ''مسمی اور کِنّو وغیرہ کھانا تو اس طرح بے حد آسان ہے، سب کھاؤ''۔ آپ 20 منٹ کے اندر سب کو مسمیاں کھلا کر روانہ بھی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تربتِ پُر انوار پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے اور ہمیں آپ کی بے مثال شخصیت کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق سے نوازے۔

محسنِ ملت استاذ العلما مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: مولانا محمد ثاقب افضل رضوی، لاہور

راقم الحروف ۱۴۱۳ھ تا ۱۴۲۳/ 1993ء تا 2001ء علوم اسلامیہ کے عظیم مرکز جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں زیرِ تعلیم رہا۔ روزانہ مسلم مسجد کے بلند مینار کے سائے تلے 27 نمبر ویگن سے اُترتا اور تاریخی لوہاری دروازے سے گزرتا ہوا اپنی مادرِ علمی تک پہنچتا۔ بصارت کمزور ہونے کے باعث لوہاری کے تنگ اور مصروف بازار سے گزرتے ہوئے بڑی دِقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھار کوئی ہم مکتب مل جاتا تو مجھے اپنے ساتھ لے جاتا، ورنہ میں خود ہی آہستہ آہستہ علم دین کی جستجو میں یہ راستہ طے کرتا۔ ایک روز حسبِ معمول اکیلا ہی جامعہ کی طرف جارہا تھا کہ اچانک ایک نرم مگر مضبوط ہاتھ نے میرا بازو تھاما اور ایک شفقت بھری آواز میرے کانوں میں پڑی:

''حافظ جی! سوٹی کول رکھیا کرو۔''

یہ سادہ مگر پُر وقار آواز ہمارے جامعہ کے ناظم اعلیٰ، مخدومِ علماء ومشائخ، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، آپ بہ نفسِ نفیس مجھے جامعہ تک لے آئے۔ بعد ازاں اُن کا یہ بابرکت ساتھ مجھے ایک سے زیادہ مرتبہ ملا۔

یقیناً مجھ جیسے ناتواں طلبا کے لیے جامعہ کے اساتذہ، بالخصوص مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی عنایتیں منزل تک پہنچنے کے لیے بڑا حوصلہ بخشتی تھیں۔ نہ جانے آپ نے کتنے بے کسوں کو اسی طرح سہارا دیا ہوگا اور اُنہیں پستیوں سے نکال کر بلندیوں تک پہنچایا ہوگا۔

وطن عزیز کے مختلف علاقوں سے طلبا حصول علم کے لیے آپ کے پاس پہنچتے تو آپ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اُٹھتا اور آپ اُنھیں خوش آمدید کہتے ہوئے درج ذیل حدیث پر عمل پیرا نظر آتے:

سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَقُولُوا لَهُمْ: مَرْحَبًا مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاقْنُوهُمْ. (ابن ماجه: 247)

ترجمہ: عنقریب تمہارے پاس کافی سارے لوگ علم کی طلب میں حاضر ہوں گے تو جب تم اُن کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی وصیت کے مطابق اُنہیں ''مرحبا مرحبا'' کہنا اور اُنہیں اچھی طرح سے علم سکھانا۔

دورانِ تعلیم مجھے آپ سے درس نظامی کی کتب ''شرح تہذیب''، ''تلخیص المفتاح'' اور ''تعلیم الحکمۃ''، نیز دورۂ حدیث شریف میں ''صحیح مسلم شریف'' اور ''جامع ترمذی شریف'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا طریقۂ تدریس بہت سہل اور دل نشین تھا۔ اہم علمی مباحث اور ائمہ کے دلائل، انتہائی آسان اسلوب میں بیان کر دیتے اور اُنہیں بار بار دہراتے؛ تاکہ طلبا اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ بعض طلبا آپ کے رعب اور جلال کا تذکرہ بھی کرتے لیکن ہمارا تجربہ اس کے برعکس رہا، آپ انتہائی نرمی فرماتے اور دورانِ سبق خوش طبعی بھی فرماتے۔

آپ کا اندازِ گفتگو انتہائی سادہ اور عام فہم تھا، مگر بات با مقصد ہوتی جس سے سامع کی اِصلاح کے کئی دریچے کھلتے۔ جامعہ کے پروگراموں میں جب آپ طلبا سے مخاطب ہوتے تو اُن میں اِس طرح نئے ولولے اور جذبے تقسیم کرتے کہ مایوسی کے بادل چھٹ جاتے۔ سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد وانعامات میں طلبا کی کامیابیوں پر آپ کی خوشی دیدنی ہوتی۔

اس موقع پر آپ انتہائی پُر مغز خطاب فرماتے، جس میں خاص کر فارغ التحصیل ہونے والے طلبا کے لیے راہِ عمل متعین فرماتے اور خیر کی راہوں پر چلنے اور شر کی گھاٹیوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔ آپ کی یہ گفتگو کئی مساجد، مدارس اور روحانی مراکز کی بنیاد بنتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيقَ لِلشَّرِّ، وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيقَ لِلْخَيْرِ، فَطُوبٰى لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيحَ الْخَيْرِ عَلٰى يَدَيْهِ، وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيحَ الشَّرِّ عَلٰى يَدَيْهِ.

(سنن ابن ماجه: 237)

یعنی لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بھلائی کی چابیاں ہیں اور برائی کو بند کرنے والے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو برائی کو پھیلانے والے اور بھلائی کو بند کرنے والے ہیں۔ تو اُس شخص کے لیے بشارت ہو جس کے ہاتھ پر اللہ نے خیر کے دروازے کھولے ہیں اور اس شخص کی بربادی ہو جس کے ہاتھ پر شر کے دروازے کھلے ہیں۔

29 شعبان المعظم ١٣٥٢ھ بمطابق 28 دسمبر 1933ء سے 28 جمادی الاخری ١٤٢٤ھ بمطابق 26 اگست 2003ء تک پھیلی ہوئی آپ کی 71 سالہ حیات مبارکہ خیر پھیلانے اور شر کو روکنے کے لیے وقف تھی۔

ہمارے اُستاذ گرامی شیخ الحدیث علامہ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ نے بڑے احسن انداز میں اُن 71 سالوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آپ نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا، 71 سالہ زندگی میں ابتدائی دس

سال بچپن کے چھوڑ کر بقیہ تمام زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی میں گزاری۔ بارہ سال علوم دینیہ کی تعلیم پر صرف کیے، جب کہ 49 سال تدریس فرمائی۔ 19 سال دورۂ حدیث کی کلاس کو پڑھایا۔''

(مجلّہ النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر، ستمبر اکتوبر 2003، صفحہ نمبر: 74)

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کے مطابق وصال باکمال کے بعد بھی آپ رحمہ اللہ کے اعمال صالحہ کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آپ کے دیگر بے شمار کارہائے خیر کو چھوڑیے، صرف جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کو ہی لے لیجیے! تشنگان علم و فن آج بھی یہاں سے اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ ہزاروں علمائے دین و قرائے کرام و حفاظ ذیشان آپ کی باقیاتِ صالحات کی صورت میں دین کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل ہیں اور روز بروز آپ کی بلندیٔ درجات کا سبب بن رہے ہیں۔

ہیں علم و فن میں تیرے بول بالے — جہاں میں معتبر تیرے حوالے
مِرے فکر و عمل کی تیرگی کو — مٹائیں تیری یادوں کے اُجالے
ترے رُخ کی تبسم ریزیوں نے — کئی طوفان رنج و غم کے ٹالے
بڑی حکمت سے کی مشکل کشائی — بھنور سے بیڑے ملت کے نکالے
ہمیں لا کر درِ احمد رضا پر — دیے انداز جینے کے نرالے
اے ثاقب کے مربی اور محسن — تمہی نے اہل حق کے شیر پالے

اللہ تعالیٰ اربابِ ملت کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مفتیٔ اعظم پاکستان......ایک ہمہ جہت شخصیت

تحریر: مفتی رسول بخش قادری، سندھ

قارئین گرامی! آپ نے ''ہمہ جہت شخصیت'' کا لفظ تو سنا ہی ہوگا، آیئے! آج تصور کی آنکھ سے ایک ''ہمہ جہت شخصیت'' کا نظارہ کیجیے۔

دنیا میں بڑے بڑے منتظم آئے جنہوں نے حسنِ انتظام کے اعلیٰ اور انوکھے نمونے پیش کیے، نامور مدبّر آئے جنہوں نے حسنِ تدبیر سے انقلاب برپا کر دیے، شہرۂ آفاق حکماو فلاسفر آئے جنہوں نے دنیا کو حیران وششدر کر دیا، راہ نمائی کرنے والے علماو معلمین آئے جنہوں نے بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست دکھائی، روحانی پیشوا آئے جنہوں نے دلوں کے گلشن آباد کیے، مگر ایسی شخصیات بہت کم ہیں جو ''ہمہ جہت'' ہوں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ ان شخصیات میں سے تھے، جن میں خالق کائنات تمام خوبیاں جمع کر دیتا ہے۔

وَلَیۡسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسۡتَنۡکَرٍ   أَنۡ یَّجۡمَعَ الۡعَالَمَ فِیۡ وَاحِدٍ

آپ سے متعلق بعض مشاہدات زینتِ قرطاس کرتا ہوں۔

بے پناہ شفقت

1993ء میں فقیر نے گلشنِ علم میں قدم رکھا اور تجوید (سال اول) میں داخلہ کی سعادت سے سرفراز ہوا۔ ایک دن نمازِ مغرب کے بعد جامعہ کی مسجد کی طرف سیڑھیوں پر دست بوسی کا شرف ملا تو آپ نے اتنی شفقت فرمائی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پردیس کا تصور مٹ گیا اور دل نے کہا: ''باپ'' سے بڑھ کر شفیق نگہبان کے زیرِ سایہ

ہوں، پھر آنکھوں نے دیکھا کہ آپ ہر طالب علم کے ساتھ اسی شفقت سے پیش آتے ہیں، طلبہ کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ ماں باپ بھی اولاد کا اتنا خیال نہیں کر پاتے۔ اگر طلبہ کوئی شکایت کرتے تو خود نوٹس لیتے اور حسبِ مراتب سب سے باز پُرس فرماتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسا شفیق دیکھا نہ آپ جیسا سخت۔ آپ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر بھی تھے اور جلالِ مصطفیٰ ﷺ کا عکس بھی۔ طلبہ کے حق میں آپ جیسا خیر خواہ کبھی نہ دیکھا۔

اولاد کی تربیت:

قرآن مجید میں ایسے شخص کے لیے وعید ہے جو علم پر عمل نہیں کرتا۔ آج کے کچھ علما و مشائخ دوسروں کے بچوں کو مدارس کی زینت بنا کر مال و دولت سمیٹتے ہیں لیکن ان کے اپنے بچے کالجوں، یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم سے دُور نظر آتے ہیں۔

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے نہ صرف اپنی اولاد کو پڑھایا بلکہ دوسرے بچوں کی طرح اُن کی تربیت بھی کی۔ فقیر اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا ایک صاحب زادہ ہم سبق تھے۔ ایک دن آپ نے صاحب زادے کو نمازِ ظہر میں نہ دیکھا تو ڈنڈا لے کر جامعہ کے کمرہ نمبر 1 میں تشریف لائے (جہاں وہ سویا ہوا تھا)۔ آپ نے اُس کی خوب تادیب فرمائی اور اپنے کمرے میں لے جا کر اپنے سامنے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔

کثرتِ مطالعہ:

فقیر نے 1993ء سے 2003ء تک آپ کو جب بھی دیکھا تو لکھتے یا مطالعہ کرتے نظر آتے۔ جس دن آپ اپنے خالق سے واصل ہوئے اس دن صبح بجلی نہیں تھی، آپ کتاب لے کر اپنے کمرے کے دروازے پر بیٹھ کر مطالعہ کر رہے تھے۔ میری زبان پر حدیث پاک آئی: ''علم کا حریص کبھی علم سے سیر نہیں ہوتا''۔

حق نے کی ہے دہری خدمت تیرے سپرد

خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

آپ اتنے انہماک سے مطالعہ کرتے کہ سردی، گرمی کی پرواہ نہیں۔ بجلی نہ ہونے اور روشنی وتاریکی کا احساس نہیں۔

جب آپ نے اپنے عمل سے میرے ذہن میں یہ بات راسخ کی کہ ''جب تک کتابوں کا کیڑا نہیں بنو گے کامیاب نہیں ہو سکتے'' تو میں نے بھی آپ سے خیرات لے کر انہماک سے مطالعہ کیا، خصوصاً فقہی جزئیات کے حوالے سے تو مجھے 100% اس مقولہ: **لَذَّةُ الْأَفْكَارِ خَيْرٌ مِنْ لَذَّةِ الْأَبْكَارِ** کی صداقت کا احساس ہوا۔

آپ نے دورۂ حدیث پڑھاتے ہوئے 2003ء میں فرمایا: ''عام آدمی بچ جائے گا کیونکہ وہ خدمتِ دین کا مکلّف نہیں ہے، جبکہ عالم خدمتِ دین کا مکلّف ہے''۔

قلتِ طعام:

صوفیا کے عمدہ اُصول ''قلتِ طعام'' کی آپ عملی تصویر تھے۔ دوپہر کا کھانا کم ہی کھاتے۔ ہر وقت باوضو رہتے، سفر پر جاتے تو باوضو ہوتے اور اسی وضو سے منزلِ مقصود پر اُتر کر نماز ادا فرماتے، جبکہ آپ کے ہم سفر اس دوران دوتین بار طہارت و وضو کرتے۔

جب ہم پوچھتے کہ حضور! آپ کی صحت قابل رشک ہے، تو فرماتے: ''کھانا کم کھاتا ہوں، صبح ایک چپاتی کھاتا ہوں، پھر شام کو کھانا کھاتا ہوں۔'' اور فرماتے: ''لوگ کھا کھا کر مرتے ہیں۔ دو باتیں یاد رکھو: وقت پر کھانا کھانا اور وقت پر قضائے حاجت کرنا۔

آپ نے اپنے قول وفعل سے ہزاروں، لاکھوں بے کار افراد کو قابلِ رشک اور پست ہمت لوگوں کو عزم واستقلال کا پیکر بنادیا۔

عزم واستقلال

لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو نازک پودوں کی طرح ہوتے ہیں، جنہیں تندوتیز ہوا کے جھونکے گرادیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو مضبوط درخت کی طرح ہوتے ہیں، جن کا تندوتیز ہوائیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں لیکن وہ سیلابوں اور طوفانوں کی تاب نہیں لاسکتے اور جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ تیسرے وہ جو مضبوط پہاڑوں اور کوہِ ہمالیہ کی طرح ہوتے ہیں، جنہیں ہلاکت خیز سیلاب بھی اُن کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتے، تہ وبالا کرنے والے طوفان ان سے ٹکرا کر ندامت سے سر جھکائے واپس ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ تیسری قسم کے لوگوں میں سے تھے، ہلاکت خیز طوفانوں نے آپ سے سر ٹکرایا اور اپنا سر پھوڑ کر پسپا ہو گئے، بلا خیز آندھیوں نے آپ کو آزمایا اور شرمندگی کے ساتھ اعتراف شکست کیا۔

6 ستمبر 2002ء کو سبق کے بعد اُن طلبہ کا تذکرہ ہوا جو مساجد میں ائمہ تھے۔ فرمایا: پہلے طالب علم مسجد اس لیے تلاش کرتے کہ تنہائی میں مطالعہ کریں؛ کیونکہ مدرسہ میں بعض طلبہ گپیں لگاتے ہیں، شور کرتے ہیں۔ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: شروع میں دوتین طلبہ میرے ساتھ شریکِ درس تھے، لیکن چھٹے سال اور اس کے بعد اکثر تعلیم ''اکیلے'' حاصل کی۔ پانچ اسباق کا مطالعہ کرتا اور سید صاحب علیہ الرحمہ سے ایک گھنٹا لیا ہوا تھا، اپنے وقت پر کتابیں لے جاتا اور سارے اسباق خود بیان کرتا اگر کہیں غلطی ہوتی تو اصلاح فرماتے۔

مزید فرمایا: ایک بار رات کو دیر تک مطالعہ کیا تو صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ جلدی سے وضو کیا، جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ سید صاحب نے سلام پھیر دیا۔ سید

صاحب دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دائیں طرف کے طلبا کو دیکھ لیتے اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے بائیں طرف کے طلبا کو دیکھ لیتے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ میں جماعت میں شریک نہیں ہوا ہوں۔ وہاں قانون تھا کہ جو لڑکا جماعت میں شریک نہ ہوتا، چھ ماہ تک اُسے جامعہ کے لنگر سے روٹی نہ ملتی۔ قانون کے مطابق میری روٹی بند ہوگئی، طریقہ یہ تھا کہ معافی مانگے تو روٹی جاری ہوگی ورنہ نہیں۔ میں نے بچگانہ حرکت کرتے ہوئے معافی نہیں مانگی (کہ میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا لڑکا ہوں، پڑھتے پڑھتے دیر ہوگئی اور آنکھ دیر سے کھلی، معمولی کوتاہی سے درگزر کرنا چاہیے تھا)۔ چنانچہ چھ ماہ روٹی بند رہی۔ پھر کبھی ساتھیوں سے مل کر کھالیتا یا ان کے بچے ہوئے ٹکڑے کھا کر گزارہ کرتا اور کبھی نہ بچتا تو بھوکا رہتا...... آئندہ سال روٹی جاری ہوئی، لیکن میں سید صاحب کے پاس اسی طرح پڑھتا رہا اور پہلے کی طرح ان کی محفل میں جاتا رہا۔

اندازہ کیجئے! جو بچپن میں اتنا جفاکش اور صاحبِ استقامت ہو اس کا شباب اور جوبن میں کیا عالم ہوگا۔

حوصلہ افزائی:

یہ حقیقت ہے کہ حوصلہ افزائی سے ناکارہ اشخاص بھی کارآمد بن جاتے ہیں اور تحقیر وتذلیل سے باصلاحیت لوگ بھی ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ کسی آدمی کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کرنے کے لیے اس پر نکتہ چینی سے بری کوئی چیز نہیں۔ ستم یہ کہ بعض مدرسین تو پڑھنے والے محنتی طلبہ کی تحقیر زیادہ محبوب سمجھتے ہیں، نتیجۃً وہ طلبہ پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ممکن ہے پہلے زمانہ میں یہ طریقہ کارآمد ثابت ہوا ہو، لیکن آج طبیعتیں مختلف ہو چکی ہیں۔

اندازِ تدریس:

قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے ہمیں درجہ ثالثہ سے دورہ حدیث شریف تک پڑھایا۔ آپ کی تدریس کا انداز نرالا تھا۔ پہلے کتاب اور فن کی خوبیاں اور فوائد بتاتے تاکہ طلبہ شوق سے پڑھیں اور دورانِ درس اپنے یا بزرگوں کے ایسے واقعات بتاتے جن سے اس فن کی اہمیت کو چار چاند لگ جاتے۔

طریقۂ تدریس یہ تھا کہ پہلے تقریر فرماتے، پھر تقریر منطبق کرتے ہوئے تحت اللفظ ترجمہ فرماتے۔ دورانِ ترجمہ مشکل مقام آنے کی صورت میں دوبارہ وہ مقام سمجھاتے ہوئے تقریر کا خلاصہ بیان کرتے۔ کچھ اساتذہ پہلے سے پڑھی ہوئی بات کے بارے میں کہتے ہیں: ''آپ پڑھ چکے ہیں، آپ جانتے ہیں''۔ لیکن مفتی صاحب کی خوبی تھی کہ وہ ضروری خارجی بحث بھی بیان کرتے، تاکہ مشکل بات، بحث بار بار سننے سے راسخ ہو جائے۔

آپ فرماتے: ہر فن کی ایک ایک کتاب یاد کرلو۔ یہی وجہ تھی کہ ہر فن کی ابتدائی کتاب خوب سمجھا کر پڑھاتے اور باقی کتابیں بیان کرواتے۔ ہر سبق میں ایک مرکزی نکتہ متعین کرتے اور فرماتے کہ آج کے سبق میں اس پر بحث ہوگی، پھر چند لفظوں میں پورے سبق کا خلاصہ بیان فرماتے جس سے سبق سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔

آپ کی انفرادی توجہ کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی کلاس جانے کے بعد مجھے روک لیتے اور پوچھتے: سبق سمجھ آیا؟ اگر کمی محسوس کرتے تو اکیلے کو بھی بڑی شفقت سے سمجھاتے۔ ہم ساتھی کہتے تھے: اگر مفتی صاحب سلم العلوم کی اُردو شرح لکھیں تو بہت اچھا ہوگا۔ فقیر نے قبلہ ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ قصوری علیہ الرحمہ سے عرض کی کہ آپ ہماری سفارش کریں کہ مفتی صاحب سلم العلوم کی اردو شرح لکھیں لیکن...... آپ علیہ الرحمہ اُردو شروحات کے مخالف تھے۔

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ فرماتے: سب سے آسان فن منطق ہے؛ کیونکہ اول سے آخر تک ایک ہی جیسے قوانین ہیں، انہیں یاد کرلو (حالانکہ طلبہ منطق کو مشکل سمجھتے ہیں)۔

فقیہ اعظم ومحدث اعظم:

راقم نے مختلف مدارس میں درس حدیث سنے اور کتبِ احادیث پڑھیں، لیکن جتنا تبحر علمی قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ میں نظر آیا دوسرے مقامات پر اس کی معمولی جھلک دیکھی۔

مناظر اسلام علامہ محمد عبدالتواب صدیقی علیہ الرحمہ فرماتے: **قال ابو عیسیٰ** سے مفتی صاحب جتنے مسائل بیان کرتے ہیں، پھر اس پر جس طرح بحث کرتے ہیں...... شاید امام ترمذی علیہ الرحمہ کو لکھتے وقت اتنے مسائل مستحضر نہ ہوں۔

کچھ فقہی مسائل ایسے تھے جو مجھے سمجھ میں نہ آتے۔ قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ دورۂ حدیث پڑھاتے ہوئے مسائل پر اس طرح بحث فرماتے کہ کافی حد تک مشکل دور ہوگئی۔ ایک مسئلہ جو پریشان رکھتا تھا کہ ہمارے ہاں باغ پھل نکلنے سے پہلے ہی ٹھیکے پر دے دیے جاتے ہیں، جو فقہا کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن آپ نے ایسا جزئیہ بتایا جس سے جواز کی صورت نکل آئی۔ اس سے قوتِ اجتہاد کا بھی پتا چلتا ہے۔

سائل: پھل نکلنے سے پہلے باغ ٹھیکے پر دیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ مفتی صاحب: جائز ہے۔ سائل: فقہا اِسے ناجائز کہتے ہیں۔ مفتی صاحب: تُو عرف سے جاہل ہے، اس میں زمین بھی لی جاتی ہے۔ سائل: نہیں زمین مالک کے پاس ہوتی ہے اور وہ اس میں کاشتکاری کرتا ہے۔ مفتی صاحب: ساری زمین میں کاشتکاری کرتا ہے؟ سائل: ہاں۔ مفتی صاحب: اس زمین میں بھی جو خاص درخت کے لیے ہوتی ہے؟ سائل: نہیں۔ مفتی صاحب: وہ خاص زمین ٹھیکہ

پر دی جاتی ہے جس میں درخت ہوتا ہے، اب زمین کا ٹھیکہ ہوا نہ کہ درخت کا اور یہ جائز ہے۔

جب احادیث میں جنگلی اشیا کا ذکر آتا تو وہ بوٹی وغیرہ علامات کے ساتھ نام بھی بتاتے، جس سے معلوم ہوتا کہ آپ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جنگلی اشیا کی بھی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مویشیوں کا ذکر آتا تو آپ ان کی علامات بتاتے اور حکم فرماتے کہ دیہات، جنگلی اشیا اور چرند پرند کی عادات کو دیکھ کر تمہیں احادیث سمجھ آئیں گی۔

میں ایسے ہی رہوں گا:

قبلہ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کو جس طرح پہلے دن سنت کے مطابق (وقت بچانے کی نیت سے) تیز چلتے ہوئے دیکھا، آخری دن تک اس رفتار میں کمی نہ آئی، جو کام دوسرے لوگ مہینوں میں انجام دیتے، آپ وہی کام چند دنوں میں کرتے۔

آپ فرماتے: لوگ کہتے ہیں: مفتی صاحب! آپ بوڑھے نہیں ہوتے؟ لوگ بوڑھے ہوکر کام چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آپ کے کاموں میں کمی تو کجا، ترقی ہی ہوتی جارہی رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں کہتا ہوں: ''میں ایسے ہی رہوں گا۔'' حدیث شریف پڑھاتے ہوئے وصال سے چند دن پہلے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے درجے بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کا طرزِ استدلال

تحریر: مفتی محمد تصدق حسین رضوی، المرکز الاسلامی، لاہور

ہر انسان کسی مقصد کے تحت اپنی زندگی کی راہیں متعین کرتا ہے، لوگوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں، کوئی اس زندگی میں عیش وعشرت کا دلدادہ ہے، کسی کو منصب یا عہدہ عزیز ہے، کوئی کسی لیڈر کے قرب کو عروج تصور کیے ہوئے ہے اور کسی کے ہاں دنیوی منفعت ہی سب سے بڑا معیار ہے، مگر خوش بخت ہیں وہ افراد جنہوں نے حصولِ علم اور ترویج دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور خدمتِ دین میں اپنی زندگی گزار دی۔

زندگی بھر قرآن وسنت کی اشاعت، خدمتِ دین متین اور لوگوں کے قلوب واذہان کو عشق رسول ﷺ سے معطر ومنور کرنے والوں میں سید العلما، سند المدرسین، زبدۃ الاولیا مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا نام جلی حروف میں نظر آتا ہے۔

چاند کی مانند چمکتا چہرہ، فراستِ دین کی حامل دُور بین آنکھیں، عبادت وریاضت کی نشانی دمکتی پیشانی، اتباعِ سنت کا گواہ عمامہ مبارک، کانوں میں رس گھولتا شیریں لہجہ، جرأت و ہمت کا کوہِ گراں، علم وعمل کا حسین امتزاج، زہد وتقوی اور عزم واستقامت کا عظیم استعارہ، خوشامد سے کوسوں دُور، عمل پیہم کی زندہ مثال، حلقۂ یاراں میں ریشم کی سی نرمی اور رزمِ حق و باطل میں فولادی قوت کے ساتھ ٹکرا جانے کا عزم، لاکھوں دلوں میں محبتِ رسول ﷺ کی لذت وچاشنی پیدا کرنے والی شخصیت کو دنیا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کے نام سے جانتی ہے۔

آپ بہترین منتظم، محقق ومدرس اور بلا کے ذہین تھے۔ خالق کائنات نے آپ کو قوتِ استدلال کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا۔ آپ آیات واحادیث سے اچھوتا اور منفرد استدلال ونکات آفرینی فرماتے۔ ذیل میں آپ کے طرزِ استدلال کی تین مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

علومِ دینیہ اصل مقصود ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. (البقرہ:189) ''تم سے نئے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، تم فرمادو: وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے۔''

مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ فرماتے: کسی شے کی حقیقت وماہیت کو ''لِم'' کہا جاتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے اور نتیجے کو ''اِن'' کہتے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سوال چاند کی حقیقت وماہیت کے متعلق کیا گیا...... کہ چاند گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟ آیتِ کریمہ میں اس کا جو جواب ارشاد فرمایا گیا وہ چاند کی حقیقت کے متعلق نہیں، بلکہ اس سے حاصل ہونے والے فائدے وقت کے متعلق ہے۔

آپ اس سے استدلال فرماتے کہ علم دین ہی اصل ہے، سائنسی علوم محض حظِ نفس ہیں، لہٰذا انسان کو توجہ اصل علم کی طرف ہی مرکوز رکھنی چاہیے؛ کیونکہ بہت سارے سائنسدان ٹیکنالوجی کے ذریعے اشیا کی حقیقت وماہیت تک تو پہنچے، لیکن نتائج وفوائد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ تمام اشیا مظاہرِ قدرت ہیں، یہ چیزیں خالقِ کائنات کی صناعی کا پتا دیتی ہیں اور اور معرفتِ الٰہیہ کا ذریعہ ہیں۔ سائنسدان چیزوں کی حقیقت وماہیت تو تلاش کرتے رہے، لیکن اسلام کی حسین نعمت ودولت سے محروم رہے، جو اصل نتیجہ وفائدہ ہے اور مسلمان دامنِ رسولِ کریم ﷺ سے وابستہ ہو کر فوز وفلاح پا گئے، تو اصل کامیابی نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہے۔

اہلِ سنت دجال کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے:

ترمذی شریف میں فتنۂ دجال کے متعلق ایک طویل حدیث پاک کا خلاصہ ہے:

دجال زمین میں تیزی سے چکر لگائے گا، جو اُس کا انکار کریں گے اُن کے اموال بھی اس کے ساتھ چلے جائیں گے اور اُن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا اور جو اس کی تصدیق کریں گے دجال کے کہنے پر آسمان اُن پر بارش برسائے گا اور زمین پھل اُگائے گی اور اُن کے جانور خوب چریں گے اور دودھ دیں گے۔ دجال کے کہنے پر زمین سے خزانے نکلیں گے۔ نیز وہ مردہ کو بھی زندہ کرے گا۔

(جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی فتنۃ الدجال)

حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ دجال کے خوارقِ عادت کاموں کو بیان کر کے فرماتے: جب دجال ظاہر ہوگا تو گمراہ فرقے فوراً اُس کے دامِ فریب میں آجائیں گے، اہل سنت و جماعت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے فضل سے فتنۂ دجال سے محفوظ رہیں گے۔

اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے: دجال بارش برسائے گا، مردہ زندہ کرے گا اور الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ یہ لوگ بطورِ کرامت اِن خوارق کا انکار کرتے ہیں، انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام کے اختیار و تصرف کو شرک تصور کرتے ہیں، ہر وقت صاحبِ عظمت لوگوں کی عیب جوئی میں مصروف رہتے ہیں اور اہل اللہ سے لوگوں کا رابطہ ختم کرنے کے لیے ہر وقت رٹ لگائے رکھتے ہیں: ''سب کچھ اللہ ہی کرسکتا ہے اور کوئی بھی کچھ بھی نہیں کرسکتا''۔ دجال جب ظاہر ہو کر یہ خوارقِ عادت سر انجام دے گا اور دعوائے الوہیت کرے گا تو یہ فوراً اُس کے فریب کا شکار ہوجائیں گے کہ یہ کام اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا اور یہ وہ کام کر کے دکھا رہا ہے، لہٰذا اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اہل سنت جب دجال کے مافوق الفطرت امور کو دیکھیں گے تو اُسے کرامت تصور کریں گے، لیکن جب دجال کا دعوائے الوہیت سامنے آئے گا تو وہ اس فتنہ سے آگاہ ہوجائیں گے؛ کیونکہ صاحبِ کرامت

کے لیے مسلمان ہونا اور پابندِ شریعت ہونا لازم ہے اور یہ دعوائے الوہیت کر کے کافر ہو چکا۔ وہ جان جائیں گے اس کے کفر کی وجہ سے اس کی ہر بات باطل ہے۔

درود و سلام...... وصال کی ایک صورت ہے:

تلخیص المفتاح وغیرہ میں ''تتابعِ اضافات'' کی مثال میں یہ شعر درج ہے:

حَمَامَةَ جَرْعٰی حَوْمَةِ الْجَنْدَلِ اسْجَعِیْ

فَأَنْتِ بِمَرْأی مِنْ سُعَادَ وَمَسْمَعِ

اکثر شارحین نے تشریح یہ کی کہ جب کبوتری گائے گی تو ''سعاد'' اُس کی آواز سن کر اور کبوتری کو دیکھ کر خوش ہوگی اور محبوبہ کی اِس خوشی سے شاعر کو تسکینِ قلب حاصل ہوگی۔

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ اسے وصال کی ایک قسم قرار دیتے اور فرماتے کہ جب **حومۃ الجندل** کی چوٹی پر کبوتری گائے گی تو اس کی آواز سن کر شاعر کی محبوبہ سعاد اس کبوتری کو دیکھے گی اور دوسری طرف سے شاعر بھی اِس کبوتری کو دیکھ رہا ہوگا تو دونوں کی نظر ایک جگہ ہوگی اور نظریں آپس میں مل جائیں گی اور نظروں کا ملنا بھی وصال ہی کہلاتا ہے۔

آپ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے: جب عشقِ مجازی میں یہ وصال تسکینِ قلب کا سامان مہیا کرتا ہے تو جو مسلمان نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں درود و سلام کے نذرانے پیش کرتا ہے، نعتیہ کلام پڑھتا ہے اور امام الانبیا ﷺ کے تذکار سے اپنی محفل کو بارونق بناتا ہے تو حضور سید عالم ﷺ کی نگاہِ عنایت سے اُمتی کو روحانی لذت و آشنائی حاصل ہوتی ہے اور اسے حضور سید العالمین ﷺ کے قرب میں جگہ حاصل ہوتی ہے اور مسلمان کی متاعِ حیات ہی محبتِ رسول ﷺ ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان ...... چند تربیتی اُمور

ترتیب: مولانا ابورافع محمد شفاقت علی قادری، شیخوپورہ

جب ماحول میں تیری کمی محسوس کرتا ہوں
کھلی آنکھوں کے پردے میں نمی محسوس کرتا ہوں

دنیا کا یہی دستور ہے، وقت کا یہی چلن ہے، کسی کو دوسرے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ لوگ اپنی زندگی گزارنے میں اتنے مصروف ہیں کہ کوئی جیے یا مرے، عمومی طور پر کسی کے ہونے اور نہ ہونے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیتا، لیکن کچھ لوگ منفرد ہوتے ہیں، وہ اس دنیا سے چلے بھی جائیں تو اپنی حسین یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ہوں تو نگاہوں کا مرکز ہوتے ہیں، نہ ہوں تو ان کی یادیں دل و دماغ معطر کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ مفتیٔ اعظم پاکستان قدس سرہ العزیز بھی ایک ایسی ہی باکمال شخصیت تھے۔ علم کے اعتبار سے بہت ہی تن آور شجر، کمال کے مدرس و محقق، اعلیٰ درجہ کے مصلح، پایہ کے مصنف، بہترین مدبر اور عظیم منتظم تھے۔

☆ آپ علیہ الرحمہ وقت کے پابند اور وقت کی پابندی کروانے میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ بقول برادرِ اصغر مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ مولانا حافظ محمد عبدالرحیم ہزاروی مدظلہ، ایک مرتبہ قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعہ مبارک کے دن جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ تشریف لائے۔ جمعہ شریف کا وقت مقرر 1:45 تھا۔ خطیب صاحب نے 1:47 پر جماعت کھڑی کی۔ نمازِ جمعہ کے بعد قبلہ مفتی صاحب نے خطیب کو فرمایا: ''لوگوں کا وقت بہت قیمتی ہے، مقرر وقت سے تجاوز نہ کیا کریں۔''

☆ ہر لمحہ شریعت کے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے گزارتے اور اگر کسی کو شریعت کے

خلاف دیکھتے تو فوراً اصلاح فرماتے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے بھتیجے مولانا عبدالرؤف صاحب کہتے ہیں: ایک دن قبلہ مفتی صاحب ہمارے گھر تشریف لائے تو میری والدہ صاحبہ نے وضو کیا، ازاں بعد بے توجہی میں ان کی کلائیوں کا کپڑا تھوڑا سا اوپر رہ گیا۔ مفتی صاحب فرمانے لگے: ''بی بی! کلائیوں کے کپڑے اوپر ہیں، ان کو نیچے کرو، یہ شریعت میں جائز نہیں ہے۔''

☆ نماز کے بارے میں بڑی تلقین فرماتے خصوصا اپنی اولاد کو اور اپنے خاندان والوں کو، اکثر اپنے شہزادوں سے پوچھتے اور نماز پر گواہ طلب کرتے کہ کوئی گواہ ہے جس کے سامنے تم نے نماز پڑھی ہو؟

☆ قبلہ مفتی صاحب مطالعہ کے ٹائم کسی کو اپنے قریب نہ آنے دیتے۔ مولانا غلام فرید ہزاروی صاحب مسلسل چار پانچ دن ہر روز نمازِ مغرب کے بعد قبلہ مفتی صاحب کے پاس تشریف لے جاتے رہے، ایک دن مفتی صاحب نے فرمایا آپ روزانہ کیا لینے آتے ہیں میرے پاس، میں نے مطالعہ بھی کرنا ہوتا ہے۔

☆ قبلہ مفتی صاحب کا لباس سادہ اور سفید ہوتا۔ سفر کرنا ہوتا تو گاڑی کا کوئی خاص اہتمام نہ کرتے، خصوصاً جب اکیلے جانا ہوتا تو عام گاڑیوں میں سفر کرتے جامعہ کی ایک بڑی گاڑی ہونے کے باوجود پھر بھی اکیلے عام گاڑی میں سفر کرتے۔

☆ مدرسے کے معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے، خصوصاً ہفتے میں دو مرتبہ شیخوپورہ میں تشریف لاتے۔ جب لاہور سے شیخوپورہ پہنچتے تو گاڑی سے اترتے ہی جامعہ کے باہر سے چکر لگاتے۔ اگر کوئی چیز بھی انجانے میں باہر گری ہوتی تو اس کو جامعہ کے اندر کرا دیتے۔

☆ انچارج شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ فرماتے ہیں: جب بھی قبلہ مفتی

صاحب جامعہ نظامیہ، شیخوپورہ میں تشریف لاتے تو طلبا کو بلا کر پوچھتے: بیٹا! آپ کو جامعہ میں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟ پھر ان سے کلاس کا پوچھتے جس کلاس کا طالب علم ہوتا اس سے اُس طرح کا سوال پوچھتے، وہ جواب اگر درست دیتا تو اس کو انعام بھی عطا فرماتے۔ پھر اساتذہ کو بلا کر اُن کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے اور اکثر اساتذہ کو بھی انعام عطا فرماتے۔

☆ ایک مرتبہ قبلہ مفتی صاحب نے نمازِ ظہر باجماعت جامعہ شیخوپورہ میں ادا فرمائی، نماز مکمل فرمانے کے بعد فرمانے لگے فلاں فلاں استاذ نماز میں نہیں ہے، ان کو بلاؤ۔ جب ان اساتذہ کو بلایا گیا تو پوچھا: جناب! آپ نماز جماعت کے ساتھ کیوں ادا نہیں کرتے؟ ایک استاذ صاحب نے عرض کی: حضور! میں نے گھر میں نماز پڑھی ہے، مفتی نے فرمایا: جناب! ان بچوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ آپ نے نماز گھر میں پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کی: نماز اللہ کے لیے پڑھنی ہے یا ان بچوں کے لیے؟ تو قبلہ مفتی صاحب فرمانے لگے: مسجد میں باجماعت نماز جو آپ نے پڑھنی ہے وہ نظام کی نماز ہے، بقیہ نماز گھر ادا کر لیا کریں۔ اس طرح بچوں کی تربیت ہوتی ہے۔ قبلہ مفتی صاحب نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے، گھر میں اگر مہمان تشریف لاتے تو ان کو بھی جماعت کے ساتھ نماز کی تلقین فرماتے۔

☆ قبلہ مفتی صاحب کا سادہ کھانا اور تھوڑا اور وقت پر ہوتا۔ سفر میں بہت کم گفتگو فرماتے۔ حقوق العباد میں بڑے مضبوط تھے۔ غریب سے غریب رشتہ دار بھی دعوت پر بلاتا تو دعوت کو قبول فرماتے اور وہاں تشریف بھی لے جاتے۔ خاندان والے خوش ہو جاتے کہ ہمارے خاندان کا وقار آ گئے ہیں ہمارے خاندان کا حسن آ گئے ہیں۔

آج تم یاد بے حساب آئے

(مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی یادوں کے اُجالے)

تحریر: مولانا محمد طاہر عزیز باروی، ناروے

جن کے سائے میں کبھی بیٹھ کے ستایا تھا
وہ گھنے پیڑ مری راہ گذر چھوڑ گئے

18 سال پہلے کی، 26 اگست، کی اداسی سے معمور شام کبھی نہیں بھول سکتا، اپنے ہم درس طلبا کے ساتھ عشا کی نماز کے وقت جامعہ نظامیہ، لاہور کے مرکزی دروازے پر اس انتظار میں کھڑا تھا کہ دروازہ کھلے اور اندر جائیں؛ کیونکہ نماز کے وقت جامعہ کا صدر دروازہ بند کر دیا جاتا ہے......اسی انتظار میں تھا کہ اچانک قبلہ استاذ گرامی، علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ العالی بھی وہاں آ گئے، زمانہ طالب علمی تھا، اساتذہ کا احترام بھی حرزِ جاں تھا اور استاذ قبلہ حافظ صاحب کا رعب و دبدبہ بھی......ان کو دیکھا تو فوراً یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ابھی جواب طلبی ہوگی کہ نماز کے وقت تم لوگ یہاں کیوں؟ مگر آج خلافِ معمول اُن کی طبیعت میں خاموشی بھی تھی اور چہرے پر اُداسی کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے......تشریف لائے تو اسی جگہ، ساکت و جامد، بند دروازے کے باہر رک گئے......حالانکہ ان کے پاس دروازے کی چابی بھی ہوتی تھی......یا خدا خیر ہو! اُن کی جانب نظر اٹھی تو آنکھوں سے ٹپکتا پانی صاف کرتے دکھائی دیے......تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان انتقال کر گئے۔

زندگی کس طرح کٹے گی سیفؔ   رات کٹتی نظر نہیں آتی

جیسے ہی خبر عام ہوئی پلک جھپکتے ہی ایک کہرام سا مچ گیا۔ میں نے بچشم خود طلبا کو ایک دوسرے سے گلے لگ کر روتے دیکھا۔ حالاں کہ میرا لاشعوری دور اور جامعہ نظامیہ میں اس وقت ابتدائی درجات یعنی فارسی اور صَرف میں پڑھتا تھا، مگر اچانک اس خبر نے اس قدر غمگین کر دیا کہ اس کا احساس آج بھی تازہ ہے۔ بقول لیونارڈ کوہن (Leonard cohen)

his death on my breast is harder than stone.

اور یہ اُن کی پُرکشش شخصیت کا کمال تھا کہ جس نے ایک لمحہ اُن کے ساتھ گذارا وہ اسی کیفیت کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہے۔

مفتی صاحب قبلہ اپنی ذات میں علم وفن اور فکر واخلاص کی ایک عظیم درس گاہ تھے۔ انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی میں عزم، للّٰہیت، اخلاص، مستقل مزاجی، مستعدی، دین کی خاطر جاں فشانی اور فکر وشعور کے وہ حسین اور اَنمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو کسی بھی دین کے مخلص کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

استاذ گرامی علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ العالی کی تحقیق کے مطابق مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی عمر مبارک 70 سال، 7 ماہ، 29 دن تھی، بچپن کے ابتدائی نو (9) سال نکال کے بقیہ تقریباً 61 سال برس علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم میں بسر ہوئے۔

ما زنده به آنیم که آرام نگیریم
موجیم که آسودگی ما عدم است

☆ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ خدمتِ دین کے لیے صرف کیا، جس کا منہ بولتا ثبوت اُن کی ہمہ جہت خدمات ہیں۔ خدمت دین کا کوئی ایک بھی شعبہ ایسا نہیں جس میں انہوں نے قابلِ رشک کام نہ کیا ہو...... ملکی وملی خدمات اس کے علاوہ

ہیں...... وطن عزیز پاکستان سے تو محبت آپ کے انگ انگ میں رچی بسی تھی۔

اپنی خود نوشت میں رقم طراز ہیں کہ جب ہم جینڈھڑ شریف (گجرات، پاکستان) میں زیرِ تعلیم تھے تو ان دنوں پاکستان کی تحریک عروج پر تھی، ہم طلبا اسباق سے فراغت کے بعد محلے کی گلیوں میں دوڑتے اور نعرے لگاتے: ''لے کے رہیں گے پاکستان...... بن کے رہے گا پاکستان...... پاکستان کا مطلب کیا؟...... لا الہ الا اللہ...... دستورِ ریاست کیا ہوگا؟ محمد رسول اللہ ﷺ''۔ اگرچہ اب ایک سوچی سمجھی سازش کہیے یا عدم توجہ، بہر حال ''پاکستان کا مطلب کیا...... لا الہ الا اللہ'' ہم نے یہاں تک اسے محدود کر دیا، اگر یہ پورا نعرہ لکھا پڑھا جاتا تو یہ تاریخی دیانت بھی ہوتی اور دستورِ ریاست کا تعین بھی۔

ویسے بھی آج کل ''پاکستان کا مطلب کیا؟'' کا جواب ہم نے بہت عجیب طے کر لیا ہے۔ یہ کوئی 1996ء یا 1997ء کی بات ہے، اپنے آبائی علاقے کے ایک مقامی اسکول میں کسی نے نعرۂ تکبیر ورسالت کے بعد ''پاکستان کا مطلب کیا؟'' کا نعرہ بلند کیا تو کسی سر پھرے نے جواب دیا: ''جو کجھ لبھی جیب اِچ پا'' (جو کچھ ملے جیب میں ڈال)۔ تب تو یہ ایک مزاحیہ چٹکلا سا بن گیا، مگر اب موجودہ ملکی صورت حال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ جس کی زبان سے وہ جملہ نکلا تھا وہ کوئی صاحبِ بصیرت آدمی تھا کہ جس نے مستقبل کا نقشہ ہی اپنے جوابی نعرے میں کھینچ کے رکھ دیا۔

☆ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ دین کے کام میں پیش آمدہ جملہ مصائب اور پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی تلقین فرماتے۔ جامعہ کے سالانہ جلسے کے موقع پر اپنی گفتگو میں خود کو پیش آنے والے مصائب کا ذکر کرتے اور فرماتے: کئی بار ایسا ہوا کہ رات کو خالی ہاتھ ہوتا اور آنے والے دن طلبہ کی خوراک کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن

صبح ہونے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف سے ایسا حیران کن انتظام ہوجاتا کہ بے اختیار بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوجاتا۔

نامور محقق علامہ حافظ محمد سعد اللہ جامعہ نظامیہ کے ختم بخاری، ستمبر 2002ء، میں شرکت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''مفتی صاحب نے طلبہ، علمائے دین اور ائمہ وخطبائے مساجد کو دین کے راستے میں پہنچنے والی مشکلات، خلافِ مزاج باتوں اور ہر طرح کی پریشانیوں پر صبر اور ہمت و حوصلے کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ جب تم بفحوائے حدیث نبوی، نبی اکرم ﷺ کے علمی وارث ہو تو رسول اکرم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی کو بھی سامنے رکھو۔ دین کے راستے میں مشکلات آئیں گی اور یہ مشکلات، طنز وتشنیع کی باتیں صرف تمہیں پیش نہیں آتیں، آج سے چودہ سو سال قبل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی، کوفہ کے گورنر اور جامع کوفہ کے امام کو بھی پیش آچکی ہیں۔ (النظامیہ، مفتیٔ اعظم نمبر، 2003ء)

☆ ہر انسان کی زندگی میں اُس کے منصوبوں کی تکمیل ضروری نہیں، مگر ہمارے ممدوح گرامی اپنی خدمات کا ثمر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

☆ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو اپنے طلبا وتلامذہ پر اور تلامذہ کو ان کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ ان کے طلبا ہی ان کی پہلی اور آخری محبت اور مان تھے، ظاہری زندگی کا معاملہ تو کجا وہ بعد از وصال بھی اپنے طلبا سے غافل نہیں ہیں۔

یوں میری یاد میں محفوظ ہیں تیرے خدوخال
جس طرح دل میں کسی شے کی تمنا ہونا

1988ء میں برطانیہ کے دورے پر تشریف لے گئے تو وہاں پیر طریقت جناب پیر معروف حسین شاہ صاحب نے انٹرنیشنل یونیورسٹی کے کثیر تعداد میں عربی، اُردو جاننے والے پروفیسرز کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ تقریب میں اُنھوں نے ''فتاوی رضویہ'' دیکھا تو کہنے لگے: اس کی ایک ایک جلد پر پی ایچ ڈی ہوسکتی ہے۔ انھوں نے پوچھا: یہ کام آپ کے اساتذہ کر رہے ہیں؟ تو مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''یہ کام ہمارے اساتذہ نہیں، طلبا کرتے ہیں۔'' (سوئے حجاز، انٹرویو از ادیب شہیر ملک محبوب الرسول قادری)

برادر گرامی علامہ محمد حبیب احمد سعیدی (مدرسہ نور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) قبلہ مفتی صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں، اِنھوں نے آپ کے ہمراہ کئی اسفار کا موقع بھی پایا اور کبھی کبھی...... جب آپ کی طبیعت ہوتی، دوپہر کو جامعہ کے لنگر سے قبلہ مفتی صاحب کو کھانا بھی کھلاتے...... وہی عام لنگر طلبا والا اور ساتھ ہری مرچ، یہ آپ کا پسندیدہ کھانا تھا۔ سعیدی صاحب بتاتے ہیں دورانِ سفر جگہ دینے وغیرہ کے معاملے میں آپ طلبا کو ترجیح دیتے اور فرماتے: ''مولانا! آپ تشریف رکھیں۔'' ایک بار فیصل آباد سے واپسی پر بس میں مجھے سیٹ پر بٹھایا اور خود پورا راستہ کھڑے ہوکر سفر کیا۔ ان کے طلبا بھی ان پر جان چھڑکتے اور ایک شیخ کا درجہ انہیں دیتے تھے۔

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم میں
جن کو تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

استاذ گرامی شیخ الحدیث علامہ ڈاکٹر فضل حنان سعیدی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) قبلہ مفتی صاحب کے وصال سے تا حال جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں ''جامع ترمذی شریف'' کی تدریس فرما رہے ہیں۔ گذشتہ برس ناروے تشریف لائے تو برادرِ گرامی

زینت القرا علامہ قاری عامر خان صاحب کے ہاں اہل سنت امام کونسل ناروے کے معزز علما وارا کین کے ساتھ کھانے کی نشست پر یہ بات سنائی:

میں نے ایک بار کسی بات سے دل برداشتہ ہو کر جامعہ سے استعفا دے دیا، کئی دوستوں نے اس فیصلے پر نظر ثانی کا کہا، مگر میرا یہ پکا فیصلہ تھا کہ اب تدریس نہیں کرنی، اس فیصلے سے ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، علامہ صاحب زادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی کو مطلع بھی کر دیا اور انہی دنوں میں انگلینڈ تراویح سنانے کے لیے چلا گیا۔ انگلینڈ میں ہی ایک دن خواب دیکھا کہ میں جامعہ نظامیہ کی مسجد میں ہوں اور مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ تشریف لائے...... آتے ہی سلام دعا کے بعد میری خیریت دریافت کی اور فرمایا: ''فضل حنان! تم نے اِس سال ترمذی شریف پڑھانی ہے۔'' میں نے انکار کرتے ہوئے کہا: '' آپ کے ہوتے ہوئے میں کیسے؟ آپ پڑھائیں۔'' تو اپنی بات پر زور دے کر فرمانے لگے: ''تم نے ترمذی شریف پڑھانی ہے۔'' کچھ دنوں کے بعد انگلینڈ میں صاحب زادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب تشریف لائے تو انہوں نے بھی فیصلے پر نظر ثانی کا کہا، میں ذہنی طور پر تو پہلے ہی مفتی صاحب کے حکم کی وجہ سے تیار تھا، ان کے کہنے پر بغیر کسی تاخیر کے اپنی رضا مندی ظاہر کی اور اس کے بعد تا ہنوز تدریسی عمل سے وابستہ ہوں، جب تک زندگی ہے اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

☆ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو دینی کام سے غرض تھی، جو بندہ دین کا کام کرتا وہ ان کا محبوب ہوتا اور اس کے لیے ان کی تمام شفقتیں اور عنایتیں قربان تھیں۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل مدارس لائق فارغ التحصیل حضرات کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، مگر قبلہ مفتی صاحب کا

مزاج اس معاملے میں بہت مختلف تھا۔ وہ سمجھتے جو بندہ جہاں فٹ ہوتا ہے اس کو وہیں رہنا چاہیے اور اگر کوئی بندہ کہیں کام کر رہا ہے تو اُس کو اسی جگہ کرنا چاہیے تا کہ اُسے آگے، پیچھے کرنے سے اُس کا سلسلہ تعلیم و تعلم تعطل کا شکار نہ ہو۔

☆ مجھے قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی پہلی بار زیارت کا شرف 1999ء میں ملا، میں اپنے ایک عزیز مولانا قاری محمد امین فیضی زید مجدہٗ (امام وخطیب جامع مسجد بابا شاہ جمال والٹن روڈ لاہور جو میری لاہور آمد کا واحد ذریعہ اور وسیلہ بنے) کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے شعبۂ تجوید میں داخلہ لینے گیا تو جامعہ کے صحن میں موجود قدیم درخت اور پانی والی ٹینکی کے درمیان، زمین پر، پلاسٹک کی چٹائی پر، دھوپ میں، قبلہ مفتی صاحب چند رفقائے کرام کے ہمراہ موجود تھے۔ سلام دعا ہوئی، خیریت دریافت فرمائی اور آنے کی وجہ بھی، جب داخلہ کی عرض کی تو کچھ بنیادی معلومات لیں کہ حفظ کہاں کیا؟ منزل کیسی؟ وغیرہ...... اسی اثنا میں ایک صاحب ایک مسئلہ پوچھنے آوارد ہوئے تو ان کو مسئلہ بتایا اور دلیل کے طور پر نویں پارے کی آیت مبارکہ پڑھی، پھر مجھے فرمانے لگے: یہاں سے آگے پڑھو۔ راقم نے بغیر غلطی کے پورا رکوع سنا دیا، تب تازہ حفظ تھا، تراویح بھی اسی سال پہلی بار مکمل سنائی تھیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: تلفظ تو درست ہے، مگر ابھی داخلے شروع ہونے میں ہفتہ باقی ہے، تم جاؤ اور قاری امین صاحب کو ہفتے میں پورا قرآن سنا لو؛ تا کہ جب قاری ظہور احمد سیالوی صاحب (صدر المدرسین شعبہ حفظ و تجوید جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) تمہارا امتحان لیں تو کوئی غلطی نہ آئے، اگر اُس وقت غلطی آ گئی تو وہ میری گواہی بھی نہیں مانیں گے۔ تمہارے پاس ہفتہ ہے، چار چار پارے کر کے پورا قرآن سنا لو، پھر 11 شوال المکرّم کو آ جانا۔

صرفِ اِک بار نظر بھر کے دیکھا تھا انہیں زندگی بھر میری آنکھوں کا اُجالا نہ گیا

شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہٗ فرماتے ہیں: ''نظامیہ ایک نظام کا نام ہے''۔ مہتمم اعلیٰ کے الفاظ سننے اور لکھنے کے قابل ہیں: ''تمہیں داخلہ شعبۂ تجوید وقراءت کے ذمہ داران نے دینا ہے اور یہ ان کا کام ہے، میں اس میں مداخلت نہیں کرتا'' اور یہی مشاہدہ اپنا ہے کہ جو ذمہ داری جس کو دی گئی اس کے بعد کوئی دوسرا وہاں مداخلت نہیں کرتا۔ یہ جملہ مہتممین کے لیے ایک راہنما اصول ہے۔

☆ اپنے مشائخ، اساتذۂ کرام اور اُن کے خانوادے سے بے انتہا محبت فرماتے۔ جامعہ میں مجھے داخل ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ قائدِ ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ اور دیگر اکابرِ اہل سنت کی طرف سے ایک ریلی کا اعلان ہوا، جامعہ کی طرف سے طلبا کو شرکت کا کہا گیا۔ چنانچہ جلوس میں شریک ہوئے، غالبًا جلوس چیئرنگ کراس سے گزر رہا تھا کہ قائدین والے ٹرک پر قبلہ مفتی صاحب بھی سوار ہوئے اور قائدِ ملت اسلامیہ نے شاندار اور محبت وعقیدت سے بھرپور استقبال فرمایا۔ اسی دوران سفید کپڑوں میں ملبوس، سر پر سفید جالی والی ٹوپی، اور قدرے بھاری جسامت کی ایک اور شخصیت بھی اُسی ٹرک پر سوار ہوئی۔ قبلہ مفتی صاحب نے ان کا بہت عقیدت سے استقبال کیا، دست بوسی کی۔ میری اچانک نظر پڑی اور دست بوسی کا منظر دیکھا تو بہت حیران ہوا یہ کون ہو سکتے ہیں جس کے ہاتھ مفتیٔ اعظم پاکستان چوم رہے ہیں؟ جتنی دیر وہ مزدے پر سوار رہے قبلہ مفتی صاحب ان کے پیچھے مؤدب کھڑے رہے۔ جب ان کے خطاب کا اعلان ہوا تو پتا چلا کہ یہ جگر گوشہ وجانشینِ محدث اعظم پاکستان حضرت صاحب زادہ حاجی فضل کریم صاحب ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مفتی صاحب کے استاذ زادے ہیں، یوں اس قدر ادب واحترام کی وجہ بھی سمجھ آ گئی اور مفتی صاحب سے عقیدت میں بھی اور اضافہ ہوگیا۔

☆ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کلمۂ حق کہنے میں انتہائی نڈر اور بے باک تھے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنے دور میں ایجنسیوں سے اس مردِ مجاہد کی بے باکی کی وجہ سے متعلق رپورٹ طلب کی تو اُسے بتایا گیا: ''اِس کی بے باکی کی وجہ اِس کا بے داغ کردار ہے۔'' آپ چودہ سال مرکزی وصوبائی زکوٰۃ کونسل کے ممبر رہے، مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی اور وزارت داخلہ کی ایڈوائزری کونسل کے ممبر بھی رہے، مگر کبھی ان کے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکا۔

☆ مفتی صاحب علیہ الرحمہ اپنے وصال تک اتحادِ اہل سنت کے لیے کوشاں رہے۔ ایک وقت قبلہ مفتی صاحب اور قبلہ نورانی صاحب کے درمیان کسی بات پر شکر رنجی ہوئی اور تعلقات تعطل کا شکار ہو گئے۔ استاذ گرامی، ادیب شہیر علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ جامع مسجد ظفریہ (مریدکے) میں خطیب تھے۔ اُنھوں نے حکمتِ عملی سے وہاں پر نورانی صاحب کو مدعو کیا اور اِدھر قبلہ مفتی صاحب کو بھی اور مجھے فون کر کے فرمایا: ''تم جامعہ سے مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن کی کتب لے کر مریدکے آجاؤ'' میں اور حضرت مولانا قاری محمد داؤد سیالوی (سرگودھا) کتب لے کر گئے، تابش صاحب قبلہ نے مریدکے میں مقیم ہمارے ہم جماعت علامہ شہزاد شاہد کو بلایا اور ان کتب پر قبلہ مفتی صاحب کی جانب سے بہت خوبصورت القابات کے ساتھ قبلہ نورانی صاحب کا نام لکھوایا اور اگلے دن جمعہ کی نماز پر قائد ملت اسلامیہ نے خطاب فرمایا اور حضرت مفتی صاحب نے خطبہ پڑھا اور جماعت کے لیے پھر نورانی صاحب کو مفتی صاحب نے ہی درخواست کی، انھوں نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد درود وسلام بھی پڑھا۔ دونوں بزرگ تشریف فرما ہوئے اور چند لمحات میں گلے شکوے ختم ہو گئے، پھر بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ باہم احترام میں جانبین سے کوئی کمی نہ ہوئی۔ بس اتنے لفظ سنے ''غلط فہمی ہوئی تھی''، قبلہ نورانی صاحب نے اس بندے کی جانب دیکھا، جس نے ان

تک وہ بات پہنچائی تھی، قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا: ''ہوسکتا ہے اِن کو بھی غلط فہمی ہوگئی ہو'' اور یوں پھر وہ محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ ان کے وصال پر قبلہ نورانی صاحب کراچی سے تشریف لائے اور عتیق اسٹیڈیم میں نماز جنازہ کی امامت بھی فرمائی۔

☆ ممدوح گرامی قبلہ مفتی صاحب خوش مزاج بھی تھے، مگر ان کی خوش مزاجی ہمیشہ ان کے وقار اور ان کی شخصیت کے مطابق ہوتی۔ ایک دن میں لوہاری دروازے کے باہر سے جامعہ کی طرف جا رہا تھا، غالباً عشا یا مغرب کا وقت تھا، قبلہ مفتی صاحب اپنی سواری میں بیٹھے شہیدِ پاکستان، علامہ ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی علیہ الرحمہ کا انتظار کر رہے تھے...... مجھے دیکھا تو بلا لیا، فرمانے لگے: ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب آ رہے ہیں، اُن کی موٹر سائیکل لیتے جاؤ، جامعہ کھڑی کر دینا، ہم جب واپس آئیں گے تو وہ لے لیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کی سادگی ویسے بہت مشہور تھی، انہوں نے موٹر سائیکل وہیں کھڑی کی اور گاڑی میں بیٹھ گئے...... مفتی صاحب نے فرمایا: ''موٹر سائیکل اِس کو دیں، یہ لے جائے گا، جامعہ واپسی پہ لے لیں گے۔'' ڈاکٹر صاحب ہنس کے فرمانے لگے: ''اِس کو کوئی نہیں اٹھائے گا۔'' خیر...... فرمایا: اس کو ہم نے اسی کام کے لیے روکا تھا۔ جب مَیں موٹر سائیکل لے جانے لگا تو وہ مجھ سے اسٹارٹ ہی نہ ہوئی۔ پھر ڈاکٹر صاحب گاڑی سے اُترے اور مجھے پیچھے بٹھایا اور جامعہ آ کے موٹر سائیکل کھڑی کی اور پھر میں مفتی صاحب کے حکم پر ان کے ساتھ لوہاری باہر تک انہیں چھوڑنے گیا...... کیسے حسین لوگ تھے! ان کے گزرے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا، مگر ان کی مبارک زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی آج تک آنکھ سے اوجھل نہ ہوسکا۔

☆ معروف تابعی حضرت رَبِیع بن خُثَیْم رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے جاتے تو جب تک دونوں بات چیت کر کے فارغ نہ ہوجاتے

تب تک کسی کو ان کے پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ ایک بار سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

يَـا أَبَـا يَزِيْدَ ! إِنَّ رَسُـولَ الـلّٰـهِ ﷺ لَـوْ رَآکَ أَحَبَّکَ، وَمَـا رَأَيْتُکَ إِلَّا ذَکَرْتُ الْمُخْبِتِينَ.

(المعجم الكبير : 10286، المصنف لابن ابی شیبة: 5510، الطبقات الكبرى لابن سعد، ج:6، ص:182)

ربیع! اگر رسول اکرم ﷺ تمہیں دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے۔ میں جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں تو عاجزی اختیار کرنے والوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

راقم کو اُمیدِ واثق ہے کہ اگر ہمارے حضور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے استاذ گرامی حضرت مفتی محمد عبدالقیوم علیہ الرحمہ کو دیکھتے تو ضرور ان سے محبت فرماتے۔

حال ہی میں انتقال کر جانے والے برصغیر کے نامور شاعر راحت اندوری کا ایک شعر پڑھیے جو ان شخصیات کی عکاسی کرتا ہے:

اس کی یاد آئی ہے، سانسو! ذرا آہستہ چلو
دھڑکنوں سے بھی عبادت میں خلل پڑتا ہے

مفتیٔ اعظم پاکستان......جیسا میں نے اُنھیں پایا

مفتیٔ پاکستان علیہ الرحمہ کے بعض محبین نے خصوصی شمارہ میں اِشاعت کے لیے اپنی تحریرات ارسال فرمائیں، جو ضروری ترمیم کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔(ادارہ)

بڑی مشکل سے ہوتا چمن میں دیدہ ور پیدا

تحریر: مولانا صاحبزادہ محمد عرفان تو گیروی، مہار شریف

جو بہار ملتی تو پوچھتا کہ کہاں وہ کیف نظر گیا
وہ صبا کی شوخیاں کیا ہوئیں وہ چمن کا حسن کدھر گیا

کل نفس ذائقة الموت کے ارشادِ ربانی کے مطابق ہر ذی روح نے موت کا پُل عبور کرنا ہے اور حیات مستعار کے لمحات گزار کر عالمِ فنا سے عالمِ بقا کو روانہ ہونا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے رخصت ہوتے ہی بزمِ ہستی کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے، چمنِ انسانیت پر خزاں کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں، ایسی ہی شخصیات میں سے ایک آفتابِ علم و حکمت، مخدومِ اہل سنت مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی ہزاروی علیہ الرحمہ بھی تھے، جو آسمان علم و حکمت پر مہرِ تاباں بن کر چمکے، اپنی ضیا پاشیوں اور نور افشانیوں سے ہزاروں دلوں کو منور کرنے کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

جنگل میں اس طرح سے اداسی کبھی نہ تھی
اے کارواں ٹھہر کوئی ساتھی بچھڑ گیا ہے

2003ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں درجہ ثالثہ میں پڑھتا تھا، مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ نے پورا دن جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں گزارا، عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد واپس لاہور تشریف لے گئے، ابھی ہم جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں عشا کی نماز ادا کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک مفتی صاحب کے وصال کی خبرِ غم ملی، جس سے تمام اساتذہ و طلبہ ششدر و حیران ہو گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ تقریباً نصف صدی تک اپنے تلامذہ کو دین کا درس دیتے رہے اور عشقِ رسول ﷺ کا جام بھی پلاتے رہے۔ آپ نے وہ باکمال افراد تیار کیے جن کی خدمات آپ کے حق میں صدقۂ جاریہ ہیں۔

عجز و انکساری کا کوہِ ہمالیہ

تحریر: مولانا سردار رفاقت حسین قادری، لاہور

راقم الحروف قرآنِ مجید کی منزل دہرانے کے لیے 2002ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ کے شعبۂ حفظ میں حاضر تھا، ان دنوں مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ بیشتر نمازِ عصر کے قریب جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں تشریف لاتے تھے۔ کبھی کبھار جامع المعقول والمنقول استاذی و استاذنا المکرّم مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ العالی بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ جہاں آج کل مولانا حافظ عبدالرحیم صاحب مدظلہٗ کا آفس ہے، اس کے سامنے چار پائیوں پر یہ تینوں شخصیات تشریف فرما ہوتیں۔

ایک مرتبہ قبلہ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ صبح بوقت اسمبلی جامعہ شیخوپورہ میں تشریف لائے، غالبًا وہ جمعرات کا دن تھا، تب جامعہ شیخوپورہ میں اکثر طور پر اسمبلی مسجد کے صحن میں ہوا کرتی تھی۔اس دن اسمبلی مسجد کے اندر ہوئی اور اسمبلی کے فوراً بعد اُستاذ العلما مولانا محمد طاہر تبسم قادری (جو اس وقت جامعہ شیخوپورہ کے ناظم تعلیمات تھے) اسپیکر کی جانب بڑھے اور مختصر تعارف و دعوت پیش کی کہ حضرت مفتی صاحب آپ طلبا کو پند و نصیحت فرمائیں گے، جونہی آپ نے مائیک حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی جانب بڑھایا تو ایک جذباتی طالب علم ساتھی نے بہت زوردار انداز سے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت وغیرہ بلند کئے اور آخر میں ''مفتیٔ اعظم پاکستان'' کے جملہ کو بھی بلند کیا، تمام طلبا نے حسب معمول ''زندہ باد'' کہا۔جب قبلہ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے کلام شروع کیا تو فرمایا: نعرۂ تکبیر تو اللہ کا ذکر ہوا، نعرۂ رسالت رسولِ کائنات ﷺ کا ذکر ہوا، یونہی اگلے نعروں کے بارے میں بھی ملتے جلتے کلمات فرمائے...... پھر ''مفتیٔ اعظم پاکستان......زندہ باد'' والے نعرے کی بات کرنے لگے: یہ نہ تو اللہ کا ذکر ہے نہ رسولِ محتشم ﷺ کا ذکر ہے، نہ ہی کسی بزرگ کا ذکر ہے تو اس کا مسجد میں لگایا جانا مناسب نہیں۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ عجز و انکساری کا ایسا کوہِ ہمالیہ تھے کہ خود عاجزی کا اظہار بھی فرما دیا، ہم طلبا کی تربیت بھی فرما دی اور مسجد کے تقدس بارے بھی راہ نمائی فرما دی، کہ اگر مسجد میں یہ نعرہ لگانے کی اجازت نہیں تو دیگر دنیوی کاموں کی کس قدر ممانعت ہوگی۔

ایک اور بات جس سے آپ علیہ الرحمہ کو بہت شدت کے ساتھ منع کرتے ہوئے دیکھا وہ یہ کہ اس دور میں جب طلباءِ کرام کی دستاریں ہوتیں تو ان کے متعلقین بہت شوق سے کیمرے لے کر آتے اور اپنے عزیزوں کی تصاویر بناتے۔چونکہ آپ علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت

بریلوی قدس سرہٗ کی تحقیق کے مطابق تصویر کی حرمت کے قائل تھے، اِس لیے آپ ہر سال بہت سختی کے ساتھ روکا کرتے۔ میں اپنی دستار والے سال کا جملہ کوڈ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''آپ کو بار بار روکتا ہوں کہ یہ حرام کام نہ کیا کرو، پھر کیوں کرتے ہو؟''

شریعتِ مصطفیٰ ﷺ کی اس قدر پاسداری کرنے والے اب کہاں؟......انہی اقدار کی برکت تھی کہ آج بھی جامعہ نظامیہ رضویہ اور دیگر مختلف جہات سے آپ کا فیضان جاری و ساری ہے اور تا صبح قیامت ان شاء اللہ جاری رہے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجاتِ عالیہ کو مزید بلند فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ أفضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کی حیات وخدمات پر لکھے گئے مقالہ جات

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مختلف سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں مقالات لکھے جاچکے ہیں۔دستیاب مقالات درجِ ذیل ہیں:

1......مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے سنہری کارنامے

مقالہ نگار: مولانا حافظ محمد یٰسین فریدی۔ نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی

ادارہ: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان درجہ: ایم۔اے۔عربی سن: 2004ء

2......مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے سنہری کارنامے

مقالہ نگار: مولانا حافظ محمد اسفار عالم خان نگران مقالہ: ڈاکٹر فضل حنان سعیدی

ادارہ: تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان درجہ: ایم۔اے۔عربی سن: 2004ء

3......مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی دینی وملی خدمات

مقالہ نگار: زاہد رمضان نگران مقالہ: ڈاکٹر حافظ عثمان احمد

ادارہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور درجہ: ایم۔اے۔اسلامیات سن: 2011ء

4......المفتی عبد القیوم الھزاروی (حیاته و خدماته)

مقالہ نگار: افتخار احمد نگران مقالہ: ڈاکٹر خالق داد ملک

ادارہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور درجہ: ایم۔اے۔عربی سن: 2015ء

5......مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی دینی وسیاسی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار: محمد وسیم نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد امتیاز حسین

ادارہ: امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز، لاہور درجہ: ایم۔فل۔ سن: 2018ء

برائے یادداشت

صفحہ	عنوان

اغثنی یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام

علمی ادبی اور تحقیقی مجلہ

النظامیہ

لاہور شیخوپورہ

خصوصی شمارہ

حیات و خدمات

مفتی اعظم پاکستان، شیخ العلما

مفتی محمد عبد القیوم قادری رضوی ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر فضل حنان سعیدی

مدیران

مولانا محمد فاروق شریف رضوی

مولانا شکور احمد ضیا سیالوی

مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان

مرکزی دفتر

جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

042-37374429 0315-7374429

alnizamia7374429@gmail.com

مجلس علماء نظامیہ پاکستان

حیاتِ مفتی اعظم پاکستان پر ایک نظر

تعارف: (بقلم مفتی صاحب) محمد عبد القیوم بن حمید اللہ بن گل احمد بن ملا بہادر بن بندو بابا۔ ابوسعید کنیۃً، محمد عبد القیوم علمًا، لاہوری وطنًا، ہزاروی اصلًا، تنولی جلوال نسبًا، حنفی مذہبًا، قادری طریقۃً...... من خادمی اہل السنہ مسلکًا۔

ولادت: ۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ/ 28 دسمبر، 1933ء، بمقام میرا کلاں، ضلع مانسہرہ۔

درس گاہیں: دار العلوم اویسیہ، گجرات۔ دار العلوم حزب الاحناف، لاہور۔ جامعہ رضویہ، ہارون آباد۔ مدرسہ احیاء العلوم، بورے والا۔ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد۔

اساتذہ: مفتی اعظم پاکستان ابو البرکات سید احمد اشرفی قادری۔ محدثِ اعظم پاکستان ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری۔ استاذ الاساتذہ مولانا محبّ النبی کیمل پوری۔ یادگارِ اسلاف استاذ الاساتذہ محمد مہر الدین جماعتی۔ محدثِ کبیر علامہ غلام رسول رضوی۔ شارحِ بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی۔ استاذ العلما مولانا سید انور شاہ۔ مولانا محبوب الرحمٰن ہزاروی۔ علیہم الرحمہ

مرشدِ گرامی: محدثِ اعظم پاکستان علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری علیہ الرحمہ۔

عہدے: ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان (تقریباً 28 سال)۔ صدر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان (تقریباً 2 سال)۔ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ (40 سال)۔ رکن مرکزی وصوبائی زکوٰۃ کمیٹی (تقریباً 14 سال)۔ مرکزی خازن جمعیت علماءِ پاکستان (ستمبر، 1973ء میں منتخب ہوئے)۔ رکن مرکزی سیرت کمیٹی (نومبر، 1986ء)۔

قائم کردہ ادارے: رضا فاؤنڈیشن پاکستان (1985ء)، مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان (1994ء)، منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ، ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ و بہبودِ عامہ (1993ء)

- ☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کا قیام: ۱۲ شوال، ۱۳۷۵ھ/ مئی، 1956ء
- ☆ جامعہ نظامیہ، شیخوپورہ میں تعلیم کا آغاز: ۱۹ ذو الحجہ، ۱۴۰۸ھ/ یکم اگست، 1988ء
- ☆ وصالِ مبارک: ۲۸ ویں شبِ جمادی الاخری، ۱۴۲۴ھ/ 26 اگست، 2003ء